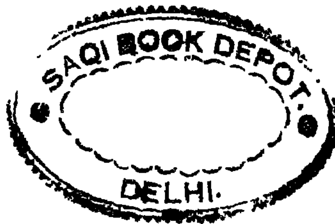
سلامبو

حصّہ دوم



مولوی عنایت اللہ بی اے



باب (۹)

لڑائی کے میدان میں

ہلکار سمجھ گیا تھا کہ متاجریا تو عتیقہ میں اس سے لڑنے کو منتظر رہینگے یا جہاں وہ ہو وہیں آکر مقابلہ کرینگے۔ یہ خیال کرکے کہ اپنی فوج نہ تو اب حملہ کرنے کو اور نہ دوسرے کا حملہ برداشت کرنے کو کافی ہے۔ ہلکار دریائے ماکار کے کنارے کنارے جنوب کی سمت میں چلا۔ اور اس طرح اُس نے اپنی فوج کو دشمن کے اچانک حملے سے محفوظ کرلیا۔

ہلکار کا ارادہ ہوا کہ آس پاس کے قبیلے جو باغی ہوگئے ہیں اُن کی معاونت سے سردست قطع نظر کرکے اُن میں سے ایسے قبائل کو جو متاجروں کے ساتھ ہوگئے ہیں توڑ کر اپنا ہوا خواہ بنالے۔ اس صورت میں جب متاجروں کو علم ہوگا کہ قرطاجنہ کے صوبہ جات میں کوئی اُن کا معاون و مددگار نہیں رہا اور وہ اکیلے رہ گئے ہیں تو پھر اُن پر حملہ کرکے ان کو نیست و نابود کردے گا۔

دو ہفتے کے اندر شکوبار اور عتیقہ سے لے کر تخنی کیا' نورہ اور داکا کے درمیان جسقدر ملک تھا اس میں امن و امان پیدا کردیا۔ قصبہ برنغارسے جو پہاڑوں میں تھا اور اسور اس سے جہاں کا بُت خانہ مشہور تھا اور جریدو سے قاصد اور ایلچی آئے۔ دیہات کے لوگ ہملکار کے پاس سامانِ رسد لے کر حاضر ہوئے اور امان مانگی۔ بعض نے

ہملکار اور اُس کے سپاہیوں کے قدم چُومے۔ بعض نے تھیلوں میں مستاجروں کے سر بھرے ہوئے پیش کئے۔ اور کہا کہ ہم نے خود اُن کو قتل کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ مُردہ مستاجروں کے سر کاٹ لائے تھے۔ کیونکہ میدانِ جنگ سے جو مستاجر بھاگے تھے انکو لوگوں نے اِدھر اُدھر کہیں زیتون کے نیچے کہیں تاکستانوں میں مرا پایا تھا۔

فتح کے دوسرے دن ہملکار نے اہلِ قرطاجنہ کو حیرت اور تعجب میں ڈالنے کیلئے دو ہزار قیدیوں کو جو میدانِ جنگ میں اسیر ہوئے تھے قرطاجنہ روانہ کیا۔ یہ قیدی سو سو کے غول میں تقسیم تھے۔ سب کے ہاتھ پُشت پر لوہے کی سلاخ میں جو گُدی سے کمر تک تھی بندھے تھے۔ زخمی قیدی بھی ساتھ ساتھ بدن سے خُون بہتا ہوا دوڑتے تھے۔ ان سب کے پیچھے سوار تھے جو کوڑے مار کر ان کو آگے بڑھاتے تھے۔

قرطاجنہ خوشی سے اس وقت دیوانہ ہو رہا تھا۔ آپس میں لوگ کہتے چلتے کہ چھ ہزار وحشی مارے گئے ہیں۔ جو زندہ بچے انہوں نے مقابلہ نہیں کیا۔ بس اب سمجھنا چاہیئے کہ لڑائی ختم ہوئی۔ سڑکوں اور بازاروں میں لوگ خوشی سے گلے ملتے فتح کی شکرگذاری میں بُزرگوں کے بُتوں پر مکھن اور خوشبوئیں چُپڑتے۔ ان بتوں کی بڑی بڑی آنکھیں اور بڑے بڑے پیٹ تھے اور سب کے ہاتھ اپنے اپنے کندھوں تک اُٹھے تھے۔ جب روغن اور خوشبوئیں ان پر ملی گئیں تو وہ بھی زندہ اور اس عام خوشی اور شادمانی میں شریک معلوم ہوتے تھے۔ دولتمندوں نے اپنے گھروں اور محلوں کے دروازے کھلوا دئے، سارا شہر طنبوروں کی گمک سے گونج رہا تھا۔ بُت خانوں اور معبدوں میں روز رات کو روشنی کی جاتی اور ربۃ تانیت کی خادمائیں ہیکل سے نکل کر ملقہ میں آئیں اور چوراہوں پر صنوبر کی لکڑی کے جو چبوترے جلسوں کیلئے بنائے گئے تھے، وہاں گاتی ناچتیں اور مردوں کے حوالے اپنے کو کرتیں۔ ملک قرۃ کے ہیکل میں قربانیاں ہوئیں اور مجلس کی طرف سے فاتحوں کو زمینیں عطا ہوئیں تین سو سونے کے تاج ہملکار کو دئے جانے کی تحریک

لی گئی۔ اور نئے نئے اعزاز و اختیارات اس کیلئے تجویز ہوئے۔

ہملکار نے قدماء سے بہ اصرار کہا کہ بڈھے گسکو کے متعلق وہ اتارتیوس سے بات چیت کریں۔ اور گسکو کی رہائی کا معاوضہ مستاجر قیدیوں کی رہائی سے ہوسکتا ہے۔ اتارتیوس کے لشکر میں لبیہ اور نومیدیا کے لوگ بھرے تھے۔ جو مستاجر قید کر کے قرطاجنہ بھیجے گئے تھے اُن سے وہ واقف نہ تھے۔ ان قیدیوں میں یونانی یا اطالوی یونانی تھے، اور چونکہ قرطاجنہ چند قرطاجنی قیدیوں کے بدلے میں زیادہ قیدی رہا کرنا چاہتا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ قرطاجنی بہ نسبت مستاجروں کے زیادہ قدر و قیمت والے ہیں۔ اتارتیوس کو یہ بھی خوف ہوا کہ اس میں کسی فریب و دغا کا مخفی ہونا بھی ممکن ہے۔ پس اتارتیوس نے اس تبادلے سے انکار کر دیا۔

اس پر قدماء نے جو مستاجر قیدی آئے تھے اُن کے قتل کا حکم دیدیا۔ گو ہملکار نے قدماء کو بار بار تاکید کی تھی کہ مستاجر جو قید ہیں اُنکو ہلاک نہ کیا جائے۔ ہملکار کا ارادہ تھا کہ ان قیدیوں میں سے جو کام کے لوگ ہوں اُنکو اپنے لشکر میں شامل کر لے۔ لیکن نفرت و عداوت نے یہ سب منصوبے مٹا دئے۔

دو ہزار قیدی ماپلیا میں قبروں کے اُونچے پتھروں سے باندھے گئے اور اب قرطاجنہ کے عوام جن میں سوداگر، زردوز اور باورچی تھے، تیر و کمان لے کر آئے اور ان قیدیوں کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ قیدیوں کو زیادہ اذیت پہونچانے کے خیال سے اُن کو نشانہ بنانے میں بڑی آہستگی اختیار کرتے تھے۔ باری باری سے کمانیں نیچی کر کے تیر چھوڑتے تھے اور تیر چھوڑ کر پھر کمانیں اُونچی کر لیتے تھے۔ آدمیوں کے ہجوم میں خوب دھکا پیل اور غل شور ہوتا۔ ایسے قرطاجنی بھی جو مفلوج تھے پالکیوں میں ڈلیوں میں پڑکر آئے کہ قیدیوں کو شکار کریں۔ بعضوں نے یہاں تک اہتمام کیا کہ اپنا کھانا بھی ساتھ لائے۔ اور شام تک اسی تماشے میں مصروف رہے۔ تماشائیوں کیلئے خیمے نصب کئے

گئے اور یہاں خوب شراب نوشی ہوئی۔ کرایہ پر لوگوں کو تیر کمان دے کر خوب روپیہ کمایا۔ شام ہوئی تو مستاجروں کی لاشوں کو جو خونی رنگ کے مجسموں کی طرح قبروں پر نصب معلوم ہوتے تھے، قرطاجنی چھوڑ کر چلے گئے۔ اور اب ملک کے رہنے والوں کو بھی خون چڑھا۔ یہ لوگ وہ تھے جو خاص اسی ملک کے رہنے والے تھے۔ اور قوم حاکم سے کوئی خاص ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ اس وقت اس شکر گذاری میں کہ قرطاجنہ کے صاحب حکومت لوگوں نے تماشا اچھا دکھایا، اُن کو حاکم قوم کے فائدے میں اپنا فائدہ بھی نظر آیا اور قرطاجنی قومیت کا احساس پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ قدما سمجھنے لگے کہ انہوں نے بڑی ہوشیاری اور لیاقت کا کام کیا ہے کہ ایک کثیر اور مختلف النوع آبادی میں محض ذوق انتقام کشی سے رشتۂ اتحاد و اخوت پیدا کر دیا۔

اس انتقام کی منظوری خداؤں نے بھی دیدی تھی۔ کیونکہ آسمان کے چاروں گوشوں سے چیل کوے اور گدھ اڑتے ہوئے زمین پر اترے۔ کچھ دیر تک پہلے ہوا پر غل مچا مچا کر چکر کاٹتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے غول تاریک بادل معلوم ہونے لگے۔ جو ہوا میں اپنے ہی محور پر گردش کرتے تھے۔ مُردہ خور پرندوں کے یہ جھنڈ کلابیا، رودیس اور راس ہرمیوم سے اٹھ کر ادھر آ رہے تھے۔ کبھی کبھی یہ تاریک بادل پھٹتا بھی تھا اور اس کے ٹکڑے جتنے دُور ہوتے جاتے تھے اُتنے ہی پھیلتے جاتے تھے۔ اس بادل کے پھٹنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک عقاب ان پرندوں پر گر کر دوسری طرف اڑتا نکل گیا تھا۔ جا بجا گنبدوں بالاخانوں کی منڈیروں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بُت خانوں میں باہر کی محرابوں کی گگروں پر یہی منحوس پرندے بیٹھے تھے۔ اور اُن کی خون آلودہ منقاریں انسان کے گوشت کی بوٹیاں تھیں۔ اس خوف سے کہ کہیں مُردوں کی عفونت سے وبا نہ پھیل جائے قرطاجنیوں نے بادلِ ناخواستہ قبروں کے پتھروں سے ان لاشوں کو کھلا، بعض کو جلا دیا۔ بعض کو سمندر میں پھینک دیا۔

لاشیں بہتی ہوئی خلیج کے کنارے جالگیں۔ کنارے کے سامنے ہی اتارتیوس کا لشکر پڑا تھا۔

اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اتارتیوس کے لشکر والے ان لاشوں کو دیکھکر ڈرے۔ اور ہیکل عشمون کے گنبد پر سے قرطاجنیوں نے دیکھا کہ متاجر اپنے ڈیرے خیمے اکھیڑ رہے ہیں۔ اپنے گلے اور ریوڑ جمع کرکے گدھوں کی پیٹھ پر اپنا کُل سامان لادرہے ہیں۔ اور اسی دن شام ہوتے ہوتے سارا لشکر کہیں روانہ ہوگیا۔

اب اتارتیوس کے لشکر کا یہ کام رہ گیا تھا کہ گرم چشمے والے پہاڑوں اور بزرتہ کے درمیان گشت لگا کر اہلِ صور کے بسائے ہوئے شہروں کو ہملکار کی زد سے بچاتا رہے۔ اور ہملکار کو قرطاجنہ میں نہ آنے دے۔

اسپندیوس اور ماتو کے لشکر اِس کوشش میں تھے کہ جنوب میں پہونچکر ہملکار کو جا گھیریں۔ اسپندیوس مشرق کی طرف اور ماتو مغرب کی طرف اپنا لشکر لے گیا۔ اور پہلے سے سوچ لیا کہ اس نقل و حرکت میں تینوں لشکر ایک جگہ مل جائیں۔ اور پھر ہملکار پر اچانک حملہ کریں۔ اب متاجروں کو ایک ایسی کمک پہونچی جس کا پہلے گمان تک نہ تھا۔ یعنی نرہیوا اس بادشاہ نومیدیا ایک مرتبہ پھر نمودار ہوا۔ اور اب اُس کے ہمراہ تین سو اُونٹ تھے جن پر قیر لدا تھا۔ پچیس ہاتھی اور چھ ہزار سوار بھی تھے۔

ہملکار نے سوچا تھا کہ اپنی ہی ریاست میں دُور بیٹھا کسی کام میں مصروف رہے اور اس اثنا میں متاجر کمزور ہوتے جائیں۔ قرطاجنہ میں آکر ایک گنتولی قوم کے قزاق سے نامہ و پیام کیا۔ یہ قزاق آجکل اس فکر میں تھا کہ اپنی ایک ریاست سب سے الگ قائم کرلے۔ قرطاجنی زر و دولت کی مدد سے اس نے نومیدیا کی ماتحت ریاستوں میں بغاوت پیدا کردی۔ اور وعدہ کیا کہ وہ اصل ریاست سے آزاد کردیے جائینگے۔

لیکن نرہیوآس کے رضاعی بھائی نے نرہیوآس کو ان کل واقعات سے مطلع کر دیا چنانچہ وہ قرطاجنہ میں آیا اور کامیاب فریق کو تالابوں میں زہر ملا کر مروا ڈالا۔ کچھ لوگوں کے سر قلم کئے۔ اور اس طرح اپنی ریاست میں امن و انتظام قائم کر لیا۔ اور اب جو وہ ہمکار پر حملہ کرنے آیا تو اس میں متاجروں سے زیادہ غیظ و غضب بھرا تھا۔

اب ان چاروں لشکروں کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ لڑائی کا کیا انتظام ہو اور اس انتظام پر کس طرح عمل پیرا ہوں۔ چونکہ یہ جنگ ایسی ہوگی جو مدت دراز تک رہیگی۔ اسکے تمام امکانات پر غور و خوض کیا گیا۔

سب سے پہلے اس امر کا تصفیہ ہوا کہ رومانیوں سے اس جنگ میں مدد ضرور لی جائے۔ اور یہ کام اسپنڈیوس کے متعلق کرنا چاہا لیکن اسپنڈیوس رومانیوں کا بھاگا ہوا غلام تھا۔ اس کی ہمت اس کام پر نہ بندھی اور اس نے بالآخر اس سے قطعی انکار کر دیا۔ یونانی نوآبادیوں سے بارہ آدمی نومیدیا کے جہازوں پر سوار ہو کر اٹابہ سے روانہ ہوئے۔ اب لشکروں کے سرداروں نے ہر متاجر سپاہی سے اس بات کا حلف لیا کہ جو کام اُن کو بتا دیا جائے اس کو نہایت فرمانبرداری اور تن دہی سے انجام دیں۔ افسرانِ فوج روزانہ سپاہیوں کے کپڑوں اور جوتوں کا معائنہ کرتے۔ سپاہیوں کو ڈھال ساتھ رکھنے کا حکم نہ تھا۔ کیونکہ وہ اکثر تیروں کو زمین پر گاڑ کر اور ڈھال کو اُوپر رکھ کر جہاں ہوتے وہیں سو جایا کرتے تھے۔ سپاہیوں سے ایسا سامان جو گھسیٹ کر لے چلنا پڑتا تھا لے لیا گیا۔ اور جو چیزیں ساتھ رہنے کی تھیں انکو رومانی سپاہیوں کی طرح اپنی پیٹھ پر لے جانے کا حکم ہوا۔ ہاتھیوں کی زد سے بچنے کے لئے ماتو نے ایک دستہ زرہ پوش سواروں کا ساتھ کر دیا۔ اس دستے میں سوار اور اس کا گھوڑا فرس بحری کی کھال میں ڈھکے تھے۔ اور اس کھال پر میخیں وریہ کیلیں جڑی تھیں۔ گھوڑوں کے سموں میں بجائے لوہے کے نعل کے گھاس کے مٹھے باندھے

گئے. تاکہ سُم محفوظ رہیں۔

ایسے شہروں میں جہاں تجارت کا کاروبار تھا لوگوں پر سختیاں کرنے کی ممانعت کر دی گئی بالخصوص اُن لوگوں کے ساتھ جو قرطاجنی نسل سے نہ تھے۔ دیہات میں کھانے پینے کا سامان جب گھٹ چلا تو ماتو نے حکم دیا کہ کھانے پینے کی چیزیں صرف سپاہیوں کی تعداد کے مطابق دی جائیں۔ اُن کی بیویوں کا خیال کرکے نہ دی جائیں. شروع شروع میں تو مردوں نے اپنے ہی حصّہ سے عورتوں کو کھلایا۔ اس طرح غذا کی کمی سے اکثر سپاہی کمزور ہو گئے اور رفتہ رفتہ یہی بات آئے دن کے جھگڑوں اور فسادوں کا باعث ہو گئی۔ کیونکہ بہت سے مردوں نے دوسروں کی بیویوں کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنے کا لالچ دلا کر اُن پر قبضہ کر لیا۔ ماتو نے حکم دیا کہ بلا رعایت تمام عورتیں لشکر سے باہر کر دی جائیں۔ اب عورتوں نے اتارتیوس کے لشکر میں پناہ لی. لیکن لیبیہ اور گالیہ کے آدمیوں نے ان کو اس قدر بُرا بھلا کہا اور بات بات پر ستانا شروع کیا کہ وہ کہیں اور چلی گئیں۔

آخر کار وہ سب قرطاجنہ کی فصیلوں کے نیچے آئیں تاکہ دیبی سیریز اور پرسیفنی سے فریاد کر کے پناہ مانگیں. کیونکہ برسا میں ان دیبیوں کا ایک مندر تھا۔ یہ مندر اور اس کے پروہت اپنی دیبیوں کے ناموں سے پکارے جاتے تھے. ان مندروں کا قیام اس وجہ سے تھا کہ سرقوسہ کے محاصرے میں جو ظلم و ستم ہوئے تھے اُن کی تلافی ہو۔

مجلس سی ستیا خود ذرا ذرا سی بات پر اپنے حقوق جتانے لگی تھی، اُس نے ان عورتوں میں جو جوان تھیں اُن پر اپنا قبضہ رکھنے کا استحقاق ظاہر کیا تاکہ اُن کو فروخت کر ڈالے، لکدموئی عورتیں جو گورے رنگ کی تھیں اُن سے قرطاجنہ جدید کے

لوگوں نے شادیاں کرلیں۔

بعض عورتیں ایسی تھیں کہ جب لشکر چلتا تھا تو وہ اس کے ساتھ دوڑتی تھیں۔ اور رسنے ٹنکس کے ساتھ اُن کے افسروں کے قریب چلتی تھیں، کوئی اپنے شوہر کو آواز دیتی، کوئی شوہر کا دامن پکڑ کر گھسیٹتی. کوئی چھاتی پیٹ کر کوسنے کاٹنے دیتی. کوئی اپنے ننگے روتے شیر خوار بچے کو ہاتھ میں لئے ان کی طرف بڑھتی۔ متاجروں کو عورتوں کی یہ حالت دیکھ کر بڑا رنج اور افسوس ہوتا۔ اور اب یہ عورتیں لشکر کے حق میں بڑی پریشانی اور خطرے کا موجب ہوگئیں۔ باربار ان عورتوں کو دوسری طرف ہکایا جاتا تھا مگر وہ پھر وہیں آجاتی تھیں۔ آخر کار ماتو نے نرہیواس کے سواروں کو حکم دیا کہ وہ برچھیوں سے ان کو ہٹائیں. متاجروں نے ماتو کی طرف دیکھ کر کہا کہ ہم اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں. ماتو نے جواب دیا" خود میرے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے"

اس وقت ماتو مولخ کی رُوح کے زیر اثر تھا اور وہ آسمان کی طرف دیکھ کر سخت جور وستم کرنے لگا۔ اور سمجھا یہ کہ وہ خُدا کے احکام بجالا رہا ہے۔ جب کھیتوں کو ویران نہ کرسکتا تو اُن میں پتھر اور کنکر ڈلواتا کہ تاکہ اناج پیدا نہ ہو۔

ماتو نے آتارتیوس اور اسپندیوس کے پاس اس پیغام سے قاصد بھیجے کہ وہ عجلت کریں لیکن ہملکار کے کام کسی کی سمجھ میں نہ آتے تھے. کبھی اُس نے اپنا لشکر ابدوس میں کبھی منشار میں کبھی تونیت میں ڈالا۔ قراول آتے اور کہتے کہ ہملکار کی ایک جھلک سی انہوں نے نرہیواس کے ملک کی سرحدوں پر مقام اشبیل میں دیکھی تھی، یہ امر تحقیق ہوا کہ ہملکار نے دریائے تبربا کو عبور کرلیا ہے۔ اسی غرض سے کہ کسی طرح قرطاجنہ پہنچے ہملکار ایک جگہ پہونچکر فوراً وہاں سے دوسری جگہ روانہ ہوجاتا۔ جن راستوں سے وہ جاتا وہ کسی کو معلوم نہ ہوتے۔ ہملکار ہمیشہ فائدے میں رہتا۔ نہ تو وہ لڑتا تھا اور

پھر معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ مستاجر فوجوں کا سردار ہے جو اسکے آگے آگے چل رہا ہے۔ مگر حقیقت میں مستاجر اُسکے تعاقب میں رہتے تھے۔

قرطاجنہ سے نئی فوجیں ہملکار کے پاس آنی بند ہو چکی تھیں۔ اب اس روز اسکے نقل و حمل کوچ و باز کوچ میں اس کی فوجیں تعداد میں روز بروز کم ہوتی گئیں۔ پہلے کی طرح اب دیہات کے لوگ بھی شوق اور تیزی سے کھانے پینے کی چیزیں پیش نہ کرتے تھے۔ ہر جگہ ایک قسم کا تذبذب اور خاموش ناراضمندی ظاہر ہونے لگی۔ فوجوں کے لئے ہملکار برابر مجلسِ عظمٰی کے پاس درخواستیں روانہ کرتا تھا۔ لیکن قرطاجنہ سے کمک نہ آتی تھی۔

لوگ کہتے تھے بلکہ یقین کرتے تھے کہ ہملکار کو فوجوں کی مطلق ضرورت نہیں ہے اس میں اُس کی کوئی چال ہے۔ اس کی شکایتیں بالکل فضول ہیں۔ ہانو کے طرفداروں نے اس کی فتح کو خوب مبالغوں سے بیان کرنا شروع کیا۔ غرض یہ تھی کہ ہملکار کو نقصان پہونچے۔ اس وقت جس قدر سپاہ ہملکار کے ساتھ تھی اُس پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکتا تھا کہ جو کچھ وہ مانگے سب اُس کو دیا جائے۔ لڑائی کے مصارف اس وقت قرطاجنہ پر ایک بڑا بار تھے۔ روپیہ بہت صرف ہو چکا تھا۔ اُمرا قرطاجنہ میں جو لوگ ہملکار کے طرفدار تھے اُن کو غرور اور پندار نے ہملکار کی خفیف امداد کے سوا زیادہ مدد کرنے سے باز رکھا۔

جب ہملکار کو قرطاجنہ سے مدد پہونچنے کی طرف سے قطعی نا اُمیدی ہوئی تو اس نے قبائل سے بجبر وہ چیزیں جن کی ضرورت تھی لینی شروع کیں۔ اناج، تیل، فوج کے لئے آدمی، لکڑی اور مویشی وصول کئے۔ لیکن اس پر قبیلوں نے یہ کیا کہ اپنے اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب ہملکار جن جن قصبوں سے گزرا ان کو خالی پایا۔ مکانوں کی تلاشی بھی لی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اور قرطاجنہ کا یہ لشکر بہت جلد حالتِ تباہی

میں بے یار و مددگار رہ گیا۔

قرطاجنی سپاہ نے غصے میں آکر قرطاجنہ کے ماتحت صوبوں کو لوٹنا شروع کیا۔ جس قدر حوض وہاں آب نوشی کے تھے ان میں مٹی بھر دی اور گھروں میں آگ لگادی۔ ہوا نے پتنگے دور دور پہونچائے۔ پہاڑوں پر جو جنگل کھڑے تھے ان میں بھی آگ لگ گئی۔ پہاڑوں کے شعلے وادیوں کے سر پر روشن تاج رکھے نظر آنے لگے۔ وادیوں سے گذرنے میں دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ جب چلے تو جلتی راکھ پر چلنا پڑا۔ اور سر پر دھوپ بھی شدت کی تھی۔

کبھی قرطاجنہ کے لشکر والوں کو سڑک کے کنارے کسی جھونپڑی میں کوئی چیز چمکتی دکھائی دیتی۔ اور معلوم ہوتا کہ شیر کی آنکھیں ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ایک وحشی آدمی کی آنکھیں ہوتی تھیں جو بدن پر خاک ملے زمین پر بیٹھا ہوتا تھا تاکہ جھاڑی پر پتا نہ چلے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ قرطاجنی کسی نالے میں سے گزرتے ہیں اور فوج کے دونوں بازوؤں سے سپاہی پتھروں کے گرنے کی آواز سنتے اور جب نگاہ اٹھاکر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ ایک آدمی ننگے پاؤں کسی غار سے نکل کر اوپر دوڑتا ہوا چڑھ رہا ہے۔

اس زمانے میں عتیقہ اور بزرتہ کے شہر مستاجروں کے محاصرے اٹھا لینے سے آزاد ہو رہے تھے۔ ہملکار نے ان دونوں شہروں میں حکم بھیجا کہ وہ اس کی مدد کو آئیں لیکن ہملکار سے مصالحت پر وہ راضی نہ ہوئے۔ حیلے حوالے کرتے رہے۔ شکریہ بھی ادا کرتے رہے اور حاضر ہونے سے مجبوری بھی ظاہر کی۔ اب ہملکار دفعتاً شمال کی طرف پلٹا اور قصد کیا کہ اہل صور کے بسائے ہوئے شہر میں داخل ہو خواہ اس میں اس شہر کا محاصرہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ساحل پر کسی ایسے مقام پر قبضہ کرنا ضروری تھا کہ وہ کا بیرینی یا جزیروں سے سپاہی اور کھانے پینے کا سامان مہیا

کر سکے۔ ہملکار کی بڑی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح عتیقہ پر قبضہ ہو جائے کیونکہ وہاں سے قرطاجنہ قریب تھا۔

پس ہملکار زوتیس سے چلا اور بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے بزرتہ کی جھیل کا چکر کاٹا۔ ہملکار جلد اس بات پر مجبور ہوا کہ اپنی فوج کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے پھیلا دے تاکہ وہ اس پہاڑ پر چڑھ جائیں جو دو وادیوں کے بیچ میں واقع تھا۔ اس پہاڑ کی چوٹی قیف کی شکل کی تھی۔ جب ہملکار کے فوجی اس کے اندر اترنے لگے تو انہوں نے اپنے سامنے بھیڑئے کی بہت سی مادائیں دیکھیں جو گھاس پر دوڑتی تھیں اور ان کا رنگ بیر بنر کا سا تھا۔

دفعتاً ان کو پر نظر آئے اور بانسریوں کی آواز کے ساتھ ایک گیت سنائی دیا۔ یہ گیت ایسا تھا جس کو سن کر دلوں میں خوف پیدا ہوتا تھا۔ یہ درحقیقت اسپندیوس کا لشکر تھا۔ اسپندیوس کے لشکر والوں کو قرطاجنہ سے اس درجہ بغض تھا کہ ان میں جو لوگ یونانی یا کمپانی تھے انہوں نے بعض طریقے رومانی اختیار کر لئے تھے۔ اس وقت بائیں جانب کو لمبے لمبے برچھے اور ڈھالیں جن پر چیتے کی کھالیں منڈھی تھیں نظر آئیں۔ ان کے کرتے بغیر آستینوں کے سن کے کپڑے کے تھے۔ شانے ان کے ننگے تھے، یہ ماتو کی ای بیری فوجیں تھیں۔ ان میں لوسی تانیہ جزائر بلیارک اور گیٹولیہ کے آدمی تھے۔ نرہیوا اس کے رسالوں کے گھوڑے جبکہ وہ پہاڑ کے گرد صف بستہ تھے ہنہناتے سنائی دیے۔ اسکے بعد وہ بے قاعدہ فوجیں جو آتار تیوس کے زیر فرمان تھیں اور جن میں گالیہ اور نیبیہ کے لوگ اور خانہ بدوش بکثرت تھے دکھائی دیں۔ انہی میں ناپاک چیزوں کے کھانیوالے بھی تھے۔ انکے بالوں میں مچھلی کی ہڈیاں لگی تھیں۔ اور یہی انکی پہچان تھی۔

غرض اس طرح پہلے سے ٹھیک کو بچ تجویز کر کے وحشی مستاجروں نے

اپنے چاروں لشکر یکجا کر لئے۔ لیکن جب ان کو ہملکار یکایک دکھائی دیا تو وہ چلتے چلتے ٹھیر گئے اور چند لمحوں تک باہم مشورہ کرتے رہے۔ ہملکار نے اپنی فوج کو حلقوں میں ترتیب دیا تھا تاکہ جہاں کہیں دشمن مقابلہ کرے تو پوری قوت سے اس کا جواب دیا جا سکے۔ لمبی نوکدار ڈھالیں کنارے سے کنارہ ملا کر اس طرح زمین میں نصب کی تھیں کہ تمام پیدل فوج ان کے حلقے میں آگئی تھی۔ کلی باری سواروں کے دستے حلقے سے باہر رہے۔ اور ان سے کچھ دور ہاتھی کچھ کچھ فصل سے کھڑے کئے گئے۔ مستاجر فوجیں اس وقت بہت خستہ ہو رہی تھیں۔ اس لئے دن نکلنے کا انتظار انکو مناسب معلوم ہوا۔ مستاجروں کو اب اپنی فتح کا یقین ہو گیا۔ اور ساری رات وہ کھانے پینے میں مصروف رہے۔

مستاجروں نے لکڑیوں کے بڑے بڑے انبار جلا رکھے تھے۔ انکی روشنی اس طرح پڑتی تھی کہ نیچے قرطاجنی فوجیں تاریکی میں رہتی تھیں اور خود مستاجر اتنی تیز روشنی میں تھے کہ ان کی آنکھیں چندھیائی جاتی تھیں۔ رومانی طریقہ جنگ کے مطابق ہملکار نے اپنے لشکر کے گرد ایک خندق پندرہ قدم چوڑی اور دس ہاتھ گہری کھدوائی تھی۔ مٹی جو اس خندق کے کھودنے سے نکلی تھی اس کا ایک پشتہ اندر کے رخ بنوایا تھا۔ یہ پشتہ گویا خندق کے بعد دشمن کے لئے دوسری رکاوٹ تھا۔ پشتے پر میخیں اور چوبیں ترچھی لگا کر اس کو مضبوط کر دیا تھا۔ صبح کو مستاجر یہ دیکھکر حیرت زدہ ہوئے کہ قرطاجنیوں نے اپنے گرد ایسا مضبوط حصار قائم کر لیا ہے کہ گویا وہ ایک مستحکم قلعہ کے اندر ہیں۔

بہت سے خیموں میں انہوں نے ہملکار کے خیمے کو صاف پہچان لیا۔ ہملکار خود اس وقت فوجوں کو حکم دیتا پھرتا تھا۔ اس وقت وہ بھورے رنگ کی زرہ پہنے تھا۔ جوشن اور چار آئینے کے طبق فلس ماہی کی شکل کے تھے۔ پیچھے پیچھے گھوڑا تھا۔

کہیں کہیں چلتے چلتے ٹھیر جاتا تھا۔ اور اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ بہت سے مستاجروں کو کسی زمانے کی صبح کے وہ اوقات یاد آنے لگے جبکہ ہملکار بوق و دہل کی آوازوں میں اُن کے سامنے سے گزرا کرتا تھا۔ اور اُس کی ایک نگاہ ان میں وہ جوش اور ولولے پیدا کرتی تھی کہ شراب کی پوری صراحی بھی وہ حالت پیدا نہ کر سکتی۔ جو لوگ ہملکار سے واقف نہ تھے وہ اس بات پر خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے کہ آخر کار ہملکار ہمارے قبضے میں آگیا۔

اب اگر سب مستاجر مل کر ایک دم سے ہملکار پر حملہ کرتے تو جگہ کی تنگی سے اندیشہ تھا کہ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو زخمی کر دیں گے۔ ممکن تھا کہ نمودیا کے رسالے ہملکار پر دھاوا کر بیٹھیں۔ لیکن اس کے کلی باری سوار جو زرہ پوش تھے بڑھ کر نومیدیا کے رسالوں کو غارت کر دیں گے۔ علاوہ اس کے سوال یہ تھا کہ وہ خندق اور پشتے سے جس پر میخیں اور برچھی لگی ہیں کیونکہ گذر سکیں گے۔ ہاتھی جس قدر تھے وہ لڑائی کے لئے ابھی تک پورے طور پر سدھائے نہیں گئے تھے۔

ماتو نے للکار کر کہا کہ "تم سب بزدل اور نامرد ہو"۔ اتنا کہہ ماتو اپنے بڑے بڑے جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے قرطاجنیوں کی خندق کی طرف ڈپٹا۔ مگر اُدھر سے پتھروں کی ایک بوچھاڑ ایسی زبردست آئی کہ ماتو اور اس کی سپاہ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس سنگ باری کی شدت اس وجہ سے ہوئی کہ ماکار کے پل پر جس قدر منجنیقیں مستاجر بھاگتے وقت چھوڑ گئے تھے اُن پر ہملکار قابض ہو گیا تھا۔ اس ناکامی پر اب مستاجروں کے لشکر میں تذبذب اور نزاع پیدا ہو گیا۔ اور ان کی ہمت میں جو تیزی اور شدت پہلے تھی وہ اب پست ہو چلی۔ وہ ہملکار کو مغلوب کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ خواہش بھی تھی کہ اپنا نقصان جس قدر کم ہو وہ

اچھا ہے۔ اسپنڈیوس کی رائے تھی کہ متاجر جہاں ہیں وہیں رہیں اور تمام راستے روک کر قرطاجنیوں کو فاقوں سے مرجانے دیں۔ لیکن قرطاجنیوں نے اپنی لشکر گاہ میں کوئیں کھود لئے تھے۔ چونکہ وہ اس وقت بلندی پر تھے اور انکے چاروں طرف پہاڑ تھے اسلئے پانی کے چشمے ان کو آسانی سے دریافت ہوگئے۔

اب قرطاجنیوں نے اپنے اس عارضی قلعہ سے متاجروں پر تیروں کی بارش کی کبھی کبھی مٹی اور گوبر یا کنکر اٹھا کر متاجروں پر پھینکے۔ اور چھ منجنیقیں جو پشتے پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک نصب تھیں وہ برابر سنگ باری کرتی رہیں۔

لیکن کوئیں جو کھودے تھے اُن کی نسبت خوف تھا کہ ایک دن پانی انکیں خشک ہوجائے گا۔ اور اسی طرح کھانے کا سامان بھی کم ہوتے ہوتے ختم ہوجائیگا۔ متاجروں کی تعداد اس وقت قرطاجنیوں سے دہ چند تھی۔ پس آخر میں فتح انہی کو ہوجائے گی۔ ہملکار نے متاجروں سے گفت وشنید کی تاکہ اس کو وقت ملجائے۔ چنانچہ ایک دن صبح کے وقت متاجروں کو اپنے لشکر میں بھیڑ کی ایک کھال ملی جس پر نہایت باریک خط میں بہت کچھ لکھا تھا۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ متاجروں پر جو فتح ہملکار کو حاصل ہوئی تھی وہ ایک مجبوری فعل تھا۔ قدمار نے اس کو لڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اور یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ وہ اپنے قول کا سچا ہے اُس نے وعدہ کیا ہے کہ عتیقہ یا بزرتہ میں جس کو متاجر پسند کریں گے اُسکے محاصرے کی اجازت دیدوں گا۔ اخیر میں یہ بھی لکھا کہ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں کیونکہ تم میں جو لوگ بڑے غدار ہیں ان کو میں نے ملا رکھا ہے۔ اور اُن کی مدد سے باقی متاجروں کا کام تمام کردونگا۔

اس تحریر کو پڑھکر جو بھیڑ کی کھال پر لکھی تھی، متاجر بڑے بے چین و پریشان

ہوئے۔ عتیقہ یا بزرتہ کے محاصرے اور وہاں سے مالِ غنیمت کے ملنے کے وعدے پر غور کرنے لگے۔ اُن کو ہملکار کی یہ ٹیڑھی چرٹھی تحریر ایسی نہیں معلوم ہوئی جس میں کوئی دغا دھوکا ہو۔ اب اُن کو آپس ہی میں فریب اور دغا کا گمان ہونے لگا۔ اور ایک دوسرے کو شُبہ کی نظر سے دیکھنے لگا۔ جو لفظ کسی کے مُنہ سے نکلتا سُنتے۔ یا جو کام کسی کو کرتے دیکھتے اُس پر غور کرتے۔ رات کے وقت گجر بجتے ہی اُٹھ بیٹھتے۔ لشکر کے مختلف جتھوں میں بہت لوگوں نے اپنے جتھے کا ساتھ چھوڑ دیا جس نے جس جتھے کو پسند کیا اس میں شریک ہو گیا۔ چنانچہ اتارتیوس اور گالیہ کے لوگ سس الپنیا والوں کے جتھے میں جا ملے۔ جن کی زبان وہ سمجھتے تھے۔

روز رات کے وقت چاروں لشکروں کے سردار ماتو کے خیمے میں جمع ہوتے تھے۔ اور ایک ڈھال پر لکڑی کے مُہروں کو جو پرہوس کی ایجاد سے تھے غور سے دیکھا کرتے۔ ان مہروں سے فوج کی نقل و حرکت ظاہر ہوتی تھی۔ اسپنڈیوس ہملکار کی فوجی قوت پر بحث کرتا اور سب سے کہتا کہ دیکھو جو موقع اس وقت ہاتھ لگا ہے اسکو جوکھوں میں نہ ڈالو۔ اور اپنی تقریریں میں کوئی خدا ایسا نہ چھوڑتا جس کی قسم نہ کھاتا ہو۔ ماتو کو غصہ آتا اور وہ کچھ منہ ہی مُنہ میں بُڑبُڑاتا۔ اور کہتا کہ قرطاجنہ سے لڑائی اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ کسی غیر آدمی کو اس میں دخل دینے سے کیا مطلب۔ ہاں اگر وہ میرے احکام پر عمل کرنا چاہتا ہو تو مضائقہ نہیں۔ اتارتیوس نے ماتو کی صورت سے اُس کے دل کا حال معلوم کر کے اُس کے قول کی تعریف کی۔ نرہوا س نے ماتو کی بات پر نفرت ظاہر کرنے کیلئے اپنا مُنہ اُونچا کر لیا۔ اور ایک تدبیر بتائی۔ مگر ماتو کو اُس کی بتائی ہوئی تدبیر سخت مُضر و مُہلک معلوم ہوئی۔ ماتو کے مُنہ سے ایک آہ نکلی۔ اس آہ نے گویا ایک خواب و خیال کی تکلیف دُور کر دی۔ جس کے پورا ہونے کو وہ جانتا تھا کہ غیر ممکن ہے۔ اور پھر ایک لاحاصل کام پر عمل پیرا ہونے کی مایوسی اور نا اُمیدی طبیعت پر غالب

ہو گئی۔

اِدھر تو مستاجر اس کوشش میں تھے کہ کسی قطعی ارادے اور عزم پر پختہ ہوں۔ اُدھر ہملکار دشمن کی مدافعت کی تدبیروں میں مصروف تھا۔ اُس نے پشتہ کے اندر ایک دوسرا حلقہ خندقوں کا تیار کرایا اور ایک دوسری دیوار حصار کے طور پر قائم کی۔ اور گوشوں پر لکڑیوں کے برج بنوا کر کھڑے کئے اور اپنے غلاموں کو دُور کی چوکیوں پر بھیجا کہ راستے میں لوہے کے خار منصب کریں۔ لیکن ہاتھی جن کو آج کل کھانے کو کم ملتا تھا خالی کھڑے اپنی زنجیریں کھڑکھڑاتے تھے۔ چارہ کی کفایت کیلئے ہملکار نے کلی باری سواروں کو حکم دیا کہ اُن کے جو گھوڑے کمزور ہوں اُن کو ذبح کر ڈالیں۔ بعض سواروں نے اس سے انکار کیا اُن کو فوراً قتل کروا دیا۔ گھوڑے ذبح کر کے کھائے گئے۔ اور پھر مدت تک تازے گوشت کو قرطاجنی حسرت سے یاد کرتے رہے۔

قرطاجنی اپنے اس مدور حصار سے جس میں وہ مقید تھے مستاجروں کے چاروں لشکروں میں اور اُن سے اوپر پہاڑیوں کی بلندی پر دیکھا کرتے تھے کہ وہاں خوب چہل پہل ہے۔ عورتیں سروں پر مشکیزے لئے پھرتی ہیں۔ بکریاں بولتی ہوئی پھر رہی ہیں۔ جہاں جہاں برچھے آڑے ترچھے لگے ہیں وہاں پر پہرے والے پہرا بدلتے ہیں۔ اور تپائیوں کے کنارے بیٹھے سپاہی کھانا کھاتے ہیں اور گرد کے بسنے والے قبیلوں نے مستاجروں کو کھانے پینے کی چیزوں سے خوب مہیا کر رکھا ہے۔ مستاجروں کو خیال تک نہ تھا کہ اپنا اس طرح بیکار پڑا رہنا قرطاجنیوں کے حق میں کس درجہ مضر اور آفتوں کا سامان ہے۔

دوسرے دن قرطاجنیوں نے دیکھا کہ خانہ بدوشوں کے لشکر میں تین سو آدمیوں کی ایک جماعت سب سے علیحدہ کر کے کھڑی کی گئی ہے۔ یہ تین سو آدمی قرطاجنیوں کے ہم وطن تھے۔ یعنی وہ دولتمند تھے جن کو لڑائی شروع ہونے کے زمانے میں مستاجروں

نے قید کر دیا تھا۔ لبیہ سے چند آدمیوں نے ان قیدیوں کو ایک خندق کے کنارے حصار باندھ کر کھڑا کیا۔ ان کے چہرے قرطاجنہ والوں کی طرف تھے اور یہ لبیہ کے لوگ پیچھے سے ان قیدیوں کو تاک تاک کر جاولن مارتے تھے۔ اور ان کی قطار کو اپنے بچاؤ کے لئے ایک دیوار بنا لیا تھا۔ یہ بدنصیب قیدی اب پہچانے تک نہ جاتے تھے۔ میل کچیل سے اُن کے چہرے مسخ ہو گئے تھے۔ سروں پر سے بعض جگہ بال نُچے تھے اور وہاں زخم اور پھوڑے دکھائی دیتے تھے۔ یہ قیدی اس قدر لاغر اور دُبلے تھے کہ سوائے ہڈی اور چمڑے کے اب ان میں کچھ باقی نہ تھا۔ انسان نہیں بلکہ چیتھڑوں میں لپٹی ممی معلوم ہوتے تھے۔ ان میں بعض کے جسم پر سر سے پاؤں تک رعشہ تھا۔ اور وہ بے عقل دیوانوں کی طرح روتے تھے۔ بعض ان میں اپنے قرطاجنی دوستوں کو پکار پکار کہتے تھے کہ ان متاجر ظالموں کی طرف اپنے تیر برساؤ۔ انہیں قیدیوں میں ایک شخص تھا جو سر جھکائے تھا۔ نہ وہ بولتا تھا اور نہ حس و حرکت کرتا تھا۔ ڈاڑھی اتنی بڑھی تھی کہ ہاتھوں تک پہونچتی تھی جن میں ہتھکڑیاں اور زنجیریں پڑی تھیں۔ قرطاجنیوں نے اس درد اور تکلیف کے ساتھ جو اُن کو اپنی ریاست کے غارت ہونے پر محسوس ہوتا تھا۔ آخر کار اس قیدی کو پہچانا کہ وہ گسکو ہے۔ اب حالت نازک پیدا ہو چلی۔ بہت سے قرطاجنی آس پاس کھڑے ہو گئے کہ اس قیدی کو وہ خاص طور پر دیکھیں۔ اسکے سر پر ایک تاج نہایت بدنما اسپ بحری کی کھال کا بنا ہوا رکھا تھا اور ان میں کنکر جڑے تھے۔ یہ کارنامہ اتاریتوس کا تھا۔ لیکن ماتو اس تحقیر و تذلیل کے تاج کو دیکھکر دل میں بُرا مانتا تھا۔

ان قیدیوں کا حال دیکھکر ہملکار کو ایسا طیش آیا کہ اس نے خندق والے پُشتے کے راستے کھلوا دئے اور ایک دم متاجروں پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ اس میں چاہے نتیجہ کچھ ہی ہو۔ راستوں کے کھُلتے ہی قرطاجنی بڑے جوش و خروش سے حملہ کرنے چلے۔

لیکن تین سو قدم یعنی آدھی پہاڑی چڑھے ہونگے کہ وحشیوں کا ایک سیلاب انکی طرف آیا اور قرطاجنیوں کو پھر اپنی جگہ واپس آنا پڑا۔ جیشِ اشرف کا ایک سوار جو پیچھے رہ گیا وہ پتھروں میں ٹھوکر کھا کر گرا۔ زارازاس اس کی طرف جھپٹا اور سوار کو گرا کر ایک خنجر اس کے گلے میں بھونک دیا اور زخم پر مُنہ درندے کی طرح لگا کر خون چوسنا شروع کیا۔ اس خون چوسنے کی حالت میں زارازاس بار بار ایک جھرجھری سی لیتا تھا لیکن زخم سے مُنہ نہ ہٹاتا۔ بڑے بڑے گھونٹوں میں پیتا رہا۔ اس کے بعد وہ سوار کی لاش پر بیٹھا اور اپنا مُنہ اُونچا کر کے جیسے کوئی بارہ سنگھا کسی پہاڑی چشمے سے پانی پی کر مُنہ اُونچا کرتا ہے اپنی وحشی زبان میں ایک گیت گانے لگا۔ آواز میں تار چڑھاؤ بکثرت تھے اور کچھ ایسی ترکیب سے تھے کہ آواز ایک طرف پہاڑوں میں گونج کر دوسری طرف گونجتی تھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پکارا کہ آؤ تم بھی اس ضیافت میں شریک ہو۔ اور پھر اپنے ہاتھ ٹانگوں کے بیچ میں ڈال کر اُس نے سر جُھکایا اور زور زور سے رونے لگا۔ اس وحشیانہ اور ظالمانہ حرکت پر مستاجروں کو سخت نفرت و کراہت معلوم ہوئی۔

اس کے بعد پھر قرطاجنیوں نے اپنے حصار سے نکل کر دُشمن پر حملہ کرنے کا قصد نہیں کیا۔ بلکہ ارادہ یہ ہوا کہ دُشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ گو یہ سب جانتے تھے کہ ہتھیار ڈالتے ہی وہ سب نہایت سخت اذیت اور تکلیف سے مارے جائیں گے۔

کھانے پینے کا سامان باوجود ہملکار کی سخت احتیاط کے کم ہوتے ہوتے اب کچھ نہ رہا تھا۔ رسد میں فی شخص ۱۰ خومر غلہ، ۳ ہین مَی اور ۳ تبر اخشک پھلوں کے کر دیئے گئے تھے۔ اب نہ کھانے کا گوشت رہا تھا۔ نہ تیل اور نہ کوئی نمکین چیز۔ گھوڑوں کیلئے جَو کا ایک دانہ تک نہ تھا۔ سب دیکھتے تھے کہ یہ غریب جانیں اپنی دُبلی سُوکھی گردنیں

جھکائے مٹی میں کوئی تنکا ہی ڈھونڈتی تھیں کہ مل جائے تو کھالیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا تھا کہ چاندنی رات میں مٹی کے پشتے پر جو سوار پہرہ دیتے تھے وہ مستاجروں کے کسی کتے کو نیچے فضلہ کھاتے دیکھ کر پتھر مارتے اور پھر نیچے اتر کر مرے کتے کو کھا لیتے اور کسی کو کہتے نہ تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ کوئی آدمی نیچے اترا، بہت سے کتوں کے بھونکنے کی آواز آئی اور آدمی پھر نہ پلٹا۔ ایک موقع پر تین سپاہیوں میں ایک چوہے پر بڑی لڑائی ہوئی اور آپس میں تینوں نے ایک دوسرے کو ہلاک کر دیا۔

لشکر گاہ میں خالی بیٹھے قرطاجنی اپنے گھروں اور بال بچوں کو یاد کیا کرتے، جو مفلس تھے وہ اپنے جھونپڑوں اور کواڑوں پر جو سیپیاں لگی تھیں اور جال جو سکھانے کیلئے پھیلائے گئے تھے ان کو یاد کیا کرتے۔ دن کے وقت جب بہت ہی سستی معلوم ہوتی، تو سونے لیٹ جاتے اور لیٹے لیٹے بازاروں اور کوچوں کا غل جس میں ہوا کے باغوں میں پتوں کے ہلنے کا شور شامل ہوتا سنتے اور ان چیزوں کو بخوبی یاد رکھنے کے لئے وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے اور پھر اس غفلت سے اس وقت چونکتے جب کوئی زخم پہونچتا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ تھا کہ جس میں کوئی ہنگامہ یا خطرہ نہ پیش آجائے۔ چوبی برجوں میں کسی نے آگ لگا دی اور جلنے لگے۔ ناپاک چیزوں کے کھانے والے پشتے پر چڑھ آتے اور جب قرطاجنی تبر سے ان کے ہاتھ کاٹ دیتے تو وہ بھاگ جاتے۔ تیروں کا مینہ اکثر خیموں پر برسا کرتا۔ قرطاجنیوں نے اکثر جگہ نرسل چھا دئے تھے تاکہ تیروں سے پناہ ملے۔ اور انہی کے سایہ میں تیروں سے اپنے تئیں بچائے رکھتے اور باہر نہ نکلتے۔

آفتاب جب پہاڑی کے گرد گردش کرتا تو تیسرا پہر شروع ہوتے ہی نالے میں دھوپ کا نام بھی نہ رہتا اور قرطاجنی لشکر تاریکی میں آجاتا۔ قرطاجنی لشکر گاہ کے سامنے اور پیچھے کے رخ ڈھلواں زمین تھی۔ زمین کنکریلی تھی۔ سر پر آسمان بالکل کورا تھا۔ اور

ایسا صاف اور سرد تھا گویا ایک لوہے کا گنبد ہے۔ ہملکار کو قرطاجنہ کی بے توجہی پر اسقدر غصہ تھا کہ بار بار دل چاہتا تھا کہ مستاجروں سے مل جائے۔ اور ان کو ساتھ لیکر قرطاجنہ پر یورش کردے۔ اب نوبت یہاں تک پہونچی کہ غلام، حمال اور سودا بیچنے والے بھی بڑبڑانے لگے۔ ہملکار یا اُس کی فوجوں کو قرطاجنہ کے لوگوں یا مجلس عظمٰی کی طرف سے کسی قسم کی اُمید یا توقع نہ دلائی گئی۔ قرطاجنہ میں سب سمجھ رہے تھے کہ روز بروز حالت زبوں ہوتی جائے گی اور اس وجہ سے ہملکار اور اس کی فوجوں کو اور بھی تکلیف پہونچتی تھی۔

جب قرطاجنہ میں فوج کے مصائب کی اطلاع پہونچتی تو وہاں کے لوگوں کا غصہ اور بھڑکتا۔ اگر ہملکار پہلی ہی لڑائی میں شکست کھا جاتا تو اُس کو اتنا بُرا نہ کہا جاتا۔ لیکن اب تو نہ قرطاجنہ کے پاس نئی فوجیں تھیں اور نہ تنخواہ دار سپاہیوں کے بھرتی کرنے کے لئے روپیہ تھا اور نہ کافی وقت تھا۔ اور اگر بفرض محال شہر سے سپاہی بھرتی بھی کئے جاتے تو اُن کو مسلح کرنے کے لئے ہتھیار نہ تھے۔ ہتھیار جس قدر تھے وہ ہملکار ساتھ لے گیا تھا۔ اگر سپاہی مقرر بھی کئے جاتے تو اُن کی سرداری کے لئے آدمی کہاں سے آتے۔ شہر میں جس قدر فوجی سردار اور افسر تھے وہ سب ہملکار کے ہمراہ تھے۔ اس اثنا میں جتنے آدمی ہملکار قرطاجنہ بھیجتا تھا وہ سرراہ کھڑے ہوکر شکایتیں بیان کرتے۔ یہ بات ایسی تھی جس سے مجلس عظمٰی کے ارکان کو اندیشہ پیدا ہوا اور اُنہوں نے ایسا انتظام کیا کہ سرراہ شکایتیں نہ ہونے پائیں۔

لیکن اس قسم کا تدارک فضول تھا۔ ہر شخص ہملکار برقہ کو بُرا کہتا تھا اور کہتا تھا کہ اُس نے مستاجروں کے ساتھ بہت رعایت کی۔ اس کو چاہیئے تھا کہ مستاجروں کا جب ہی قلع قمع کردیتا۔ قبیلوں کو لوٹنا ہملکار کی بیجا حرکت تھی۔ قرطاجنہ نے ہملکار کی وجہ سے کچھ کم نقصان نہیں اُٹھائے ہیں۔ عمائد قرطاجنہ کو افسوس تھا کہ انہوں نے چودہ شیکل

چندہ دیکر مفت میں نقصان اُٹھایا۔ مجلس سی سیتیا کو قلق تھا کہ دو لاکھ تیئیس ہزار کیکار سُرخ گیہوں دیئے۔ جن لوگوں نے کچھ بھی نہ دیا تھا وہ بھی دینے والوں کی طرح کف افسوس ملتے تھے۔ عام لوگوں کو اس بات پر رشک تھا کہ قرطاجنہ جدید کے باشندوں کو شہری حقوق دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ لیگوری سپاہیوں کو جو بڑی جوانمردی سے لڑے تھے وحشی مستاجروں سے خلط ملط سمجھا گیا۔ اور ان پر بھی لعنت ملامت کرنے میں کمی نہیں کی گئی۔ اب لیگوری قوم سے ہونا ایک جُرم سمجھا گیا۔ اور اُن کی نسبت خیال کیا گیا کہ وہ سازش میں شریک ہیں۔ دُکاندار دُکانوں میں، بیلدار اپنے بھاری بیلچے ہاتھوں میں لئے۔ نمک فروش اپنے تھال اور تھالیاں دھوتے ہوئے، حماموں کے مُلازم۔ گرم گرم پینے کی چیزوں کے بیچنے والے سب بیٹھکر لڑائی پر بحثیں کرتے۔ زمین پر بیٹھکر خاک پر لڑائی کا نقشہ کھینچتے۔ اور شہر کے بیکار لوگوں میں کوئی بُرے سے بُرا آدمی ایسا نہ تھا جو ہملکار کی غلطیاں نہ نکالتا ہو۔

کاہن کہتے تھے کہ ہملکار نے زندگی میں اتنی مُدت تک گناہ کئے ہیں۔ انہی گناہوں کی سزا اُسے اب مل رہی ہے۔ کبھی اُس نے قربانی نہیں کی۔ اور نہ اُس نے اپنی فوج کے آدمیوں کو پاک اور مطاہر کیا۔ پیش خبروں کو کبھی اس نے اپنے لشکر کے آگے آگے چلنے نہیں دیا۔ اور اس طرح ہملکار پر لامذہبی کا الزام لگاکر اُن سے نفرت وعداوت کو جو اب تک ایک حد کے اندر تھی بالکل ہی عام کر دیا۔ یہ غصہ وہ تھا کہ جو اُمیدوں کے مٹ جانے سے پیدا ہوا تھا۔ صقلیہ میں جو شکست ہملکار کو ہوئی تھی اُسکے واقعات دُہرائے جانے لگے۔ اور اس کے غرور نخوت کو یاد دلایا گیا جو مدت دراز سے قرطاجنہ کے لوگ برداشت کرتے چلے آئے تھے۔ مجلس کُہنہ کے خزانے پر ہملکار نے جو قبضہ کیا تھا۔ اس کو اس مجلس نے ابھی تک معاف نہیں کیا تھا۔ پس اس مجلس نے مجلسِ عظمیٰ سے اس امر کا قول وقرار لے لیا کہ اگر ہملکار کبھی قرطاجنہ میں آئے تو اُسے دار

پر کھینچا جاتے۔

ماہ ایلول کا موسم اس سال خاص طور پر گرم تھا۔ منجملہ دیگر آفات کے یہ آفت بھی کچھ کم نہ تھی۔ جھیل کی سطح سے متعفن بخارات اُٹھتے تھے۔ اور یہی متعفن بخور اُن خوشبودار دھونیوں میں مل جل جاتے تھے جو راستوں کے گوشے پر روشن کی جاتی تھیں۔ معبدوں میں دعاؤں کی آواز ہر وقت بلند ہوتی، ہیکلوں کی سیڑھیوں پر آدمیوں کا ہجوم رہتا۔ ہر دیوار کی منڈیر پر سیاہ نقاب نظر آتے۔ بزرگوں کے چھوٹے چھوٹے بتوں کے سروں پر شمعیں روشن کی جاتیں، قربانی میں آدمی ذبح کئے جاتے اور اُن کا خون اُوپر کی سیڑھی سے لیکر نیچے کی سیڑھی تک بہتا نظر آتا۔ سیڑھیوں کے پتھروں پر خون کے چھتر نظر آتے۔ قرطاجنہ اس وقت سخت غصّے اور عتاب کی حالت میں تھا۔ تنگ سے تنگ گلیوں اور تاریک سے تاریک گھروں سے زرد زرد صورتیں نکلتیں۔ اُن کے چہرے اگر پہلو کی طرف سے دیکھے جاتے وہ سانپ کے مُنہ معلوم ہوتے تھے، یہ لوگ دانت پیستے ہوئے باہر آتے تھے۔ گھروں میں عورتوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں کھڑکیوں کی جالیوں سے نکل کر ان لوگوں کو متوجہ کرتی تھیں جو چوک میں کھڑے باتیں کرتے تھے۔ بعض وقت خیال کیا جاتا تھا کہ مستاجر وحشیوں کے غول شہر کے قریب آ گئے ہیں۔ گرم چشمے والے پہاڑوں سے کچھ آگے وہ دیکھے گئے تھے۔ تونس کے قریب انکا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔ اور یہی خبریں ایک زبان سے نکل کر سینکڑوں زبانوں پر آکر ایک غل اور پھر ایک عالمگیر شور پیدا کر دیتیں۔ پھر سب طرف خاموشی کا عالم ہوجاتا، بعض لوگ ہاتھوں سے آنکھوں کا سایہ کئے مکانوں کی محرابوں اور منڈیروں پر چڑھ کر وہیں معلق رہتے۔ بعض فصیلوں کے نیچے زمین پر پڑے پڑے کان لگائے ہوتے۔ پہلی مرتبہ کا خوف جب دُور ہوگیا تو اُسکے بعد جو خوف پیدا ہوا اس سے سب میں قہر و غضب پھر بھڑک اُٹھا۔

لیکن جب ان کو اپنی نامردی اور پست ہمتی کا یقین ہو گیا تو پھر ان کی حالت افسردگی اور افسوس کی ہو گئی۔ یہ افسردگی روز شام کو اُس وقت بڑھ جاتی جبکہ وہ بالاخانوں پر آکر آفتاب کو رُخصتی سلام کرنے میں نوبار تعظیماً نعرے بلند کرتے۔ سورج جھیل کے کنارے آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا اور دفعتاً مغرب میں پہونچکر جہاں مستاجروں کا لشکر پڑا تھا غائب ہو گیا۔ وہ سہ گونہ مقدس رسم کے ادا کرنے کے انتظار میں کھڑے تھے کہ ایک چتا سے یکایک ایک عقاب نکل کر آسمان کی طرف اُڑا۔ یہ علامت تھی کہ سالِ نو شروع ہو گیا۔ اور عقاب کی یہ پرواز ایک پیغام تھی کہ انسان اور آفتاب کی قوتوں میں باہم ایک واسطہ اور تعلق ہے چونکہ آج کل لوگوں کے دلوں میں نفرت اور عداوت کی شدت تھی اس لئے وہ مولخ کی پرستش کی طرف زیادہ متوجہ تھے جو انسان کا غارت کرنے والا ہے۔ ربۃ تانیت کی پرستش کی طرف زیادہ متوجہ تھے جو انسان کا غارت کرنے والا ہے۔ ربۃ تانیت کی پرستش سے اُنہوں نے اجتناب کیا تھا۔ چونکہ ربۃ تانیت کا پیرہن اب اس کے پاس نہ رہا تھا۔ اس لئے لوگ سمجھتے تھے کہ پیرہن کے کم ہونے سے تانیت کی ربانی قوت میں فرق آگیا۔ تانیت نے قرطاجنہ پر بارش بند کر دی تھی اور اس شہر سے اپنا دست کرم اُٹھا لیا تھا۔ اب وہ دُشمن اور بیوفا سمجھی جانے لگی بعض اپنی نفرت ظاہر کرنے کے لئے اُس کی طرف پتھر پھینکتے تھے لیکن بہت ایسے تھے کہ باوجود اس کے بُرا کہنے کے اس پر ترس کھاتے تھے ممکن تھا کہ اب تک سب کو اُسکے ساتھ محبت و اُلفت ہو۔

غرض اہلِ قرطاجنہ پر جس قدر مصائب آئے اُن کا اصلی باعث زائمت کا سرقہ تھا۔ اور اس سرقے میں سلامبو کی بالواسطہ شرکت تھی۔ اس لئے جو غصہ تانیت پر تھا وہی سلامبو پر بھی تھا۔ سلامبو کو اس قصور کی سزا دینی لازمی تھی اور اس کو صدقہ بنانے کا ایک غیر واضح سا خیال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوا۔ اگر تعلیم رخداوں کا

قہر و عتاب دُور کرنا ہے تو کوئی نہایت قیمتی چیز ان پر چڑھائی جائے۔ وہ ایک انسان ہو جو حسین بھی ہو اور پاک بھی ہو اور کسی پُرانے شریف خاندان کا رُکن ہو۔ اور وہ خُداؤں کی اولاد میں سے ہو۔ اور آدمیوں میں وہ نجم فلک کی مثل مانا جاتا ہو۔ میگارا کے باغوں میں اب روز ایسے آدمی نظر آیا کرتے جن سے کوئی واقف نہ ہوتا۔ غلام اپنی جان کے خوف سے ان کا مقابلہ نہ کرتے۔ لیکن وہ آبنوس والے زینے سے آگے نہ بڑھتے، نیچے ہی کھڑے رہتے اور اپنی نگاہ محل کے سب سے اُوپر والے بالاخانہ کی طرف جمائے رکھتے اُن کو سلامبو کا انتظار ہوتا اور گھنٹوں تک اُدھر دیکھکر وہ اُسی طرح آواز لگاتے تھے جیسے کتے چاند کو دیکھکر بھونکتے ہوں۔

باب (۱۰)

سانپ

ہملکار کی بیٹی کیلئے یہ عام افواہیں موجبِ خوف نہ تھیں۔

آج کل سلامبو پریشان ضرور تھی۔ مگر اُس کی پریشانی کی وجہ ایک اعلیٰ مقصد تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اُس کا سانپ آج کل دُبلا اور کمزور ہوتا جاتا تھا۔ قرطاجنیوں کے نزدیک سانپ کُل قوم ہی کی نہیں بلکہ ہر فرد کی پرستش کی چیز تھا۔ سانپ کو سمجھتے تھے کہ وہ خاک کا زائیدہ ہے کیونکہ زمین کی تہ سے وہ نکلتا ہے اور چلنے کے لئے پاؤں نہیں رکھتا۔ اُس کی چال سے دریاؤں کے خمدار رہگزروں، اور اُس کی جسمانی حرارت سے اُس ظلمت کا پتہ چلتا ہے جو ہمیشہ آزار دہ اور کثرت سے حاصل خیز ثابت ہوئی ہے۔ جو حلقہ وہ اپنی دُم کو مُنہ میں لیکر بناتا ہے اُس سے عبارت کواکب سیارہ کے نظام اور ربِّ عشمون کی عقل و دانش سے ہے۔

سلامبو کے سانپ کو ہر ماہِ تمام اور ماہِ نو پر چار زندہ چڑیاں کھانے کو دی جاتی تھیں۔ لیکن بار بار دیکھا گیا کہ اُس کو کھانے کی طرف رغبت نہ تھی۔ اسکی خوبصورت سیاہ جلد پر آسمان کی طرح سُنہری گُل بکھرے تھے۔ لیکن اب وہی جلد پیلی پڑ کر جھُریا چلی تھی اور اس کی شکل ایسی ہو چلی تھی جیسے بدن پر ڈھیلا کپڑا ہو۔ سر پر سپید پھپھوندی سی

لگی معلوم ہوتی اور پپوٹوں کے گوشوں میں سُرخ سُرخ داغ حرکت کرتے نظر آتے۔ سلامبو اب اکثر اسکے چاندی کے تاروں والے پٹارے کے پاس آتی۔ پٹارے کا قرمزی غلاف اُتار کر نیلوفر کے پتے اور چڑیوں کے پر نکال کر پھینکتی۔ مگر سانپ بے حس و حرکت اپنے ہی ڈھیر پر کُنڈلی مارے بیٹھا رہتا۔ بعض وقت اُس کی صورت ایسی معلوم ہوتی جیسے کوئی سوکھی بیل پڑی ہو۔ جب اس بیمار سانپ کو سلامبو دیکھتی تو اُسکے دل سے کوئی چیز بل کھاتی اُوپر کو اُٹھتی معلوم ہوتی اور اُٹھتے اُٹھتے وہ حلق تک آجاتی اور دم گھٹنے لگتا۔

گوزاعمف کے دیکھنے سے دل کو مایوسی اور ناامیدی ضرور ہوتی تھی لیکن پھر بھی سلامبو خوش تھی اور اپنے اُوپر ناز کرتی تھی۔ زاعمف کی تہوں میں کوئی راز مخفی تھا۔ وہ نورانی غُبار تھا جو خداؤں کے گرد چھایا رہتا ہے۔ اور وہ کائنات کا ایک رازِ سربستہ تھا۔ سلامبو گو اس خیال سے ڈرتی تھی مگر اس کا افسوس ضرور تھا کہ اُس نے ربّہ کے پیرہن کو کھولکر اچھی طرح کیوں نہ دیکھا۔

آجکل سلامبو اپنے کمرے کے ایک گوشے میں سکڑی سمٹی بیٹھی رہتی تھی۔ دونوں ہاتھوں کے حلقے میں ایک گھٹنا خم کیے لب سے لب جُدا، ٹھوڑی نیچی کیے نگاہ ایک طرف کو جمائے افسردہ خاطر غم کی تصویر بنی بیٹھی رہتی۔ باپ کی صورت جب یاد آتی تو لرز جاتی۔ دل میں ارمان تھا کہ فنیقیہ کے پہاڑوں میں جاکر ہیکل افاکا کی زیارت کرے۔ یہ مقام وہ تھا جہاں ربّہ تانیت ایک ستارے کی شکل میں زمین پر اُتری تھی۔ طرح طرح کے خیالات دل و دماغ پر ہجوم کرتے تھے۔ ہر خیال کیساتھ ایک خوف و بیم بھی ضرور تھا۔ باپ کا حال بالکل نہ جانتی تھی کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔

جب اپنی پریشان خیالی سے گھبرا جاتی تو اُٹھتی اور کمرے میں خاموش ٹہلنے لگتی۔ چلنے میں کف پائی میں ایڑی کے لگنے کی آواز ہوتی رہتی۔ زمرد اور یاقوت جو چھت گیری میں جڑے تھے وہ روشنی کے متحرک نقطے معلوم ہوتے تھے۔ سلامبو سر اُونچا کرکے اُنکی

طرف دیکھتی۔ کبھی وہ کوری مٹی کی صُراحیوں کے پاس آتی جو چھت میں لٹکی تھیں۔ انکی دستی پکڑ کر سینہ کو لگاتی کہ کلیجے کو ٹھنڈک پہونچے۔ پھر پنکھوں کے نیچے ٹھنڈی ہوائیں آتی۔ کبھی کھولے موتیوں میں قرفہ جلاکر دل بہلاتی۔ آفتاب غروب ہونے کو ہوتا تو تنعاخ آتی اور دیواروں میں موکھوں پر جو سیاہ نمدے کے پردے لوزات کی قطع کے پڑے ہوتے اُن کو اُٹھاتی۔ موکھوں سے قمریاں جن پر مُشک کے ذرّے چھڑکے ہوتے تانیت کی قمریوں کی طرح معطر زمین پر اُترتیں۔ سلامبو شیشے کے فرش پر جَو کی مُٹھیاں بھر بھر کر اس طرح پھینکتی جیسے کھیت میں اناج ڈالا جاتا ہو۔ اور اس فرشِ بلوریں پر قمریاں اپنے لال لال پنجوں سے چلکر جو اُٹھا اُٹھا کر کھاتی تھیں۔ اسی کیفیت میں سلامبو کو یکلخت رونا آیا۔ اور وہ سُبکیاں بھر کر رونے لگی۔ اور پھر چشم دوختہ خیرہ نگاہ ہوکر رنگت مُردے کی طرح زرد، بیہوش ہوکر اس پلنگ پر گری جو بَیل کے چمڑے کے تسموں سے بُنا تھا۔ اور دیر تک اس حال میں کہ مُنہ سے ایک ہی لفظ بار بار نکلتا تھا، پڑی رہی۔ مگر اس حال میں بھی کھجوروں کی چوٹیوں پر جو لنگور چڑھے غُل مچاتے تھے یا رتھ کے چلنے کی آواز کانوں میں آتی رہی۔ رتھ شفاف پانی کی چادر کو ایک منزل سے دوسری منزل پر چڑھا کر آخر کار سلامبو کے سنگِ سماق کے حوض میں لا گراتا تھا۔

کبھی ایسا ہوتا کہ کئی کئی دن تک کھانا نہ کھاتی اور تخیّل دُھندلے دُھندلے ستاروں کو اُس کے قدموں سے نیچے گُذرتا دکھاتا۔ کبھی شاہابریم کو طلب کرتی اور جب وہ آتا تو جو کہنے کی بات تھی وہ یاد نہ آتی۔

شاہابریم کی عدم موجودگی میں سلامبو کو جینا مشکل تھا۔ لیکن اسکے جبر اور تسلط کی دل میں بیزار رہتی۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی خوف و نفرت، رشک و حسد اور ایک قسم کی لُطف سی جو کسی عجیب مخلوق کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے وہ متاثر ہوتی۔

شاہابریم اُن خداؤں کو پہچان لینے میں جو انسان میں بیماریاں پیدا کرتے ہیں،

بڑا مشتاق تھا۔ اُس نے سلامبو کو ربۃ تانیت کے زیرِ اثر بتایا۔ فوراً ایک عرق جو دوشیزہ لڑکیوں کے بالوں اور نہایت خوشبودار پھولوں سے کھینچا گیا تھا سلامبو کے کمرے میں چھڑکوایا۔ سلامبو روز صبح کے وقت کاہن کے کہنے سے خاص خاص جڑیں کھایا کرتی۔ اور ایسے تکیئے پر سر رکھکر سوتی جس میں خوشبوئیں اور عطریات بھرے ہوتے۔ شاہا برکیم نے بازاس کا استعمال بھی بتایا جو نہایت سرخ آتشیں رنگ کی ایک بوٹی ہوتی ہے۔ اس بوٹی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مریض کے سر پر جسقدر ارواحِ خبیثہ اپنا دخل کرتی ہیں وہ اُتر کر شمال کی جانب بھاگ جاتی ہیں۔ آخر کار اس کاہن نے قطب تارے کی طرف مُنہ کر کے تین مرتبہ تانیت کا نام لیا۔ مگر سلامبو کا مزاج دُرستی پر نہ آیا۔ بلکہ تکلیف بڑھ گئی۔

شاہابرکیم کے برابر قرطاجنہ میں کوئی صاحبِ علم وفضیلت نہ تھا۔ جوانی میں بابل کے قریب بورسیپا کے شہر میں مدرسۂ موبدان میں درس حاصل کر چکا تھا۔ تکمیل کے بعد ساموتریسی، پاسی نیوس، افلیسوس، تھسلی، یہودیہ میں اور زیادہ تحصیل علم کیلیے پھرا۔ بارہا بنی نباط کے عبادتخانوں میں کچھ زمانہ بسر کیا۔ کبھی ریگستانوں میں گُم کردہ راہ بنا۔ اور رودِ نیل کے آبشاروں سے دریا کے کنارے کنارے پیادہ پا چلکر سمندر تک آیا۔

مصر میں آیا تو چہرے پر نقاب ڈالکر مشعلوں کی روشنی میں ایک کالے پروں کا مُرغا جلتے سُرخ مصالح میں ڈال کر ابوالہول کے سینے پر کھینچ مارا۔ غار ہائے پروسرپائن کے اندر اُترا۔ اور لمنوس کی بھول بھلیاں میں پانچ سو ستونوں کو گردش کرتے دیکھا۔ اور تارنتم کے مشہور چراغدان کی سبز روشنی بھی دیکھ چکا تھا۔ اس چراغدان میں اتنے چراغ تھے جتنے کہ برس میں دن ہوتے ہیں۔ راتوں کو اُس نے یونانیوں سے ملاقات کی اور اُن سے جرح کرنی چاہی۔ وہ اِس عالم کی ترکیب وساخت کی تحقیق میں اتنی دلچسپی نہ رکھتا تھا جس قدر کہ خداؤں کی فطرت معلوم کرنے کا شائق تھا۔ اس نے درسگاہ اسکندریہ میں ساعتِ شمسیہ سے لیل ونہار کا اعتدال معائنہ کیا تھا۔ اور فرعون یورگتیس کے

اُن منجموں کے ساتھ رہا تھا جو افلاک کی پیمائش اپنے قدموں سے کرتے تھے۔ کاہن نے سفر کر چکا تھا۔ اسی سیر و سیاحت نے اُس کے دماغ میں ایک نئے مذہب کی شکل جو خصوصیت کے ساتھ اسی کی ایجاد تھی قائم ہو چلی تھی۔ چونکہ اس مذہب میں شریعت نہ تھی۔ اس لئے خدا کی معرفت حاصل کرنے کا بڑا جوش و خروش موجود تھا۔

اب وہ زمین کو مخروط کی شکل نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ اس کو مدور خیال کرتا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ وہ فضا میں برابر نیچے گرتی چلی آتی ہے۔ اور اس گرنے میں اُسکی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس کا گرنا کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔

چونکہ کرۂ آفتاب ماہ کے کرے سے زیادہ مرتفع تھا اس لئے بعل کی سیادت بطور نتیجہ کے اُس نے مستنبط کی تھی۔ اور وہ کرۂ آفتاب کو بعل کا چہرہ یا عکس تصور کرتا تھا۔ کرۂ زمین کے متعلق جس قدر مشاہدات شاہابریم نے کئے تھے اُن سے وہ اس نتیجے پر پہونچا تھا کہ موت سب پر حاوی اور قادر ہے۔ ربۃ تانیت کو وہ اپنی تمام بدنصیبیوں کی وجہ قرار دیتا تھا۔ یہ ربۃ تانیت ہی تھی جس کی وجہ سے کاہن کبیر نے ایک طشت میں نہایت تیز کھولتا پانی بھر کر اسکو اس کی مردمی اور رجولیت سے محروم کیا تھا۔ اور اب وہ بڑی افسردہ دلی سے اُن مردوں کو دیکھتا تھا جو کاہنات کے ہمراہ تربن کے درختوں کے جھنڈ میں جایا کرتے تھے۔

زندگی میں جو خدمتیں اُس کے سپرد تھیں وہ یہ تھیں کہ ہیکل میں جس قدر بخوردان یا سونے کے ظروف، دیپنے یا قربانگاہوں میں آگ کریدنے یا سمیٹنے کی چیزیں ہوں اُنکی نگہداشت اور معائنہ کرتا رہے۔ اسی طرح بتوں کی جس قدر پوشاکیں اور لباس ہوں حتیٰ کہ برنز کی وہ سوئی تک دیکھتا رہے جو تانیت کے ایک بہت پرانے بت کے بالوں میں حلقے پیر ڈالنے کے کام میں آتی تھی۔ یہ پرانا بت تاک زمردی کے قریب تیسرے ہیکل میں رکھا تھا۔ ہمیشہ ہیکل کے ایک ہی سے پردوں کو جھاڑا کرے اور ہمیشہ ایک ہی زرنگاروں پر

دُعائیں پڑھتا سجدہ کیا کرے۔ جبکہ اور کاہن سب ہیکل کے ایوانوں، کمروں اور برآمدوں میں بے تکلف پھرا کریں۔

مگر سلامبو اپنی خشک و بے لطف زندگی میں اُس پھول کی مثل تھی جو کسی قبر کی ریخ میں کھلا ہو۔ اس پر بھی شاہابریم کا برتاؤ اُسکے ساتھ سخت تھا۔ اور اُسکو مکافاتِ عصیاں کے لئے سخت سے سخت کفاروں کا حکم دیتا تھا۔ تلخ و ترش الفاظ اُسکو کہتا۔ سلامبو اور شاہابریم کا باہم تعلق بہت کچھ دونوں کی جنس کی یکسانی پر قائم تھا اور شاہابریم کو جو کچھ شکایت سلامبو سے تھی یہ نہ تھی کہ وہ اُس کی کبھی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ دراصل شکایت یہ تھی کہ وہ اس قدر خوبصورت اور پاک جنس کیوں ہے۔ سلامبو کو وہ دیکھتا تھا کہ اُس کے خیالات کو سمجھنے کی وہ کوشش کرتی ہے۔ شاہابریم افسردگی کیساتھ اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیتا۔ اور اپنی نسبت سمجھتا کہ اس کی مثل کوئی انسان جسکو سب نے ترک کیا ہو دُنیا میں نہیں۔ وہ اپنے تئیں تنہا اور اپنے دل کو خالی پاتا تھا۔

کبھی کبھی شاہابریم کے مُنہ سے ایسے عجیب و غریب الفاظ نکلتے جو سلامبو کے نزدیک ان چمکتی بجلیوں سے کم نہ ہوتے جو کسی غارِ تاریک کو یکلخت روشن کر دیتی ہیں۔

ایسے الفاظ شاہابریم کی زبان پر رات کے وقت جبکہ دونوں بالاخانے پر ستاروں کو مشاہدہ کرتے ہوئے آتے تھے، اس وقت قرطاجنہ کا شہر جھیل اور اس سے آگے سمندر ان دونوں کے قدموں کے نیچے پڑا نظر آتا۔ اور سمندر کا رنگ رفتہ رفتہ تاریکی میں چھپ جاتا۔

شاہابریم سلامبو کے سامنے بیان کرتا کہ رُوحیں جو زمین پر آتی ہیں اُنکا راستہ وہی ہے جو منطقۃ البروج میں سے آفتاب کے گذرنے کا ہے۔ اور ہاتھ اُٹھا کر ستارۂ ایریس میں اُس دروازے کو بتاتا جس سے بنی نوع انسان نکل کر خداؤں کی حضور میں

حاضر ہوتی ہے۔ اسی طرح کوپرنکیس کے ستارے میں وہ دروازہ دکھاتا جس سے بنی نوع انسان باہر نکلتی ہے۔ سلامبو ان چیزوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی کوشش کرتی۔ اور اپنے تصور میں ان خیالات کو اصلیت کا جامہ پہناتی۔ وہ اِن باتوں کو جو خالص رموز یا طرزِ بیان کی ایک شکل ہوتیں حقیقت سمجھتی۔ اور ان میں فرق و تمیز پیدا کرتی۔ درحالیکہ ان میں تمیز کرنا خود شاہابریم نہ جانتا تھا۔

شاہابریم کہتا کہ "مرنے کے بعد جس طرح زمین پر مُردوں کے جسم سڑتے گلتے ہیں اسی طرح اُن کی رُوحیں کرۂ ماہ میں گلتی سڑتی ہیں۔ کرۂ ماہ میں رطوبت انسان کے آنسوؤں کی ہے۔ وہ ایک تاریک مقام ہے جہاں طوفان اکثر آتے ہیں۔ جہاں کیچڑ رہتی ہے اور ٹوٹی پھوٹی چیزوں کے انبار لگے ہیں۔"

سلامبو پوچھتی کہ "جب میں وہاں جاؤنگی تو میرا کیا حال ہوگا؟"

شاہابریم جواب دیتا۔ "پہلے تو تیرا یہ کالبد خاکی لطیف ہوتے ہوتے مثل اُس بھاپ کے ہوجائے گا جو سطحِ بحر پر اُڑتی نظر آتی ہے۔ پھر ایک مُدت کی آزمائشوں اور تکلیفوں کے بعد تو آفتاب کی بھٹی میں جھونک دی جائے گی۔ آفتاب عقل و دانش کا سرچشمہ ہے۔"

ربۃ تانیت کا ذکر تک وہ سلامبو کے سامنے نہ کرتا۔ سلامبو سمجھتی کہ شاہابریم شرمندگی کی وجہ سے تانیت کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ یہ ربۃ مغلوب و مفتوح ہوچکی تھی۔ پس سلامبو اس بے آزار اور حاصل خیز سیارہ کے حق میں اس کا کوئی معمولی سا نام لیکر دُعائے خیر مانگا کرتی۔

شاہابریم دُعائیں سُن کر آخر کار کہتا کہ "نہیں نہیں۔ اِس جرم فلکی کی شادابی دوسرے جرم سے پیدا ہوتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتی کہ وہ ایک عشق کی بیمار عورت کی طرح اپنے عاشق کے گرد پھرتی ہے اور علانیہ اپنے عاشق پر صدقے ہوتی رہتی ہے۔" شاہابریم نور اور روشنی

سانپ
کی تعریف میں کبھی اپنی زبان بند نہ کرتا۔

سلامبو کو رموز اور اسرار کی تحقیق کا شوق تھا۔ شاہابریم اس شوق کو بجائے کم کرنے کے اور تیز کرتا تھا۔ اور وہ سلامبو کے سامنے ایسی باتیں بیان کرتا جو ایک ظالم اور سفاک مذہب کے رموز ہوتے، اس سے شاہابریم کا دل خوش ہوتا۔ سلامبو باوجود تانیت کے عشق میں تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اس مذہب کی باتیں بڑے شوق اور جذبے سے سنتی تھی۔

شاہابریم باوجود تانیت کی نسبت شبہ رکھنے کے اور زیادہ اعتقاد اس رتبہ میں رکھتا تھا۔ مگر پشیمانی اور خجالت اس اعتقاد کو ظاہر کرنے میں اسے روکتی تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ ارباب فلک اس پر کوئی نشانی ظاہر کریں۔ اور اس نشانی کو حاصل کرنے کیلئے اس نے ایک تدبیر سوچی اور یہ تدبیر ایسی تھی جو اس کے ملک اور اس کے ایمان کو غارت ہونے سے بچالے گی۔

ذہن میں اس تدبیر کے آتے ہی اس نے یہ طور اختیار کیا کہ زائمف کے چوری جانے پر سلامبو کے سامنے رنج اور افسوس ظاہر کیا کرتا۔ اور وہ بُرے نتائج جو اس سرقہ سے پیدا ہونے والے تھے بتایا کرتا۔ یہ نتیجے ایسے خراب تھے کہ ان کا اثر آسمان کے کنارے تک پہونچتا تھا۔ پھر وہ ان خطروں کا ذکر کرتا جو اس زمانے میں حملہ آور کو مِش تھے۔ اور کہتا کہ "اسوقت تین بڑے لشکروں نے اس پر حملہ کر رکھا ہے اور یہ لشکر ماتو کی سرکردگی میں ہیں"۔ قرطاجنہ کے لوگ ماتو کو آج کل متاجروں کا بادشاہ سمجھتے تھے کیونکہ زائمف اب اسی کے قبضہ میں تھا۔ شاہابریم، سلامبو سے یہ بھی کہتا کہ "ریاست اور اسکے باپ کی خیر و سلامتی کا انحصار مطلقاً سلامبو پر ہے"۔

یہ سنکر سلامبو کہنے لگی "مجھ پر، یہ کیونکر؟"

شاہابریم نے دل میں نفرت کے ساتھ مسکرا کر کہا "میں خوب جانتا ہوں کہ

تم کبھی راضی نہ ہوگی۔"

اب سلامبو نے بڑی منت اور زاری سے پوچھا "آخر وہ بات کیا ہے؟"

آخر کار شاہابریم بولا "تمہارا فرض ہے کہ متاجروں کے لشکر میں جاکر زائمف کو بازیاب کرو۔"

سلامبو اتنا سنتے ہی آبنوس کی کوچ پر گر پڑی۔ اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں میں دبا کر سر سے پاؤں تک کانپنے لگی۔ اس وقت اس کی حالت اس قربانی کے جانور کی سی تھی جو قربانگاہ کے پائے کے پاس سکڑا ہوا اس ضرب کے انتظار میں ہو جو اسکو فنا کر دے گی۔ اس کی کن پٹیوں میں جھنجھناہٹ شروع ہوئی اور آنکھوں کے سامنے گول گول تھرتھرے پیدا ہوئے۔ جو بات اس وقت سب سے زیادہ اس کے علم میں واضح تھی وہ یہ تھی کہ اب وہ مرنے کو ہے۔

شاہابریم کہتا تھا کہ اگر ربۃ تانیت کی فتح ہو گئی اور زائمف پھر قرطاجنہ میں واپس آگیا تو پھر ایک عورت کی جان جانی کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ علاوہ اسکے یہ بھی ممکن ہے کہ زائمف کی واپسی کے بعد وہ مدتوں زندہ رہے۔

تین دن گذر گئے شاہابریم سلامبو کے پاس نہ آیا۔ چوتھے دن شام کے وقت سلامبو نے اس کو بلوایا۔

شاہابریم آیا اور سلامبو کو زیادہ جوش اور غیرت دلانے کے لئے اس کو اس شور وغل کی طرف متوجہ کیا جو مجلس میں علانیہ ہملکار پر لعنت ملامت کرنے میں پیدا ہو رہا تھا۔ شاہابریم سلامبو سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "تو نے گناہ کیا ہے اور تجھے اپنے گناہ کا کفارہ لازمی ہے اور یہ کہ ربۃ تانیت نے اس کفارے اور قربانی کا حکم دیا ہے۔"

ماپالیا میں جو غل اکثر ہوتا تھا وہ میگارا کے رہنے والوں کے کانوں تک پہونچتا

تھا۔ یہ غل اِس بلا کا ہوتا کہ سلامبو اور شاہابریم دونوں باہر نکل آتے اور بحری نشانوں والے زینے سے اُسے سُنتے۔

یہ غُل خاموں کے چوک میں وہ لوگ مچاتے تھے جو ہتیار مانگتے تھے۔ قدمار شہر کے لوگوں کے اس خیال کو کہ مستاجروں پر حملہ کریں گے خام سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہتیار ان لوگوں کو دینے منظور نہ کرتے تھے۔ کچھ شہر والے جو حملے کے قصد سے بغیر سپہ سالار کے گئے تھے وہ سب مارے گئے تھے۔ آخر کار مجبور ہو کر قدمار نے شہر والوں کو لڑنے کی اجازت دیدی۔ اب یا تو مولخ کے نام کی بزرگی کے لئے یا ایک غیر واضح شوقِ غارتگری میں وہ ہیکلوں میں گھس پڑے اور وہاں پُرانے سرو کے درخت جڑ سے اکھیڑ پھینکے۔ اور ارباب کبیری کی مشعلوں سے اُن میں آگ لگادی۔ جلتے درخت ہاتھوں میں لئے گیت گاتے ہوئے بازاروں میں سے گذرے۔ درختوں کی آگ تیز ہوئی۔ اور شُعلے ہیکلوں کی چوٹیوں پر جو بلور کے گولے لگے تھے یا بُتوں کے گلوں میں جو زیور پڑے تھے یا مستولوں کی نوکوں پر تڑپتے اور چمکتے نظر آتے اور گھروں کی چھتوں سے اونچے شہر میں ہر طرف یہ شُعلے اس طرح چمکتے جیسے بہت سے سورج روشن ہوں۔ حصارِ قرطاجنہ سے جب یہ لوگ نیچے اُترے تو ملقہ کے دروازے فوراً کھول دیے گئے۔

شاہابریم نے سلامبو سے پوچھا "تم تیار ہو۔ یا تم نے لوگوں سے کہدیا کہ میں نے اپنے باپ کو اس کے حال چھوڑدیا ہے۔ اور اب مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں رہا"

سلامبو نے اپنے دامن میں مُنہ چھپالیا۔ جلتے ہوئے درختوں کی روشنیاں جوں جوں لوگ سمندر کے کنارے پہونچتے گئے دُور ہوتی گئیں۔ سلامبو کے دل میں ایک خوف تھا جو اچھی طرح سمجھ میں نہ آتا تھا! اور اسی خوف نے اُسکی زبان بند رکھی۔ مولخ

اور ماتو سے وہ ڈرتی تھی۔ ماتو ایک دیوہیکل انسان تھا پھر زاعمت کا وہ اس وقت مالک تھا۔ گویا تانیت اور بعل دونوں پر اس انسان کو قدرت حاصل تھی۔ سلامبو کے خیال میں ماتو کے گرد بھی وہی روشنیاں تھیں جو ربہ تانیت اور رب بعل کے گرد تھیں۔ علاوہ اس کے خداؤں کی روحیں کبھی کبھی انسانوں کے قالب میں بھی اتر آیا کرتی تھیں، کیا ماتو کا ذکر کرتے ہوئے شاہابریم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ماتو کو مغلوب کرنا ایسا ہی ہے جیسے مولخ پر قادر ہو جانا۔ اب مولخ اور ماتو، سلامبو کو ایک ہی چیز معلوم ہونے لگے۔ اب وہ ان دونوں میں تمیز نہ کر سکتی تھی۔ اور یہ دونوں اب اسکے سر پر آنے لگے۔

مستقبل کا حال معلوم کرنے کو سلامبو اپنے سانپ کے پاس آئی تا کہ جن مختلف طریقوں سے وہ بل کھا کر بیٹھے ان سے مختلف خبریں نکالے۔ لیکن آکر دیکھا تو وہ چاندی کے تاروں کا پٹارا جس میں وہ رہتا تھا خالی پڑا ہے۔ سلامبو یہ ماجرا دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔

سانپ کو ڈھونڈنے لگی تو دیکھا کہ اس کی معلق مسہری کے روپہلی کٹہرے میں دم کو لپٹائے اپنی جلد کو اس سے رگڑتا ہے تا کہ زرد داغوں والی کینچلی اتار ڈالے۔ جسم کا جو حصہ کینچلی سے نکل چکا ہے وہ اس طرح چمکتا ہے جیسے نیام سے آدھی تلوار باہر نکلی چمکتی ہو۔

اب کچھ دنوں تک وہ اس کوشش میں رہی کہ شاہابریم نے جو کچھ اس سے کہا تھا اس کا یقین کرے اور ربہ تانیت کی مدد پر طبیعت کو زیادہ آمادہ کرے۔ اس زمانے میں اس نے دیکھا کہ اس کے سانپ کی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوبارہ زندگی پانے والا ہے۔ اس سے سلامبو کو یقین ہو گیا کہ شاہابریم نے جو کچھ کہا تھا در حقیقت وہی خداؤں کی مرضی ہے۔ اور یہ خیال اسکے

ضمیر میں (سانپ) پختہ ہو گیا۔ ایک دن صبح سوتے سوتے اُٹھی تو شاہابریم سے پوچھنے لگی کہ "ماتو (سلامبو)
سے زائمف لینے کیلئے کیا کرنا ہو گا؟"
شاہابریم بولا کہ "زائمف اُس سے۔ نکو"
سلامبو نے کہا "لیکن اگر انکار کیا تو پھر کیا؟"
اس کا جواب شاہابریم نے ایسی مسکراہٹ کیساتھ جو کبھی پہلے اُسکے چہرے پر
نہ دیکھی گئی تھی، دیا اور سلامبو کے چہرے کو غور سے دیکھا۔
سلامبو نے پھر پوچھا کہ "اگر اُس نے انکار کیا تو پھر کیا کروں"
شاہابریم کے سر کے لباس میں فیتے لگے تھے جو شانوں تک لٹکے تھے ایک فیتے
کو اپنی انگلیوں میں بل دے کر او ربُت کی طرح بے حس وحرکت کھڑے ہو کر نظریں نیچی
کر لیں۔ لیکن جب دیکھا کہ اس پر بھی سلامبو اس کا مطلب نہیں سمجھی تو کہنے لگا۔
"تم دونوں اُس وقت تنہا ہو گے"
سلامبو بولی "ہاں"
"خیمے میں تم اُسکے ساتھ تنہا ہو گی"
سلامبو نے کہا "اچھا پھر"
شاہابریم اپنے ہونٹ چبانے لگا اور بات ٹالنے کو کوئی فقرہ سوچنے لگا۔
پھر کہا کہ:۔
"سلامبو اگر تمہیں مرنا ہی ہے تو موت ابھی نہیں آئے گی۔ بعد کو مرو گی۔
ڈرو نہیں، جو کچھ تم سے کہے غل نہ مچانا اور خوف نہ کرنا۔ عجز وانکسار اختیار
کرنا۔ تم میرا مطلب سمجھتی ہو۔ اور جو کچھ وہ چاہے وہی کرنے دینا۔ اور یہی خداؤں
کا حکم ہے"
سلامبو نے کہا "پھر زائمف کا کیا ہو گا؟"

شاہابریم بولا" خدا خود اس کی نگہبانی کرینگے"
سلامبو نے پوچھا" کیا بابا آپ میرے ساتھ چلیں گے"
شاہابریم نے جواب دیا" نہیں"

اب شاہابریم نے سلامبو سے کہا کہ "زمین پر دونوں گھٹنے ٹیک کر جھکو" اور سلامبو کی طرف سے خود اس نے قسم کھائی کہ سلامبو تانیت کا پیرہن قرطاجنہ میں پھر واپس لائے گی۔ بڑے بڑے سب قسم، قہر و غضب کے جملے کہکر سلامبو کی ہستی خداؤں کے حوالے کی گئی۔ سلامبو کسی قدر غشی کی حالت میں تھی اور شاہابریم کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا اسی کو وہ دہراتی تھی۔

شاہابریم نے سلامبو سے کہا کہ روانگی سے پہلے اس کو روزے رکھنے ہونگے اور طاہر ہونے کی رسوم ادا کرنی ہوں گی تاکہ ماتو کے سامنے حاضر ہونے کے وہ لائق ہو سکے۔ علاوہ اس کے اس سفر میں ایک آدمی جو راستوں سے واقف ہوگا اُسکے ہمراہ ہوگا۔

سلامبو سمجھ رہی تھی کہ اُس کی نجات ہونے والی ہے اور اب اُسکے خیال میں اِس مسرت کے سوا کچھ نہ تھا کہ تانیت کے پیرہن کا دیدار پھر اُس کو نصیب ہوگا! اور اب اُس نے شاہابریم کو اُسکی ہدایت کے بدلے اُسے نیک دعائیں دینی شروع کیں۔

اب موسم وہ آیا جس میں قمریاں قرطاجنہ سے اڑکر صقلیہ میں کوہ آئی رکس کو جایا کرتی تھیں۔ آئی رکس کا پہاڑ دیبی وینس کے بت خانے کے قریب تھا۔ پرواز سے کئی روز پہلے قمریاں ایک دوسرے کی تلاش میں رہیں اور گونج گونج کر اور قمریوں کو بلاتی رہیں۔ تاکہ سب جمع ہوکر ایک ساتھ پرواز کریں۔ آخر کار ایک دن شام کے وقت وہ سب مل کر اُڑیں۔ ہوا میں ایک سفید بادل کی طرح وہ اڑیں اور یہ بادل سمندر کی سطح سے بہت بلندی پر معلق جا رہا تھا۔

شفق نے اس وقت فضا میں ہر طرف سُرخ رنگ پیدا کر رکھا تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ قمریوں کا سپید بادل سمندر کی موجوں سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ آخر کار غروب ہوتے آفتاب کے خونیں رنگ دہن میں جاتے ہی وہ غائب ہو گیا۔ سلامبو نے یہ دیکھکر کہ قمریاں جتنی دُور ہوتی جاتی ہیں نظر سے محو ہوتی جاتی ہیں غمزدہ ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ تنعاخ دایہ نے جو اُسکے غم کو سمجھتی تھی آہستہ سے کہا:" بی بی کیوں پریشان ہوتی ہو' وہ پھر آجائیں گی۔"

سلامبو:" ہاں مجھے معلوم ہے۔"

تنعاخ:" اور پھر تم اپنی قمریوں کو دیکھ لو گی۔"

سلامبو نے ایک آہ بھری اور کہا:" شاید۔"

سلامبو نے متاجروں کے لشکر میں جانے کا قصد کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ اور زیادہ احتیاط یہ کی کہ دایہ تنعاخ کو ضروری چیزوں کے خریدنے کیلئے کی لذا کے مضافات میں بھیجا۔ یہ چیزیں اُسنے اور خدمتگاروں کی معرفت نہیں منگوائیں۔ مگر تنعاخ اُس دن سے برابر حیرت اور تعجب میں رہنے لگی۔ گو اُس کو کسی بات کے دریافت کرنیکی مجال نہ تھی'

اب وہ دن جو شاہابریم نے سلامبو کی روانگی کا مقرر کیا تھا آ گیا۔

بارہ ساعت کے قریب اُس نے دُور سرو کی قطاروں میں دیکھا کہ ایک بڈھا آدمی نابینا اپنے سامنے ایک بچے کے کندھے پر ایک ہاتھ رکھے اور دوسرے ہاتھ میں ایک قسم کا دوتارہ لئے اور اس کو کمر پر سہارا دئیے کھڑا ہے۔ دوتارہ کسی سیاہ لکڑی کا ہے۔ محل کے خواجہ سراؤں اور خواصوں کو احتیاطاً سلامبو نے کوئی اور کام سپرد کر دیا تھا۔ تاکہ جس وقت روانگی کی تیاری کرتی ہو تو کوئی آدمی مخل نہ ہو۔ اور کسی کو کسی بات کی خبر نہ ہو۔ تنعاخ نے واپس آکر کمرے کے گوشوں میں چارتپائیوں پر بڑے ظروف رکھکر اُن میں کچھ خشک پھل اور الائچیاں جلائیں۔ اسکے بعد اس نے

بابل کے نقشین دیوار پوش جو چاروں طرف کمرے میں چھت سے لٹک رہے تھے دروازوں اور دیواروں پر گرائے۔ کیونکہ سلامبو کو یہ گوارا نہ تھا کہ دیواریں تک اُس کو تیاری کرتے دیکھیں۔ ایک بین کار دروازے سے لگا بیٹھا تھا۔ اور ایک لڑکا اُسکے ساتھ تھا جس کے ہاتھ میں بانسری تھی۔ ان دونوں نے اپنے ساز بجانے شروع کئے۔ اب شہر کے گلی کوچوں کی آواز دور سُنائی دینے لگی۔ ہیکلوں کے ستونوں کا سایہ دراز ہونے لگا۔ خلیج سے آگے پہاڑ تھے۔ ان کے نیچے زیتون کے جھنڈ اور بن جتی زمین کے نشیب و فراز دور تک لہریں مارتے نظر آتے تھے۔ ان تمام چیزوں پر ایک ہلکے نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ آواز کہیں مطلق نہ تھی اور فضا میں ایک ناقابل بیان افسردگی چھائی تھی۔

سلامبو اپنے کمرے میں سنگ سماق والے حوض پر آئی۔ ایک سیڑھی اتری اور آستینیں شانوں تک چڑھا کر ان میں گرہ دی۔ اور پھر اپنے مذہب کی شریعت کے مطابق غسل اور وضو کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئی تو دایہ تنعاخ پتھر کی ایک پیالی میں کوئی چیز لائی جو چھپی ہوئی تھی۔ یہ دراصل ایک سیاہ کتے کا جما ہوا خون تھا۔ اور کتے کو کسی بانجھ عورت نے جاڑے کے موسم میں کسی مقبرے کے کھنڈر میں مارا تھا۔ اس جمے ہوئے خون کو دایہ نے سلامبو کے گالوں، ایڑیوں اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ملا۔ ناخنوں پر سرخی ایسی آئی جیسے کسی پھل کو نچوڑا ہو۔ چاند نکلا۔ بین اور بانسری ایک ساتھ بجنے لگی۔

سلامبو نے کانوں سے بندے، گلے سے کنٹھی اور بازوؤں پر سے جوشن اُتارے اور اپنا سپید سیمار بھی اُتار کر رکھدیا۔ سر کے بال جس جالی میں تھے اسکو بھی کھولا اور تین لمحوں تک بال جو شانوں پر بکھرے تھے، ہلکے ہلکے ہلائے۔ اور پھر ٹھنڈک کے لئے اُن کو پھیلایا۔ باہر بین اور بانسری برابر بجتی رہی۔ بین اور بانسری سے صرف دو تین

قسم کی صدائیں پیدا تھیں تنعاخ برابر ہم پر تالی بجاتی تھی۔ سلامبو سر و قد کھڑی کچھ چھوٹی دُعائیں پڑھنے میں مصروف رہی۔ اِس جُھومنے میں لباس کے دامن زمین کو چھوتے تھے۔ کمرے کے بھاری دیوار پوشوں میں حرکت سی ہوئی اور جس ڈوری میں دیوار پوش لٹکے تھے اُس پر سلامبو کا سانپ نظر آیا۔ اور اب وہ اس طرح دیوار پر سے آہستہ آہستہ نیچے اترا جیسے پانی کا قطرہ دیوار پر سے نیچے کی طرف پھسلے۔ نیچے اُتر کر اِدھر اُدھر جو چیزیں پڑی تھیں اُن میں وہ رینگنے لگا۔ اور سلامبو کے سامنے آکر فرش پر دُم جما کر سیدھا کھڑا ہوا۔ آنکھیں اُس کی یاقوت سے زیادہ سُرخ تھیں۔ ان آنکھوں کی چمک سانپ نے سلامبو کے چہرے پر ڈالی۔

شروع میں وہ کچھ تو سردی کی وجہ یا دل کی کمزوری کے باعث کچھ ہچکچائی۔ مگر فوراً شہابریم کا حکم یاد آیا۔ اور وہ آگے بڑھی۔ سانپ جو اب تک کھڑا تھا نیچے جُھکا۔ اور سلامبو کی طرف رینگتا ہوا آیا۔ اور اپنے جسم کا بیچ کا حصہ سلامبو کی گردن میں ڈال کر سر اور دُم دونوں طرف اس طرح لٹکائے جیسے گلے میں ٹوٹا ہوا ہار پڑا ہو۔ اسکے دونوں سرے زمین پر پھیلے پڑے تھے۔ سلامبو نے اب سانپ کو اپنے جسم پر لپیٹا۔ کچھ بازوؤں پر اور کچھ گھٹنوں سے نیچے پنڈلیوں پر۔ اور پھر سانپ کا پھن پکڑ کر اُس کا پتلا مُنہ اپنے دانتوں کے قریب لائی۔ اور آنکھیں بند کئے چاندنی میں زمین پر گری۔ چاند کی سپید روشنی اُس کے گرد ایک روپہلی غبار معلوم ہوتی تھی۔ سلامبو کے بھیگے پاؤں کے نقش فرش پر چمک رہے تھے۔ سنگِ سماق کے حوض میں آسمان کے تارے حرکت کرتے تھے۔ سانپ کے جسم پر جو سُنہری گُل تھے اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ سلامبو کو اُس نے اپنے بَلوں میں خوب کس لیا ہے۔ سانپ کے بوجھ سے سلامبو ہانپنے لگی۔ اتنے بوجھ کا سنبھالنا اس کی طاقت سے زیادہ تھا۔ ٹانگیں کانپنے لگیں اور معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ گر پڑے گی۔ سلامبو سمجھی کہ اب وہ مرنے کو ہے۔ سانپ نے اپنی

دُم ہلکے سے سلامبو کی ٹانگ پر لگائی اور بانسری کی صداؤں میں سانپ اپنے بَل کھولتا ہوا زمین پر گرا۔

دایہ تنعاخ پھر قریب آئی۔ اُس نے دو شمعدان ایسے تیار کئے تھے جن کے بلوریں گولوں میں پانی بھرا تھا اور شمعیں روشن تھیں۔ اُس نے سلامبو کے ہاتھ میں مہندی لگائی۔ آنکھوں میں سُرمہ لگایا اور بھنوؤں کے سیاہ رنگ کو تیز کیا۔

سلامبو نے اب اپنی دایہ کو اجازت دی کہ اُسکو جس طرح اُس کا جی چاہے بناؤ سنگھار کرائے لیکن دایہ کے ہاتھوں کے چھُو جانے سے اور روتے رہنے کی نقاہت نے سلامبو کے اعصاب کو کمزور کر دیا۔ اور اُس کی رنگت ایسی زرد پڑ گئی کہ دایہ اپنے کام میں رُکی۔ سلامبو نے اُس سے کہا: "دایہ تم اپنا کام کرتی رہو" اور نہایت کوشش کر کے ایک بار پھر ہمت سے کام لیا۔ اب یکایک سلامبو کو گھبراہٹ شروع ہوئی۔ اور اُس نے دایہ سے کہا کہ "جلدی کرو۔"

بُڑھیا تنعاخ بولی: "بہت اچھا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی کو اپنا مُنتظر کر رکھا ہے۔"

سلامبو نے کہا: "ہاں ہاں۔ ایک آدمی میرے انتظار میں ہے۔"

تنعاخ اتنا سُنکر متعجب ہوئی اور پیچھے ہٹی۔ اور چاہا کہ کوئی اور بات معلوم ہو۔ کہنے لگی: "بی بی اب اور کیا حکم ہے...... کیا کہیں باہر جا کر کچھ دنوں رہنے والی ہیں۔"

اس پر سلامبو سُبکیاں لیکر رونے لگی۔

دایہ بولی: "بی بی اس وقت تم دُکھ میں ہو۔ بات کیا ہے۔ کچھ زبان سے تو کہو۔ یہاں سے جاؤ نہیں، اور اگر جاتی ہو تو مجھے ساتھ لیتی چلو۔ جب تم دودھ پیتی جان تھیں اور رویا کرتی تھیں تو میں تم کو کلیجے سے لگا کر اپنی چھاتی کی بھٹنیوں سے بہلایا

سانپ سلامبو
کرتی تھی۔ بی بی تمہیں نے ان چھاتیوں کو خشک کیا تھا۔" اتنا کہہ دایہ نے اپنی سوکھی
جھریاں پڑی چھاتیوں پر ہاتھ مارا اور کہا۔ "اب میں بڑھیا ہو گئی۔ اور تمہارے
لئے اب میں کس لائق ہوں۔ تم کو اب میری چاہت کہاں رہی۔ اپنا دکھ درد مجھ
سے چھپاتی ہو۔ تم اپنی دایہ سے بیزار ہو۔" اتنا کہہ دایہ کے گدے ہوئے رخسار و سے
محبت کے آنسو بہنے لگے۔

سلامبو نے کہا۔ "نہیں، نہیں۔ دایہ مجھ کو تم سے محبت ہے۔ تم گھبراؤ نہیں۔
چین سے رہو۔"

دایہ نے بڑھیا بندریہ کی طرح ایک کچکچی لی۔ گویا یہ اس کا تبسم تھا۔ اور اپنا
کام کرنے لگی۔

شہابرکم کی ہدایت تھی کہ جہاں تک ممکن ہو بناؤ سنگھار کیا جائے۔ چنانچہ یہی سلامبو
نے اپنی دایہ سے کہدیا تھا۔ دایہ نے سلامبو کو وحشی قوموں کی طرح بناؤ سنگھار کرایا جسمیں
حسن اور جدت دونوں چیزیں موجود تھیں۔

سب سے اندر کا لباس شربتی رنگ کا کسی بڑے باریک کپڑے کا تھا۔
اس کے اوپر ایک لباس پہنایا جس کی وضع میں طائر کے پروں کی سی لہر تھی شلوار
نہایت خوشرنگ نیلے کپڑے کی تھی۔ کمر میں نیلے ہی رنگ کی ایک پٹی تھی اور
اور اس سے نیچے ایک بڑے گھیر کی چادر جو کولوں پر چسپت تھی، لپٹی تھی۔ آخر میں
دایہ نے سلامبو کے کندھوں پر ایک سفید ردا سبز دھاریوں والی ڈالدی۔ یہ ردا
ملک سیر یز کی ساخت تھی۔ شانوں پر مداخل کی جگہ فیروزی رنگ کے پارچے لگا دئے،
اور انکو بوجھل کرنے کیلئے ان کے کناروں پر جواہرات ٹکے تھے۔ جب یہ سب کچھ
ہو لیا تو دایہ اپنی بیگم کی صورت کو غور سے دیکھنے لگی۔ اور اپنی اس آرائش و زیبائش
کے کام پر دل میں نازاں ہوتی۔ اور کہنے لگی :-

"بی بی تم تو اپنی شادی کے دن بھی اتنی حسین نہ معلوم ہوگی جیسے کہ اسوقت معلوم ہو رہی ہو"

سلامبو بولی "میرا اور شادی کا دن"! سلامبو اس وقت عاج کی کرسی پر کہنی رکھے کسی غور میں تھی۔

دایہ نے ایک مسی آئینہ بہت بڑا جس میں سلامبو سر سے پاؤں تک اپنی صورت دیکھ لے سامنے لاکر رکھدیا۔ سلامبو اٹھی اور بالوں کی ایک لٹ جو پیشانی پر آگئی تھی اسکو ہلکے سے پیچھے ڈالا۔ سر کے بال پشت پر نیچے تک ٹلکے تھے اور ان کے سروں پر موتی پروئے تھے۔ شمعوں کی روشنیاں بلور کے گولوں سے منعکس ہوکر رخساروں پر سرخی پیدا کرتیں اور لباس میں جہاں جہاں سونے کا کام تھا اس کی جھمک دکھاتیں اور جسم کے گورے گورے رنگ کو دوبالا کرتیں۔ ہاتھوں پر، پاؤں کے انگوٹھوں اور کمر پر اس قدر جواہرات تھے کہ آفتاب کی کرنوں کی طرح آئینے سے اپنی جھلک دکھاتے تھے۔ سلامبو اپنی دایہ کے پاس کھڑی آئینے کی طرف جھکی، جواہرات کی یہ آب وتاب دیکھکر ہنسنے لگی۔

سلامبو اب کمرے میں ٹہلنے لگی۔ جتنا وقت باقی تھا سمجھ میں نہ آتا کہ اسکو کیونکر کاٹے۔

یکایک مرغ کی بانگ سنی۔ سلامبو نے جلدی سے زرد رنگ کی ایک نقاب سوئی سے بالوں میں اٹکائی۔ اور ایک گلوبند گلے میں ڈالا۔ نیلے رنگ کے موزے پہنے اور دایہ سے کہا "دایہ ذرا باہر جاکر مرتل کے درختوں میں دیکھو کوئی آدمی دو گھوڑے لئے میرا منتظر تو نہیں ہے"

دایہ نے رو کر کہا "بیگم"

سلامبو نے تنعاخ کی طرف منہ موڑکر دیکھا۔ ایک انگلی لبوں پر تھی گویا دایہ

سانپ
کو خاموش اور ساکت رہنے کا حکم تھا۔

دایہ دبی چال آبنوس کے زینے سے بالاخانے کی طرف چلی۔ چاندنی میں وہ صرف اتنا دیکھ سکی کہ ایک دیوہیکل شکل سرو کی قطاروں میں سلامبو کے بائیں طرف چل رہی ہے اور یہی شکل موت کا پیش خیمہ تھی۔

دایہ تنعانخ سلامبو کے کمرے میں آتے ہی زمین پر گری۔ کبھی ناخنوں سے اپنا چہرہ نوچتی کبھی سر کے بال کھسوٹتی اور چیخیں مار مار کر روتی۔

پھر اس کو خیال آیا کہ کوئی اس کی چیخیں سن نہ لے۔ اب دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے وہ چپکے چپکے رونے لگی۔

باب (۱۱)

خیمہ کے اندر

سلامبو کے رہبر نے سلامبو کو روشنی کے منارے تک لیجا کر گورستان کا راستہ پکڑا۔ گورستان سے مضافاتِ ملویہ میں نشیب کے راستے سے اترا۔ اس آبادی میں لمبی لمبی گلیاں تنگ و تاریک بہت سی تھیں۔ اب آسمان پر سپیدۂ سحر ظاہر ہوا۔ گھروں کی چھتیں کھجور کے تنوں سے پٹی تھیں۔ اور یہ کڑیاں دیواروں سے باہر اتنی نکلی ہوئی تھیں کہ دونوں مسافروں کو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اکثر جھکنا پڑتا۔ دونوں گھوڑے آہستہ قدم جا رہے تھے۔ راستے میں نشیب اتنا تیز تھا کہ گھوڑے کبھی کبھی پھسلتے معلوم ہوتے تھے۔ غرض اس طرح وہ تاوسی کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ پھاٹک آدھا کھلا آدھا بند تھا۔ دروازے بڑے بھاری تھے۔ پھاٹک میں سے گذرتے ہی پھاٹک بند ہو گیا۔ کچھ دیر ملویہ کی فصیلوں فصیلوں چلتے رہے۔ جب وہ پانی کے حوضوں کے قریب آئے تو انہوں نے اپنا رخ تینیا کا کیا۔ تینیا دراصل ریگ کا ایک تنگ قطعہ تھا جو خلیج کو جھیل سے جدا کرتا تھا اور وہ احادیس تک چلا گیا تھا۔

قرطاجنہ کے قرب و جوار یا سمندر کے قریب یا دیہات میں جہاں جہاں سے گذر

ہوا کوئی متنفس نظر نہ آیا۔ سمندر کی موجیں خاکی رنگ کی ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکوں سے حرکت میں تھیں۔ اور اُن پر سپید سپید کف بکھرے نظر آتے تھے۔ سلامبو کو کپڑے بہت سے پہنے تھی مگر صبح کی سردی میں کانپنے لگی۔ میدانوں کی کھلی ہوا اور پھر گھوڑے کی سواری، اُسکو دورانِ سر شروع ہوا۔ اب سورج نکلا۔ دھوپ کی گرمی جب سلامبو کی پُشت کو پہونچی تو اُسے نیند آنے لگی۔ مگر دونوں کے گھوڑے برابر اُچھلتے کودتے پیترے بدلتے چلتے رہے۔ کبھی کبھی ریت میں اُنکے سُم کوچیوں تک دھنس جاتے۔

جب گرم چشمے والے پہاڑوں سے وہ گذر گئے تو زمین سخت ہو چلی اور اب اُنہوں نے گھوڑوں کو تیز کیا۔

گو یہ زمانہ کھیتوں میں ہل چلانے اور بیج ڈالنے کا تھا لیکن جہاں تک نظر جاتی تھی وہ صحرا کی مثل سوکھی اور بن جُتی پڑی تھی۔ جابجا گیہوں کے انبار بکھرے پڑے تھے، گاؤں اور قریے بڑے بڑے فصل پر واقع تھے اور باہم کوئی تعلق نہ رکھتے تھے مگر اُن کے آثار اُفق کے مقابل صاف نظر آتے تھے۔

کہیں کہیں جلی جھلسی دیواروں کے ٹکڑے سڑک کے کنارے کھڑے تھے، کچے مکانوں کی چھتیں بیٹھ چکی تھیں۔ ان میں مٹی کے ٹوٹے برتنوں کے ٹھیکڑے، کپڑوں کے چیتھڑے اور خانہ داری کی ٹوٹی پھوٹی چیزیں جن کی شکل تک نہ پہچانی جاتی تھی، جابجا پڑی تھیں۔ ان اُجڑے اور ویران گھروں میں سے اکثر کوئی آدمی چیتھڑے لگائے، آنکھیں سُرخ، مُنہ پر مٹی جمی نکلتا اور سواروں کو دیکھتے ہی فوراً کسی سوراخ میں گھُسکر غائب ہو جاتا۔ سلامبو اور اس کا رہبر برابر چلتے رہے۔ کہیں ٹھیرے نہیں۔

ایک ویران و برباد میدان کے بعد دوسرا ویران و برباد میدان آتا۔ بڑے چوڑے چوڑے زمین کے قطعے خاکی رنگ کے ایسے نظر آتے جن کے بیچ میں دور تک کوئلے کی خاک پڑی ہوتی اور جب گھوڑے اُن پر سے گذرتے تو اُن کے پیچھے پیچھے

کوئلے کی یہ سیاہ خاک اُڑتی نظر آتی کبھی کبھی وہ کسی سکوت اور امن کے مقام پر آتے۔ یہاں لمبی لمبی گھاس میں کوئی چشمہ بھی جاری ہوتا اور جب وہ اس چشمے کے کنارے پر چڑھکر دوسری طرف جاتے تو سلامبو کی ہرے درخت کے شبنم میں تر پتے توڑ کر ہاتھوں کو ٹھنڈک پہونچاتی۔ درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس ایک مرد کی لاش پڑی تھی۔ اُسکو دیکھکر گھوڑے بدکے۔

سلامبو کے ہمراہ جو غلام تھا وہ فوراً اپنے گھوڑے سے اترا اور گھوڑے کے بدکنے سے سلامبو جن تکیوں سے لگی بیٹھی تھی وہ بے قرینے ہو گئے تھے اُن کو درست کیا۔

یہ غلام دراصل ہیکلِ تانیت کے خادموں میں سے تھا۔ شاہابریم اُس کو اکثر بڑے خطرناک کاموں پر بھیجا کرتا تھا، اب اُس نے سلامبو کا اُس کو رہبر بنا کر اُسکے ہمراہ روانہ کیا۔

اب اس راہبر نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ خود گھوڑے سے اُتر کر سلامبو کے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں لی اور دونوں گھوڑوں کے بیچ میں پیادہ پا چلنے لگا۔ تسمے کا ایک کوڑا ہاتھ میں لپیٹ رکھا تھا۔ ضرورت پڑتی تو گھوڑوں کو اُس سے مارتا۔ گلے میں اُس نے ایک بٹوہ لٹکا رکھا تھا۔ اس میں گیہوں کا آٹا، کھجوریں اور انڈے کی زردی گوندھ کر اُس کے لڈو بنا کر بھر رکھے تھے۔ کبھی کبھی سلامبو کو کھانے کے لئے اُنہیں پیش کرتا اور خود چپ چاپ دونوں گھوڑوں کے بیچ میں دوڑتا رہتا۔

دوپہر کے وقت تین وحشی آدمی چمڑے کا لباس پہنے اُن کے راستے سے گذرے، رفتہ رفتہ اور وحشی نظر آئے جو دس دس بارہ بارہ پچیس پچیس کے غول میں ہوتے تھے۔ ان میں بعض بکریوں کے ریوڑ ہانکتے تھے۔ ان میں کوئی ایسا بھی تھا کہ

آگے ایک لنگڑی گائے تھی اور پیچھے خود تھا۔ غول والے وحشیوں کے ہاتھوں پر لمبی لمبی لاٹھیاں ہوتیں۔ اُن کے جوڑوں پر پیتل کے بندھن دھوپ میں چمکتے ہوتے۔ اور اُن کے بدقطع وحشی لباس پر لمبے لمبے جھمرے الگ اپنی چمک دکھاتے۔ یہ لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے ان دونوں مسافروں کو دیکھتے۔ اُن کی نگاہیں ڈراؤنی اور دھمکیاں دیتی معلوم ہوتی تھیں۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے ان راہ چلتے مسافروں کو حسبِ معمول دعا دی۔ بعض انکو دیکھکر تمسخر کے طور پر ان پر ہنسے۔ شاہابریم کے خادم سے جس مستاجر نے اپنی زبان میں جو کچھ پوچھا اس کا جواب اسی کی زبان میں دیا۔ جب کسی نے پوچھا کہ تم کون ہو تو اُس نے جواب دیا کہ میں ایک مریضہ کو ایک دُور کے ہیکل میں علاج کیلئے لیجا رہا ہوں۔

جب دن ڈھلنے لگا تو ایک کتے کی آواز انہوں نے سُنی اور دونوں اُسکی آواز کی طرف چلے۔

اور اب شام کے دُھندلکے میں اُنہوں نے اتنا ضرور پہچانا کہ ایک بڑے احاطہ میں جو جگہ جگہ سے شکستہ حال ہے ایک مکان ہے اور یہ مکان بھی ایک مشتبہ سا مقام ہے۔ احاطے سے بلا بلا ایک کتا دوڑ رہا ہے۔ سلامبو کے رہبر نے پتھر اُٹھا کر اُس کتے کو مارے۔ کتا بھونکتا ہوا ایک طرف کو بھاگا۔ اور یہ دونوں ایک بڑے وسیع کمرے میں جسکی چھت بہت اونچی تھی داخل ہوئے۔

کمرے کے بیچ میں ایک عورت آگ کا الاؤ لگائے بیٹھی اپنے ہاتھ سینک رہی تھی۔ الاؤ کا دُھواں چھت کے روزنوں سے باہر نکل جاتا تھا۔ یہ عورت بڑھیا تھی اور اپنے سپید بالوں میں ڈھکی بیٹھی تھی۔ اسکے بال گھٹنوں پر بکھرے تھے۔ جو کچھ اُس سے پوچھا کسی بات کا بھی جواب اُس نے نہ دیا۔ بلکہ کچھ مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑا کر مستاجروں اور قرطاجنہ کو کوسنے دیتی تھی۔

سلامبو کا نوکر کچھ دیر کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھکر بڑھیا کے قریب آیا۔ اور اس سے کھانے کو مانگا۔ بڑھیا نے سر ہلایا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور بدستور آگ کی طرف دیکھتی رہی۔

پھر بڑھیا بڑبڑائی اور کہنے لگی "میرا ہی ہاتھ تھا جس کی دس انگلیاں انہوں نے کاٹ ڈالیں۔ اب میرا منہ کھا نہیں سکتا" رہبر نے مٹھی بھر کر اشرفیاں اسکو دکھائیں۔ وہ دوڑ کر اشرفیوں کی طرف آئی۔ مگر پھر اسی طرح چپ چاپ ہو بیٹھی۔ آخر کار رہبر نے اپنی کمر سے خنجر نکال کر بڑھیا کی گردن پر رکھا۔ اب بڑھیا لرزتی کانپتی اٹھکر ایک پتھر کے پاس آئی اور پتھروں کو اس نے اٹھایا تو وہاں شراب کی ایک صراحی اور بزرتہ کی کچھ مچھلیاں جو وہاں مشہور تھیں نظر آئیں۔ یہ چیزیں بڑھیا نکال کر لائی۔

سلامبو نے اس بدمزہ کھانے کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ گھوڑے کا زین اور تکیے جو کمرے کے کونے میں رہبر نے بچھا دئے تھے ان پر پڑ کر سو گئی۔

سورج نکلنے سے پہلے رہبر نے سلامبو کو بیدار کیا۔

کتا برابر بھونکے جاتا تھا۔ رہبر چپکے چپکے اسکے قریب آیا اور خنجر کے ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ اور اس کا خون فوراً گھوڑوں کے نتھنوں پر ملا تاکہ ان میں پھر قوت آجائے۔ جب دونوں اٹھکر چلے تو بڑھیا کوسنے دینے لگی۔ سلامبو نے جب کوسنے سنے تو گلے کا تعویذ اپنے سینے پر ملا۔

اب پھر دونوں نے راہ طے کرنی شروع کی۔ سلامبو بار بار رہبر سے پوچھتی تھی کہ کیا منزل قریب ہے؟ راستہ نیچی نیچی پہاڑیوں کے ایک سلسلے میں سے گذرا تھا۔ اور سڑک سے نشیب و فراز دور تک دکھائی دیتے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا البتہ کہیں کہیں جھینگروں کی آواز سنائی دیتی تھی اور قدموں کے نیچے زرد گھاس

اب دھوپ سے گرم ہو چلی تھی۔ زمین میں بڑے بڑے شگاف پڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بڑے بڑے پتھروں کا فرش زمین پر کبھی ہوا تھا۔ کبھی کبھی زمین پر کوئی سانپ رینگتا یا آسمان پر عقاب اُڑتا نظر آتا۔ غلام سلامبو کے گھوڑے کے ساتھ برابر دوڑتا رہا۔ سلامبو بُرقع اوڑھے، مُنہ پر نقاب ڈالے کسی خیال میں مُستغرق تھی۔ باوجود گرمی کے نہ تو بُرقع اُتارتی تھی اور نہ نقاب مُنہ پر سے ہٹاتی تھی۔ خوف یہ تھا کہ کہیں ایسا کرنے میں لباس نہ خراب ہو جائے۔

راہ میں برابر برابر فصل سے قرطاجنیوں کے بنائے ہوئے بُرج آتے تھے۔ اُن کی تعمیر کی غرض یہ تھی کہ قبائل پر جو ارد گرد آباد تھے نظر رہ سکے۔ کبھی کبھی دُھوپ سے پناہ لینے کو یہ دونوں کچھ دیر کو ان بُرجوں میں ٹھہر جاتے اور کچھ قیام کر کے پھر آگے بڑھتے۔

ایک دن پہلے شام کے وقت اُنھوں نے ایک بڑا چکر کاٹا۔ بہر کیف کوئی اُن کو راستے میں نہ ملا۔ تمام علاقہ بنجر اور ویران تھا۔ مستاجروں نے اُس سے کچھ بحث نہ رکھی تھی۔

لیکن اس سے آگے اُن کی غارتگری کے آثار نُمایاں ہوتے چلے۔ کہیں کسی عالیشان عمارت کے سنگین فرش کی کوئی چوکور سِل کسی کھیت میں پڑی نظر آتی اور دُور زیتون کے درخت بغیر پتیوں کے کانٹوں کی جھاڑیاں دکھائی دیتے۔ پھر ایک شہر سے گذرے۔ اس کی عمارتیں اور مکانات جل کر جُھلسے ہوئے پتھروں کا ایک ڈھیر معلوم ہوتے تھے۔ دیواروں کے قریب آدمیوں کے جلے ہوئے ڈھانچ پڑے تھے اور کہیں کہیں خچروں اور اُونٹوں کی جلی ہوئی ہڈیوں کے ڈھیر تھے۔ گلی کوچوں میں آدمیوں کی لاشیں آدھی آدھی جانوروں کی کھائی ہوئی پڑی تھیں۔

رات آئی، آسمان پر بادل نمودار ہوئے۔ اب دو گھنٹے تک سلامبو اور اُسکا

رہبر مغرب کی سمت میں راہ طے کرتے رہے۔ اس کے بعد یکایک انہوں نے اپنے سامنے بہت سے شعلے چمکتے دیکھے۔

یہ شعلے ایک نشیب کی زمین میں جس کی شکل نصف دائرے کی تھی روشن تھے۔ کہیں کہیں سونے کی چادریں سی چمکتی دکھائی دیں۔ پھر یہ چمکتی چادریں اپنا رُخ بدلتی نظر آئیں۔ یہ چمک کلی باری سواروں کے جوشنوں اور چار آئینوں کی تھی۔ اس وقت ان دونوں کے سامنے قرطاجنی لشکر پڑا تھا۔ اس لشکر کے گرد انہوں نے روشنیاں دیکھیں یہ روشنیاں مستاجروں کے لشکروں کی تھیں۔ یہ کئی لشکر اسوقت یکجا تھے اور ایک بڑے قطعہ پر پڑاؤ ڈالے تھے۔

سلامبو نے رہبر کو اشارہ کیا کہ اسی طرف چلو۔ مگر شاہابریم کا خادم اس کو اور آگے لے گیا۔ اور اب اُس پُشتے کے قریب آئی جو مستاجروں کے لشکر کے گرد قائم تھا۔ ایک جگہ یہ پُشتہ کٹا ہوا تھا۔ رہبر یہاں پہونچتے ہی غائب ہوگیا۔ پُشتہ کے اُوپر ایک سنتری پہرہ دے رہا تھا۔ ہاتھ میں اُسکے کمان تھی اور کندھے پر گرز تھا۔

سلامبو گھوڑے پر سوار سنتری کی طرف بڑھتی رہی۔ اب سلامبو کے دامن پر ایک تیر آکر لگا۔ سلامبو چلتے چلتے رُکی اور جب اس نے غل مچایا تو سنتری نے پوچھا کہ "تم کیا چاہتی ہو؟"

سلامبو نے کہا "میں ماتو سے بات کرنے آئی ہوں۔ اور قرطاجنہ سے بھاگکر یہاں پہونچی ہوں"

سنتری نے سیٹی بجائی اور پھر برابر سیٹیاں بجتی سنائی دیں۔

سلامبو انتظار میں کھڑی رہی۔ گھوڑا جس پر سوار تھی کبھی چھینکتا تھا کبھی چکر کاٹتا تھا۔ اُسے ایک دم قرار نہ تھا۔

جب ماتو قریب آیا تو ماہتاب سلامبو کی پُشت کی طرف طلوع ہوتا تھا۔ سلامبو

کے منہ پر زرد نقاب پڑی تھی۔ اور اس پر سیاہ گل بوٹے کڑھے تھے۔ وہ کپڑے اتنے پہنے تھی کہ یہ معلوم کرنا کہ وہ کون ہے قطعی مشکل کام تھا۔ پشتے پر سے نیچے ماتو نے اس کو دیکھا اور شام کی تاریکی میں اسکو ایک خواب و خیال سمجھا۔

جب ماتو قریب آیا تو سلامبو نے اس سے کہا کہ "آپ مجھے اپنے خیمے میں لے چلئے۔ میری یہی خواہش اور تمنا ہے"۔

ماتو کے ذہن میں کوئی بات دفعتاً گذری مگر یہ یاد نہ آیا کہ وہ کیا تھی۔ دل دھڑکنے لگا اور جس تحکم کے انداز میں اس نے بات کی تھی اس پر دل شرمندہ سا ہوا۔

ماتو نے کہا: "اچھا پیچھے پیچھے چلے آیئے"۔

پشتے کا دروازہ کھلا اور سلامبو اب مستاجروں کے لشکر میں تھی۔

لشکر گاہ میں ہر طرف آدمیوں کا ہجوم اور شور تھا۔ جا بجا انگیٹھیوں میں آگ جل رہی تھی اور ان پر ہنڈیاں چڑھی تھیں۔ آگ کی سرخ روشنی میں خیموں کے بعض حصے چمک رہے تھے۔ کہیں روشنی تھی کہیں تاریکی۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کو آواز لگاتا۔ خیموں کی قطاروں کے بیچ میں گھوڑے صفوں میں زنجیروں میں بندھے کھڑے تھے۔ خیموں کی قطع گول تھی یا چوکور۔ کوئی کپڑے کا تھا کوئی چمڑے کا۔ خیموں کے ساتھ ساتھ نرسل اور پھونس کی جھونپڑیاں بھی تھیں، اور کہیں کہیں محض ریت میں سوراخ سے بنے تھے۔ جیسے کہ اکثر کتے پنجوں سے بنا لیتے ہیں۔ سپاہی جلانے کی لکڑیاں پیٹھ پر لادے لئے جاتے تھے۔ کوئی کہنی پر سر رکھے زمین پر پڑا تھا۔ کوئی بورئے میں لپٹ کر سونے کی تیاری میں تھا۔ ایسے سپاہیوں پر سے سلامبو کا گھوڑا گذرنے کے لئے پہلے قدم دوسری طرف رکھتا اور پھر ان پر سے پھلانگ جاتا۔

سلامبو کو یاد آیا کہ یہ صورتیں وہ پہلے دیکھ چکی ہے۔ مگر اب ان کے رنگ زیادہ سیاہ ہیں اور ڈاڑھیاں بڑھی ہیں۔ ماتو جو اس وقت سلامبو کے آگے چل رہا تھا، سپاہیوں کو ہاتھ کے اشارے سے ہٹاتا تھا۔ اشارہ کرنے میں ہاتھ اٹھتا تو اس کی سرخ عبا بھی ایک طرف سے اٹھ جاتی۔ کوئی اس کے ہاتھ چومتا، کوئی بڑے ادب سے سلام کرتا۔ اور قریب آتا کہ ماتو کیا حکم دیتا ہے۔ چونکہ اب اسپندیوس، اتارتیوس اور نرہیوا اس کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں اس لئے ماتو کل فوجوں کا افسر اور سالار سمجھا جاتا تھا۔ ماتو نے ایسی جوانمردی اور استقلال سے کام کیا تھا کہ ہر شخص اس کا تابع فرمان تھا۔

سلامبو ماتو کے پیچھے پیچھے چلتی تمام لشکر میں سے گذری۔ ماتو کا خیمہ بالکل دوسرے سرے پر تھا۔ ہملکار جس حصار میں اپنا لشکر ڈالے پڑا تھا اس کا فاصلہ یہاں سے صرف تین سو قدم تھا۔

اپنے داہنے ہاتھ کو سلامبو نے ایک خندق دیکھی اور دیکھا کہ دوسری طرف پشتے کے اوپر اس کے کنارے کنارے بہت سے چہرے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کٹے ہوئے سر رکھے ہوں لیکن ان کی آنکھوں میں حرکت ہے اور زبان سے قرطاجنی لہجے میں آہ وزاری سنائی دیتی ہے۔

ماتو کے خیمے کے دروازے پر رال کی قندیلیں لئے دو حبشی کھڑے تھے۔ ماتو نے خیمے کا پردہ ایک طرف کو زور سے کھینچا۔ اور سلامبو خیمے کے اندر داخل ہوئی۔

ماتو کا خیمہ بہت لمبا تھا۔ بیچ میں اس کی چوب کھڑی تھی۔ ایک چراغ جس کی شکل نیلوفر کے پھول کی سی تھی اور اس میں زرد رنگ کا تیل بھرا تھا اور چربی کے ٹکڑے تیل میں پڑے نظر آتے تھے روشن تھا۔ اسی روشنی سے اندھیرے میں ہر

طرف ہتیار چمکتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک ننگی تلوار کرسی کے سہارے ڈھال کے پاس رکھی تھی۔ بحری شیر کی کھال کے کوڑے، جھانجھ، گھنٹیاں اور طوق گھاس کے بنے ٹوکروں پر بے ترتیب پڑے تھے۔ خیمے کی دیواریں اور چھت کا کپڑا پھٹ گیا تھا اور اُس میں جا بجا سوراخ پڑے تھے۔ ان میں ہوا اور خاک باہر سے اُڑ کر اندر آتی تھی۔ ہوا کے ساتھ ہاتھیوں کی بدبو اور اُن کے چری کھانے اور زنجیروں کے کھڑکنے کی آواز بھی آتی تھی۔

ماتو نے پوچھا "آپ کون ہیں؟"

سلامبو نے ماتو کے سوال کا جواب نہیں دیا اور آہستہ آہستہ اندر ٹہل کر خیمے کو چاروں طرف سے دیکھا۔ پھر اُس کی نگاہ خیمے کے دوسرے سرے پر پڑی، وہاں کوئی چیز نیلے رنگ کی چمکتی ہوئی کھجور کی شاخوں کے ایک مچان پر رکھی ہوئی تھی۔

سلامبو اُس کو دیکھتے ہی جلدی سے اُس کی طرف بڑھی۔ اب ایک چیخ اُسکے منہ سے نکلی۔ پیچھے پیچھے ماتو پاؤں زمین پر زور زور سے مارتا چلتا تھا۔

ماتو نے پھر پوچھا "تم کو یہاں کون لایا ہے اور تمہارے یہاں آنے کی غرض کیا ہے؟"

سلامبو نے زاعمف کی طرف ایک ہاتھ سے اشارہ کر کے جواب دیا۔ "میں اسے لینے آئی ہوں۔ دوسرے ہاتھ سے اُس نے اپنے چہرے کی نقاب ہٹائی۔ نقاب کے ہٹتے ہی ماتو پیچھے ہٹا۔ دونوں کہنیاں پیچھے کو نکلی اور منہ کھلا تھا۔ اور چہرے پر خوف کے آثار ظاہر تھے۔

سلامبو محسوس کرتی تھی کہ اس وقت خداؤں کی طاقت اور قوت اسکی مددگار ہے۔

سلامبو نے ماتو کی صورت کو غور سے دیکھکر اُس سے زاعمف نہایت متین اور فصیح تقریر کے ساتھ مانگا۔

ماتو، سلامبو کی تقریر مطلق نہ سُنتا تھا۔ صرف اُس کی شکل کو دیکھے جاتا تھا۔ ماتو کی نگاہ میں سلامبو کی صورت اور اُس کا لباس ایک ہی چیز تھے۔ لباس کی چمک دمک جسم کے گورے گورے رنگ نے ماتو پر کچھ عجیب کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ سوائے سلامبو کے کسی اور کو یہ حُسن و جمال میسر نہیں آنکھیں ہیروں کی طرح جو وہ پہنے تھی چمک رہی تھیں۔ ناخن بھی اُنہی جواہرات میں شامل معلوم ہوتے تھے جو انگوٹھیوں میں جڑے تھے۔ سینے پر قبا کے دو تکمے جن کی وجہ سے چھاتیاں پاس پاس ہو گئی تھیں۔ اُن کے بیچ میں جو تنگ جگہ چھوٹی تھی اُس کو دیکھنے میں ماتو محو تھا یہیں منقش کے ایک دوڑے میں سونے کی تختی جس پر زمرد جڑے تھے لٹک رہی تھی۔ اور یہ تختی باریک اُودے رنگ کی آبِ رواں میں سے جھلکتی تھی۔ کانوں میں بُندوں کی جگہ پکھراج کی بجلیاں ننھی ننھی ترازوؤں کی شکل کی لٹکی تھیں۔ ان ترازوؤں میں پلڑوں کی جگہ دو دو کھوکلے موتی تھے جن کے نیچے سوراخ تھے۔ موتیوں میں عطر بھرا تھا اور اُن سے ایک ایک قطرہ سلامبو کے نازک شانوں پر ٹپکتا تھا۔ ماتو بُت کی طرح کھڑا حُسن کے یہ جلوے دیکھ رہا تھا۔

ایک جذب و کشش نے جس پر قابو نہ تھا ماتو کو آگے بڑھایا اور جیسے کوئی بچہ کسی انجانے پھل کی طرف ہاتھ بڑھائے اپنا ہاتھ بڑھا کر سینے کے اُوپر گوری جلد پر اپنی لرزتی اُنگلی آہستہ سے رکھی۔ جلد اُنگلی رکھنے سے دبی اور پھر اُبھر آئی۔ گو یہ مَس نہایت خفیف تھا مگر ماتو کی فطرت کی گہرائیوں میں اُس نے ایک لرزہ پیدا کر دیا۔ اس کی تمام خلقت اس کا کُل وجود ظاہر و باطن متزلزل ہو کر اس کی طرف کھنچا اور ماتو سلامبو کے قریب آیا۔ چاہتا تھا کہ شعلہ بن کر اُسکو اپنے دامن میں

پیٹ سے یا اُسکو اپنے میں جذب کرلے یا پی جائے۔ ہانپ رہا تھا۔ سینہ کبھی اُٹھتا تھا کبھی بیٹھتا تھا۔ اور دانت سے دانت بج رہا تھا۔ دونوں کلائیاں پکڑ کر سلامبو کو اُس نے اپنی طرف آہستہ سے گھسیٹا۔ پھر خود ایک زرہ پر بیٹھ گیا جو ایک کوچ کے پاس زمین پر پڑی تھی۔ کوچ پر شیر کی کھال بچھی تھی۔ سلامبو کھڑی رہی اور ماتو اُسے اپنے دونوں گھٹنوں میں پکڑے اُسکی صورت دیکھتا رہا۔

بار بار کہتا تھا کہ "تم کیسی خوبصورت ہو، کیسی حسین ہو"

سلامبو کو اُس کا اس طرح برابر دیکھے جانا ناگوار گذر رہا تھا۔ وہ اتنی گھبرائی اور پریشان ہوئی کہ بے اختیار چیخنا چاہا۔ لیکن فوراً ہی شاہابریم کا کہنا یاد آیا اور اُس نے اپنا تن بدن سب ماتو کے حوالے کردیا۔

ماتو اب تک سلامبو کی کلائیاں پکڑے تھا۔ سلامبو باوجود شاہابریم کی ہدایت کے اکثر اپنا مُنہ ماتو کی طرف سے پھیر لیتی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ ہاتھ سخت کرکے ماتو کو پیچھے ہٹا دے۔ ماتو نتھنے پُھلا پُھلا کر سلامبو کے جسم کی خوشبو سونگھتا تھا۔ یہ شمیم جاں پرور وہ تھی جس کی کیفیت بیان کرنی مشکل ہے۔ اس میں تازگی اور نشہ دونوں شامل تھے۔ اس میں شہد کی شیرینی اور فلفل کی تیزی دونوں موجود تھیں۔ اور خوشبوؤں کے ساتھ گلاب کی خوشبو بھی اُس میں بسی تھی۔

ماتو دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ سلامبو خود اُس سے ملنے آئی اور خود اُس کے خیمے میں آکر اُس کے قابو میں آگئی۔ ضرور کسی نے اُسکو اس بات پر آمادہ کیا ہے۔ ضرور کسی کا یہ اثر ہے۔ وہ زائمف کو لینے نہیں آئی ہے۔ اب ماتو اپنے کسی خیال میں ایسا مستغرق ہوا کہ سلامبو کے ہاتھ چھوڑ کر اُس نے اپنا سر جُھکا لیا۔

سلامبو ماتو کی طبیعت نرم کرنے کی غرض سے پوچھنے لگی۔

"میں نے کیا قصور کیا تھا کہ تم میری جان کے لاگو ہوگئے"

ماتو بولا "تمہاری جان کا لاگو اور میں!!"

سلامبو کہنے لگی "میں نے ایک دن سرِ شام اپنے جلتے ہوئے باغ کی روشنی پر جبکہ شراب نوشی میں ہر طرف پیالے چھنک رہے تھے اور میرے غلام خون میں آلودہ جابجا پڑے تھے، تمہیں دیکھا تھا۔ تم اس وقت کچھ ایسے غیظ و غضب میں تھے کہ میری طرف دوڑے۔ میں تمہیں دیکھ کر بھاگی۔ پھر تمام قرطاجنہ پر ایک خوف طاری ہوا۔ لوگوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ شہر لوٹے اور امیروں کی جائدادیں جلائی جا رہی ہیں۔ اور سب کہتے تھے کہ تم ہی اس ظلم و غارتگری پر تلے تھے۔ اور تم ہی سب کے قاتل تھے۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ تمہارا نام تک جب سنتی ہوں تو طبیعت شرمندہ و خجل ہو جاتی ہے۔ تم سے لوگ اتنی نفرت و کراہت کرتے ہیں کہ طاعون کی وبا اور رومانیوں کی جنگ سے بھی اتنی نہیں کرتے۔ تمہارے جور و تعدی سے تمام صوبوں کی رعایا لرزتی ہے۔ تمہاری ہی وجہ سے کھیتوں کی لیکھوں میں مردے پڑے نظر آتے ہیں۔ میں اس راستے سے یہاں تک آئی ہوں جہاں تمہاری سفاکی غارتگری اور آتش زنی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اس راستے پر چل رہی ہوں جہاں سے مولخ کا گذر ہوا ہے۔"

ماتو اتنا سنکر اچھل کر کھڑا ہوا۔ اس کے دل میں شدت سے غرور پیدا ہوا اور وہ بزرگی اور رفعت میں اپنے کو خدا کی مثل سمجھنے لگا۔

سلامبو نتھنے پھلا پھلا کر اور دانت سے دانت پیچی کر کے کہنے لگی۔

"تم نے مذہب کی توہین اور بےحرمتی ہی پر بس نہیں کی بلکہ مجھ سوتی کے خوابگاہ میں زائمف کو اوڑھے ہوئے تم آئے۔ تمہاری زبان میں نہ سمجھتی تھی۔ لیکن میں صاف سمجھ گئی کہ تم مجھ کو ایک ایسے گناہ کا مرتکب کرانا چاہتے ہو جس کی سزا میں قعرِ جہنم کے سوا دوسری بات نہ تھی۔"

ماتو نے ہاتھ مل مل کر کہا: "نہیں نہیں۔ میں تمہارے خوابگاہ میں اس لئے خیمہ کے اندر آیا تھا کہ سلامبو امانت
تمہارے حوالے کر دوں۔ ربّہ کا پیرہن تم تک پہونچا دوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ربّہ تانیت
اپنا پیرہن تمہارے لئے چھوڑ گئی ہے۔ اور یہ کہ وہ پیرہن درحقیقت تمہارا ہی ہے۔ تانیت
کا ہیکل اور تمہارا گھر مجھے ایک ہی معلوم ہونے لگا۔ کیوں کیا ربّہ کی طرح تم کو سب
پر قدرت نہیں ہے۔ کیا تم اُسی کی مثل پاک، بے داغ، درخشاں و حسین نہیں ہو؟"

اتنا کہکر ماتو نے بیحد تعظیم و ادب سے کہا: "سلامبو تم ہی تانیت ہو!"

سلامبو دل میں کہنے لگی "واہ میں اور تانیت، یہ بھی خوب کہی!"

دونوں نے بات کرنی بند کی۔ دور بادل کے گرجنے کی آواز آئی۔ طوفان کے
ڈر سے بھیڑیں بولنے لگیں۔

ماتو نے کہا: "سلامبو! میرے قریب آؤ۔ میرے پاس آؤ۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔
ایک زمانہ تھا کہ میری حیثیت ایک معمولی سپاہی سے زیادہ نہ تھی۔ معمولی مستاجر
سپاہیوں میں اور مجھ میں کوئی فرق اور تمیز نہ تھی۔ اور میں اس قدر تنگدست و مُفلس
تھا کہ دوسروں کے لئے اپنی پیٹھ پر لکڑیاں لاد کر لے جایا کرتا تھا۔ قرطاجنہ کی مجھے
کیا پروا ہے۔ اس کی کثیر آبادی میری نظر میں تیری پاپوش کی خاک میں چُھپ چکی
ہے۔ اُس کی دولت و ثروت، اُس کے خزانے، اُس کے صوبے، اُس کے جہازی
بیڑے، اُس کے جزیرے تیرے لبوں کی تازگی اور تیرے ساعد و بازو کے حُسن
کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ مُدت سے آرزو ہے کہ قرطاجنہ کی مشہور و مستحکم دیوار کو
گرا کر زمین کے برابر کر دوں تاکہ تجھ تک میں پہونچ سکوں اور تجھے اپنا بنا لوں۔ لیکن
اس سے پہلے میں انتقام کی شیرینی چکھنے میں مصروف ہوا۔ اور میں آدمیوں کو اس طرح
کچلنے لگا جیسے کوئی انڈے کا چھلکا توڑے۔ لڑائی میں میں نیزہ برداروں کے دستوں
پر جا گرتا ہوں، اُن کے نیزے اپنے ہاتھوں سے کھینچ کر دور پھینک دیتا ہوں۔

زبردست گھوڑوں کے نتھنے پکڑکر اُن کو دوڑتے دوڑتے روک دیتا ہوں۔ دشمن کے منجنیقوں سے کتنے ہی پتھر مجھ پر برسیں مگر مجھے وہ ہلاک نہیں کر سکتے۔ تجھے کیا علم ہے کہ ان لڑائیوں اور ہنگاموں میں بھی مَیں تیرے ہی خیال میں رہتا ہوں۔ کبھی تیری کوئی ادا کبھی تیری پوشاک کی کوئی شکن دل پر مسلط رہتی ہے۔ ترے دامِ اُلفت میں ہر وقت گرفتار ہوں۔ قلارک کے شعلوں اور جوشنوں میں تیری ہی آنکھیں نظر آتی ہیں۔ طبل اور جلاجل کی صداؤں میں تیری ہی آواز کانوں میں آیا کرتی ہے۔ پلٹ کر دیکھتا ہوں مگر تُو وہاں نہیں ہوتی۔ پھر لڑائی کے گھمسان میں جا پہونچتا ہوں"۔

ماتو نے اپنے بازو اُونچے کئے۔ اُن پر رگیں اُبھر کر ایک پر ایک اس طرح چڑھی تھیں جیسے کسی درخت پر کوئی موٹی بیل چڑھی ہو۔ سینے کے مضبوط اعصاب سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اور سانس لینے میں پہلو کی پسلیاں دبتی اُبھرتی تھیں۔ اور اسکے ساتھ ساتھ برنز کی پیٹی جو کمر میں لگی تھی اُس کو حرکت ہوتی تھی پیٹی سے گھٹنوں تک تسموں کی ایک جھالر جو سنگِ مرمر کی مثل سخت تھی لٹکی تھی۔ سلامبو جس کو اب تک خواجہ سراؤں سے واسطہ رہا تھا اس جوانمرد کی طاقت کو دیکھکر دنگ رہ گئی۔ اُسکو محسوس ہو رہا تھا کہ ربۃ تانیت کی طرف سے کوئی سخت سزا یا موبخ کا اثر اس کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ اور یہ حالت اس کی پانچ لشکروں کی موجودگی میں ہے۔ اب اُس پر ایک قسم کی سُستی یا غفلت سی غالب ہوئی۔ اور اسی غفلت کی حالت میں وہ ایک پہرے والے کی آواز دوسرے پہرے والے کو دیتے سُنتی تھی۔

چراغ جو خیمے میں روشن تھا گرم ہَوا کے جھونکوں سے اُس کی لَو ہلتی تھی۔ ایک دم سے تیز روشنی چمکی اور فوراً بند ہو کر تاریکی پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ سلامبو اس اندھیرے میں سوائے ماتو کی آنکھوں کے جو سُرخ انگارہ ہو رہی تھیں اور کچھ نہ دیکھتی تھی۔ مگر وہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی حکم قضا عنقریب بجا آنیوالا ہے۔ اور وہ بُری

ساعت آرہی ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ اب وہ کوشش کر کے زاعمٔف کی طرف (سلامبو خیمے کے اندر)
چلی اور اسکو اُٹھانے کیلئے ہاتھ پھیلایا۔

ماتو نے اتنا دیکھتے ہی چلا کر کہا" یہ کیا کرتی ہو؟"

سلامبو نے بڑے اطمینان سے کہا" میں قرطاجنہ واپس جا رہی ہوں"
دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھکر ماتو غضبناک صورت بنا کر ایسے کڑک کی آواز

میں یہ الفاظ کہے کہ سلامبو جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔
ہکلا ہکلا کر کہنے لگا" اچھا قرطاجنہ واپس جاتی ہو" پھر دانت پیسکر کہا" قرطاجنہ
واپس چلیں۔ اب معلوم ہوا کہ تم زاعمٔف لینے آئی تھیں۔ گویا پہلے مجھ کو اس بات پر راضی
کر لوگی اور پھر مجھے چھوڑ کر چلی جاؤگی۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ کبھی ایسا نہ ہوگا۔ تم
میری ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ تم کو مجھ سے جُدا کر سکے۔ آہ، میں اس چشمِ درشت و
خاموش کی بے اعتنائی کو نہیں بھولا ہوں اور نہ میں تیرے غرورِ حُسن کو بھولا ہوں جسنے
مجھے پامال کیا تھا۔ سُن، اب میری باری آئی ہے، تُو میری اسیر ہے، میری لونڈی
میری خادمہ ہے۔ جس کو چاہے تو پکارے۔ چاہے اپنے باپ کو پکار چاہے اُسکے لشکر کو
چاہے تُو قرطاجنہ کے قدما اور وہاں کے دولتمندوں یا اپنی قابلِ نفرت قوم سے فریاد
کر۔ مگر تجھ کو مجھ سے اب کوئی جُدا نہیں کر سکتا۔ میں اس وقت تین ہزار سپاہیوں کا سالار
ہوں۔ اگر زیادہ فوجیں درکار ہوں گی تو لوسی تانیہ اور گالیہ کے مُلکوں سے اُن کے
جنگلوں اور صحراؤں میں گھُس کر آدمی بھرتی کروں گا۔ مَیں تیرے شہر کو غارت کرونگا
اُسکے بتخانے اور ہیکل منہدم کروں گا۔ اور اُس کے جہاز اور سفینے پانی کی جگہ خُون
کی موجوں پر چلتے ہونگے۔ کوئی گھر کوئی درخت حتیٰ کہ ایک پتھر تک تیرے شہر کا سلامت
نہ چھوڑونگا۔ اور اگر میرے پاس آدمی نہ رہیں گے تو پہاڑوں سے ریچھوں اور کچھاروں
شیروں کو تیرے شہر کی طرف ہانک دونگا کہ وہ اُس پر حملہ کریں۔ اگر تو نے ذرا بھی

سے بھاگنے کا قصد کیا تو میں تجھے فوراً ہلاک کر دونگا"

صورت زرد، مٹھیاں باندھے وہ عُود کے اُن تاروں کی طرح لرز رہا تھا جو بجتے بجتے ٹوٹنے کو ہوتے ہیں۔ پھر دفعتاً وہ رونے لگا اور ررویا بھی ایسا کہ ہچکی بندھ گئی اور اسی حال میں کھڑے سے زمین پر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا۔

"سلامبو، مجھے معاف کر۔ میں غم کا مارا ہوں۔ عقرب کی طرح آزاردہ ہوں۔ کیچڑ اور خاک سے زیادہ ناپاک ہوں۔ آہ، ابھی کی بات ہے کہ بات کرنے میں تیرا سانس میرے چہرے کو لگا تھا۔ اُس وقت مجھکو وہ مسرت محسوس ہوئی تھی جو ایک جاں بلب کو شدت تشنگی میں کسی چشمے کے پاس لیٹ کر اپنا حلق تر کرنے میں ہوتی ہے۔ مجھے اپنے قدموں میں روند تاکہ تیرے پاؤں کے مس سے لذت حاصل کروں، مجھ پر لعنت کر تاکہ تیری آواز سنوں۔ مجھ پر رحم کر، ترس کھا، یہاں سے نہ جا۔ مجھے تجھسے عشق ہے۔ محبت ہے۔ اُلفت ہے!"

اس وقت ماتو دونوں گھٹنے ٹیکے سلامبو کے سامنے تھا۔ سر پیچھے کو ڈال کر دونوں ہاتھوں سے سلامبو کی کمر کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ سلامبو کے کانوں کے موتی ماتو کی سیاہ گردن پر چمکتے تھے۔ ماتو کی آنکھوں میں آنسو چاندی کے موتیوں کی طرح روشن تھے۔ ماتو نے ایک آہ سرد بھری۔ سلامبو کے لئے یہ آہِ سرد پیار کی ایک لہر تھی۔ ماتو کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے تھے جو سمجھ میں نہ آتے تھے۔ مگر وہ نسیم صبح سے زیادہ لطیف اور بوسوں سے زیادہ شیریں تھے۔

سلامبو پہ ایک غفلت جو طاری ہوئی اور اُس کو اپنا آپا کچھ یاد نہ رہا۔ کوئی بات جو دل سے اُٹھی اوپر سے وہ خداؤں کا حکم ہو گئی۔ اُس نے کسی بات پر اسکو مجبور کر دیا۔ بادلوں نے اُسے اونچا اُٹھایا۔ اور وہ غشی کے عالم میں کوچ پر شیر کے بالوں میں گری۔ ماتو نے اُس کی ایڑیاں پکڑیں۔ سونے کی نازک زنجیر جو دونوں

پاؤں میں پڑی تھی دو ٹکڑے ہو گئی۔ ایک ٹکڑا ایک پاؤں کو دوسرا دوسرے پاؤں کو سنپولیوں کی طرح لپٹ گیا۔ زاعمف نے جہاں لٹکا تھا وہاں آ کر گر کر دونوں کو ڈھک لیا۔ سلامبو نے دیکھا کہ ماتو کا چہرہ اسکے سینے پر ہے۔

سلامبو چلائی: "مولخ تو مجھے جلائے ڈالتا ہے"۔ اور ماتو کے بوسے جو آگ سے بھی زیادہ جلانے والے تھے سر سے پاؤں تک شعلوں کی طرح دوڑتے رہے۔ سلامبو کو معلوم ہوتا تھا کہ ایک بگولے میں آ کر وہ اُڑی چلی جاتی ہے اور آفتاب کی قوت نے اسکو اپنا اسیر کر رکھا ہے۔

ماتو نے سلامبو کی ایک ایک اُنگلی ایک ایک ساعد و بازو کے بوسے لئے اور زُلف کی ایک ایک لٹ کو از فرق تا انتہا چوما اور کہنے لگا:-

"سلامبو، زاعمف کو یہاں سے لے جا۔ مجھے اس کی پروا نہیں۔ میں لشکر سے بھی کنارہ کش اور ہر چیز سے تارک ہوتا ہوں۔ قادس سے بیس دن کے جہازی سفر سے ایک جزیرہ آتا ہے جہاں کی خاک میں سونے کے ذرّات بکثرت ملے ہیں۔ وہاں سبزہ ہے اور طیور ہیں۔ پہاڑوں پر خوشنما پھول قدرت کے قدیم عطردان اور مجمرے ہر طرف اپنی خوشبو پھیلاتے ہیں۔ سیب کے درخت وہاں سرو کے درختوں سے بھی زیادہ بالا قامت ہوتے ہیں۔ سانپ جن کے دہن میں دانتوں کی جگہ ہیرے جڑے ہیں۔ درختوں سے پھل گرتے ہیں اور سبزے پر لوٹتے نظر آتے ہیں۔ وہاں کی ہوا ایسی رُوح پرور ہے کہ موت کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ میں اس جزیرے کو تیرے لئے تلاش کروں گا۔ پھر تُو دیکھے گی کہ ہم وہاں بلور کی کھوؤں میں رہیں گے جو پہاڑوں کی جڑوں میں کھُدی ہوں گی۔ ابھی تک یہ جزیرہ غیر آباد ہے۔ بس وہاں کا بادشاہ ہوں گا۔"

ماتو نے اس تسمو ا سے کے موزے جو پنڈلیوں پر چڑھے تھے اُن کی خاک جھاڑی۔

اور آدھا انار پیش کر کے سلامبو سے اصرار کیا کہ وہ اس کو کھائے۔ بہت سی کپڑے سلامبو کے سر کے نیچے رکھ کر اُن کا تکیہ بنایا۔ وہ طرح طرح سے سلامبو کی خدمت میں مصروف ہوتا اور اپنے تئیں اس کا ایک ذلیل خادم ہونا ظاہر کرتا۔ زاعفا کو ایک معمولی کمبل کے ٹکڑے کی طرح سلامبو کے پاوؤں پر ڈالدیا۔ پوچھنے لگا۔

"سلامبو کیا تمہارے پاس اب غزالوں کے وہ سینگ ہیں جن پر تم اپنے گلے کے ہار اُتار کر ڈالا کرتی تھیں؟ وہ مجھے دیدو۔ مجھے اُن سے عشق ہے۔" اب اُسنے ایسی باتیں کرنی شروع کیں گویا لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ خوش ہوتا اور ہنستا تھا۔ مستاجر، ہلکار اور تمام چیزیں جو اُس کے کام میں مزاحم تھیں اُس کے ذہن سے مفقود ہو چکی تھیں۔ آسمان پر چاند بادل کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں راہ طے کرتا تھا۔ دونوں نے یہ کیفیت خیمے کے ایک سوراخ سے دیکھی۔ ماتو دل میں کہتا آہ کتنی راتیں میں نے اِس چاند کو دیکھنے میں گذاری ہیں۔ چاند تو مجھ کو ایک نقاب معلوم ہوتا تھا جس میں سلامبو کا چہرہ چھپا تھا۔ اُسی میں سے تم مجھے جھانکتی تھیں۔ تمہارا خیال جب آتا تھا تو وہ اُسی کرتوں میں شامل ہوتا تھا۔ اب بھی میں تمکو اس سے جدا نہیں سمجھتا۔ ماتو سلامبو کے سینے پر سر رکھے رو یا کیا۔

سلامبو کو خیال آیا کہ یہی وہ مرد ہے جس کے سامنے قرطاجنہ لرزتا ہے۔

ماتو روتے روتے اسی طرح اپنا سر سلامبو کے سینے پر رکھے سو گیا۔ سلامبو نے آہستہ سے اُس کے ہاتھ ہٹا کر اپنے کو علیحدہ کیا۔ اور ایک پاؤں زمین پر رکھا۔ اس وقت دیکھا کہ سونے کی زنجیر جو دونوں پاؤں میں پڑی تھی، ٹوٹ گئی ہے۔

معزز خاندانوں کی کنواری لڑکیوں کو اس بات کی تعلیم دی جاتی تھی کہ وہ اِس زنجیر کو متبرک سمجھکر اس کی حفاظت کریں۔ یہ دیکھکر کہ زنجیر ٹوٹ گئی ہے سلامبو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور اُس نے دونوں ٹکڑوں کو اپنے دونوں ٹخنوں پر

لپیٹ لیا۔

قرطاجنہ، میگارا، اپنا محل، اپنا کمرہ اور وہ سرزمین جس میں سفر کرتی ہوئی یہاں تک پہونچی تھی سب ایک ایک کر کے یاد آنے لگے۔ خیال سب کا آیا مگر کوئی چیز واضح شکل میں ذہن میں نہ آئی لیکن اب سلامبو میں اور ان چیزوں میں ایک غارِ عمیق حائل تھا جس نے انکا فاصلہ اور بڑھا دیا تھا۔

طوفان سر سے گذر کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ مینہ کے چند قطروں کے گرنے سے خیمے کی چھت ہلنے لگی۔ ماتو ایک بدمست شرابی کی طرح کروٹ سے پڑا سوتا رہا۔ ایک ہاتھ اس کا کوچ سے نیچے لٹکا تھا۔ موتیوں کا تاج جو سر پر تھا وہ ہٹ کر پیشانی سے اونچا ہو گیا تھا۔ پیشانی بالکل کھلی تھی۔ چہرے پر تبسم تھا اور اس تبسم میں اوپر کے دانت نیچے کے دانتوں سے جدا تھے اور سیاہ ڈاڑھی میں دانت چمکتے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹے کچھ کھلے کچھ بند تھے اور ان پر خاموش مگر ایک لذتِ مجرمانہ کے آثار پائے جاتے تھے۔

سلامبو ماتو کی اس حالت کو چپ کھڑی دیکھتی رہی۔ نظر نیچی تھی اور سینے پر ہاتھ رکھے تھی۔ کوچ کے قریب چوب سرو کی ایک میز پر ایک خنجر پڑا تھا۔ اس کی چمکتی دھار کو دیکھکر سلامبو میں خون کی تشنگی پیدا ہوئی۔ خیمے سے کچھ دور دردناک آوازیں ایسی سنائی دیں جیسے اندھیرے میں روحیں مل کر کوئی غمگین راگ گاتی ہوں۔ سلامبو میز کے قریب گئی اور خنجر اٹھا لیا۔ اس کے لباس کی آہٹ سے ماتو کی آنکھ کسی قدر کھلی۔ اس نے اپنے لب سلامبو کی طرف کئے۔ سلامبو کے ہاتھ سے خنجر چھوٹ گیا۔

آوازیں تیز ہوئیں۔ اور خیمے کی دیوار کے پیچھے روشنی سی معلوم ہوئی۔ ماتو نے اٹھکر خیمے کا پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ لبیہ والوں کے لشکر میں آگ لگی ہے۔

اُنکی پھُونس کی جھونپڑیاں جل رہی ہیں۔ اور دھوئیں میں پھُونس کے تنکے اور نرسل بل کھا کھا کر بھڑکتے اور تیروں کی طرح اُڑتے ہیں۔ اُفق کا رنگ سُرخ ہے اور کالی کالی پرچھائیاں اس کے مقابل حالتِ اضطراب میں دوڑتی نظر آئیں۔ پہرے کی چوکیوں سے آدمیوں کا شور سُنا گیا۔ لوگوں کے انبوہ میں ہاتھی گھوڑے مویشی کُودتے پھاندتے نظر آئے۔ اور دیکھا کہ یہ جانور لڑائی کے سامان کو جو آگ سے بچانے کیلئے دُور رکھدیا تھا اور آدمیوں کو کچل رہے تھے۔ بگل اور نفیر زور زور سے پھُونکے جا رہے ہیں۔ اور ماتو ماتو پکارنے کی آوازیں آتی ہیں خیمے کے دروازے تک لوگ آگئے اور اُنہوں نے اندر آنا چاہا۔

کسی نے ماتو سے کہا "آؤ، حملہ کار نے اتار تیوس کے خیمہ گاہ میں آگ لگادی ہے"

ماتو ایک جھلانگ میں خیمے سے باہر آتے ہی غائب ہو گیا۔ خیمہ میں سلامبو تنہا رہ گئی۔

سلامبو نے اب زائمف کو اچھی طرح دیکھا۔ اور جب اس کو اچھی طرح دیکھ چکی تو وہ مسرّت جو پہلے سمجھ رہی تھی کہ اُس کے دیدار سے حاصل ہوگی وہ حاصل نہ ہوئی۔ سلامبو کو اس پر تعجب سا ہوا اور خواب کی تعبیر پوری ہونے پر افسُردہ خاطر ہو گئی۔

خیمے میں ایک طرف سے دیوار کے نیچے کا کنارہ اُٹھا۔ اور ایک خوفناک شکل اس میں سے سامنے آئی۔ پہلے تو سلامبو کو سوائے دو آنکھوں اور ایک سپید لمبی ڈاڑھی کے جو زمین تک لٹکی تھی اور کچھ نظر نہ آیا۔ کیونکہ باقی جسم جس پر چیتھڑے لگے تھے زمین پر گھسٹتا چلا آتا تھا۔ آگے بڑھنے کی ہر جنبش میں دونوں ہاتھ جو ڈاڑھی میں چھپے تھے زمین پر ٹکتے۔ اور پیچھے ہٹتے تھے۔ اس طریقے سے یہ خوفناک صورت سلامبو کے قدموں تک

پہونچی۔ سلامبو نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ بُڈھا گسکو ہے۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے قرطاجنہ کے قدمار اور عمائد جو متاجروں کے لشکر میں مصالحت کی غرض سے آتے تھے اور ان کو متاجروں نے قید کر لیا تھا اس خیال سے کہ وہ کہیں قید سے نکل نہ جائیں متاجروں نے پیتل کی سلاخیں مار مار کر ان سب کی ٹانگیں توڑ دی تھیں۔ اور یہ کل اسیر ایک گڑھے میں پڑے غلاظت اور گندگی میں سڑتے تھے۔ نقاروں اور نفیر کی آوازیں سن کر ان میں جو ہمت والے تھے گڑھے سے باہر نکلے اور چلانا شروع کیا۔ غرض اس طریقے سے گسکو نے سلامبو کو دیکھ لیا۔ گسکو نے سلامبو کو قرطاجنہ کی ایک عورت اس وجہ سے سمجھا کہ اسکے موزوں میں چھوٹے چھوٹے گھونگرو لگے تھے۔ اور کسی پیش گوئی کی وجہ سے گسکو اپنے ساتھیوں کی مدد سے گڑھے سے باہر نکلا۔ کہنیوں اور ہاتھوں کے بل گڑھے سے بیس قدم آگے بڑھ کر وہ ماتو کے خیمے تک چلا آیا تھا۔ خیمے کے اندر اس نے دو آدمیوں کو باتیں کرتے سنا۔ اور باہر کان لگا کر جو باتیں اندر ہو رہی تھیں سب سنتا رہا۔

سلامبو گسکو کو دیکھتے ہی ڈر گئی۔ مگر اس نے پوچھا "گسکو تم ہو؟"

گسکو کہنیوں کے بل اونچا ہوا اور جواب دیا "ہاں میں ہوں۔ میری نسبت تو سمجھا جاتا ہے کہ میں مر گیا ہوں۔ تو کیا میں مرا نہیں ہوں؟" سلامبو نے نظریں نیچی کر لیں۔

اب گسکو نے کہنا شروع کیا "ہائے افسوس، تعلیم نے کیوں مجھ پر اتنا رحم نہ کیا کہ وہ مجھے مار ڈالتے" یہ کہتا ہوا گسکو اتنا پاس آ گیا کہ اس نے اسکے قدم چھوئے۔ پھر کہا کہ "اگر تعلیم مجھے مار ڈالتے تو آج مجھے تجھ پر لعنت کرنے کی نوبت نہ آتی" اتنا سنتے ہی سلامبو جلدی سے پیچھے ہٹی۔ گسکو اتنا غلیظ تھا کہ وہ گندگی کا کیڑا معلوم ہوتا تھا۔ صورت بھتنوں کی سی ہو گئی تھی۔

پھر وہ بولا "کچھ دنوں میں میری عمر پورے سو برس کی ہو جائے گی۔ میں نے اگاتوکلیس اور ریگیولس اور رومہ کے عقابوں کو قرطاجنہ کے ہرے بھرے کھیتوں پر گرتے دیکھا تھا۔ لڑائی کا کوئی خطرہ ایسا نہیں کہ جسکو میں نے نہ جھیلا ہو۔ اپنے جہازی بیڑوں کو تباہ ہونے کے بعد سمندر پر اُن کے ٹکڑے بہتے دیکھے ہیں مستا جر جن کا میں سپہ سالار تھا اُنہوں نے میرے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑ دیے۔ گویا میں اُن کا کوئی غلام تھا جس نے ارتکاب قتل کیا تھا۔ میرے ساتھی ایک کے بعد ایک میرے گرد قید میں مرے۔ راتوں کو اُن کی لاشوں کی بدبو سے آنکھ کھُل جاتی ہے۔ چیلیں اور گدھ جو اُن مُردوں کی آنکھیں کھانے کے لئے گڑھے میں اترتے ہیں اُن کو میں تاکتا رہتا ہوں۔ لیکن ایک لمحہ بھی اب تک ایسا نہیں آیا جس میں مجھے قرطاجنہ کی طرف سے ناامیدی ہوئی ہو۔ اگر میں تمام دُنیا کی فوجوں اور لشکروں کو اُس کے مقابلے میں صف بستہ دیکھوں تو بھی اُس کی طرف سے مایوس نہ ہوں۔ خواہ دُشمن اُس کا محاصرہ کرتا ہو اور اُس کی فصیلوں سے شُعلے اُس کے ہیکلوں سے بھی اُونچے اُٹھتے نظر آتے ہوں، اس وقت بھی اُس کی طرف سے میرے دل میں اُمید قائم ہے۔ لیکن اب یہ جو کچھ تھا وہ سب ختم ہو لیا۔ اربابِ فلک اب قرطاجنہ کو نظر بھر سے نہیں دیکھ سکتے۔ لعنت ہو تجھ پر کہ تُو اپنی بے شرمی سے قرطاجنہ کے جلد زوال پذیر ہونیکا موجب ہوئی۔"

سلامبو نے آنکھیں پھاڑ کر گسکو کی طرف دیکھا۔

گسکو کہنے لگا "میں وہاں موجود تھا عشق و محبت میں ایک بیسوا کی مثل تیری آواز کھرکھراتی ہوئی میں نے سُنی۔ اور جب اُس نے خواہش ظاہر کی تو تُو نے اپنے ہاتھوں کا بوسہ اُس کو لینے دیا۔ حتیٰ کہ تجھ پر بھی ہوائے نفس غالب آئی۔ اگر ایسا ہوا بھی تھا تو تجھکو چاہیئے تھا کہ جنگل کے حیوانوں کی طرح کہیں دُور نظر سے پوشیدہ ہو کر ملوث ہوتی۔ اور اپنے باپ کے لشکر کے سامنے یہ بے عزتی کی حرکت نہ کرتی۔"

سلامبو نے کہا "کیا؟"

گسکو بولا "کیا تجھے نہیں معلوم کہ دونوں لشکر گاہوں کی خندقوں میں صرف ساٹھ ہاتھ کا فصل ہے۔ اور تیرے ماتو نے غرور اور نخوت میں آکر تیرے باپ ہملکار کے مقابل اپنا خیمہ نصب کیا ہے۔ اس خیمے کی پشت پر تیرا باپ موجود ہے۔ اگر مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں بیچ کے پشتے پر چڑھ سکتا تو میں پکار کر اس سے کہتا۔ ہملکار آ، اور اپنی بیٹی کو ایک وحشی کی بغل میں دیکھ۔ تیری عزت افزائی کے لئے اس نے آج ربۃ تانیت کا لباس زیب تن کر کے اپنے کو دوسرے کے حوالے کرنے میں تیرے نام کو داغ لگایا۔ اور خداؤں کی بزرگی دشمن سے انتقام کشی اور قرطاجنہ کی سلامتی کو خاک میں ملایا۔" گسکو کے منہ میں ایک دانت نہ تھا۔ بات کرنے میں ڈاڑھی برابر ہلتی رہتی تھی۔ اسکی قہر آلود نگاہیں سلامبو کی طرف جمی تھیں اور اسکو کھائے جاتی تھیں۔ گسکو خاک پر پڑا بڑبڑا کہتا تھا۔

"اے مذہب کی بے حرمتی کرنے والی خبیثہ تجھ پر لعنت ہو۔ لعنت ہو۔ لعنت ہو۔"

سلامبو خیمے کا پردہ ہاتھ سے پکڑے اٹھائے تھی۔ گسکو کی کسی بات کا جواب اس نے نہ دیا۔ باپ کا لشکر جدھر بتایا گیا تھا اسی طرف دیکھتی رہی۔

سلامبو نے گسکو سے پوچھا "راستہ یہی ہے نا؟"

گسکو بولا "تجھے اس راستے سے کیا کام۔ ادھر سے منہ موڑ لے اور دفع دفان ہو۔ اپنی یہ صورت شکل خاک میں ملا کر غارت کر دے۔ وہ مقام مقدس و متبرک ہے۔ تیری نگاہ اسے ناپاک کر دیگی۔"

سلامبو نے زاعمف کو کمر سے لپیٹا اور جلدی سے نقاب اور گلوبند اٹھایا اور کہا "میں وہیں جاتی ہوں اور جس قدر جلد ممکن ہوگا وہاں پہونچوں گی۔" اتنا کہکر وہ غائب ہو گئی۔

شروع میں وہ بالکل اندھیرے میں آگے بڑھتی رہی۔ راستے میں کوئی آدمی اُسکو نہ ملا کیونکہ آگ لگ رہی تھی اور سب لوگ اُس طرف چلے گئے تھے۔ غل بڑھتا گیا۔ اونچے اونچے شعلوں کی چمک کا عکس آسمان پر پڑتا تھا۔ اب راستے میں ایک اونچا پشتہ آیا جس نے سلامبو کی راہ روک دی۔ چلتے چلتے ٹھہر گئی۔

اب وہ بے سمجھے بوجھے کبھی داہنے کو مڑتی کبھی بائیں کو۔ تلاش میں ہوئی کہ کوئی سیڑھی یا رسّی یا کوئی اور چیز جو پشتے پر چڑھنے میں مدد کرے اُسے ملے۔ گمشکو کا خوف الگ دل میں بیٹھا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی کے پکارنے اور قدموں کی آواز پیچھے سے آرہی ہے۔ دن نکلنے کو تھا۔ پشتے پر ایک بٹیا سی دکھائی دی۔ چونکہ کپڑے زیادہ پہنے تھی اس لئے طبیعت بے چین تھی۔ دامن دانتوں میں پکڑکر تین چھلانگوں میں وہ پشتے کے اوپر پہونچی۔ نیچے سے سخت شور کی آواز کچھ اُس غل سی ملتی ہوئی تھی جو اپنے باغ میں آبنوس کے زینے پر سُنی تھی کانوں میں آئی۔ جھک کر دیکھا تو شاہابریم کا غلام جو بطور رہبر کے ساتھ آیا تھا دو گھوڑے ایک جگہ باندھے کھڑا ہے۔

یہ غلام تمام رات دونوں لشکر گاہوں کی خندقوں کے بیچ میں مارا مارا پھرا تھا۔ جب آگ لگتے دیکھی تو گھبرایا اور ماتو کے لشکر میں واپس چلا آیا۔ اور یہ سمجھکر کہ اس وقت جہاں وہ تھا وہ ماتو کے خیمے سے قریب ہے وہیں بے حس و حرکت کھڑا ہوگیا۔ اور یہی اُس کے سردار شاہابریم کا حکم تھا۔ اب یہ غلام ایک گھوڑے کی پیٹھ پر سیدھا کھڑا ہوا۔ سلامبو پشتے کے اوپر سے اُس کی طرف نیچے کو پھسلی۔ اور اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر پہونچ گئی۔ اب دونوں گھوڑوں پر سوار قرطاجنی لشکرگاہ کے گرد سرپٹ ہوئے۔ اِس اُمید میں تھے کہ کہیں تو باہر نکلنے کا راستہ ملے ہی گا۔

ماتو اپنے خیمے میں واپس آیا۔ چراغ سے دھواں اسقدر نکلتا تھا کہ روشنی برائے

نام تھی۔ اُس نے خیال کیا کہ سلامبو سوتی ہوگی۔ کوچ پر سے شیر کی کھال آہستہ سے ہٹائی، آواز دی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ جلدی سے خیمے کو ایک جگہ سے پھاڑا تاکہ دھوپ اندر آئے، اب روشنی میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ زاعیمف بھی ندارد ہے۔

ہزارہا آدمیوں کے قدموں کی دھمک سے زمین ہلتی تھی۔ ہوا میں شور اور غل بلند ہوا۔ گھوڑوں کے ہنہنانے اور ہتیاروں کی جھنکار سُنائی دی اور نفیر کی تیز آوازوں کے ساتھ معلوم ہوا کہ سوار دھاوا کر رہے ہیں۔ ماتو کو ایسا معلوم ہوا کہ ایک سخت آندھی میں وہ چاروں طرف سے گھرا کھڑا ہے۔ اب طیش میں آکر اُس نے ہتیار اُٹھائے اور دوڑتا ہوا خیمے سے باہر آیا۔

دیکھا کہ وحشی مستاجروں کی بڑی بڑی لمبی صفیں دوڑتی ہوئی پہاڑوں سے اُترتی ہیں۔ اور قرطاجنہ کے نیزہ برداروں کے نیے تنکس اُن کے مقابلے کو بڑھتے ہیں۔ آفتاب نے بلند ہو کر کہر کو پھاڑ کر اُس کے چھوٹے چھوٹے بادل بنائے۔ جب یہ بادل ہٹے تو بیرق اور جھنڈے، لوہے کے خود اور برچھوں کے پھل نظر آئے۔ فوجوں کے جلد جلد گردش کرنے میں زمین کے وہ حصے جو تاریکی میں تھے اپنی جگہ بدلتے دکھائی دئے۔ باقی مقامات پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو سیلاب، ایک ایک طرف سے دوسرا دوسری طرف سے آکر ٹکرائے ہیں۔ اور بیچ میں کانٹوں کی جھاڑیاں قائم ہیں۔ ماتو کھڑا فوجی افسروں، سپاہیوں، ترپچیوں، یہاں تک کہ اُن نوکروں کو جو سپاہ کی خدمت کے لئے پیچھے گدھوں پر سوار آرہے تھے پہچان رہا تھا لیکن اُس نے نرہیوا اس کو دیکھا کہ وہ بجائے اپنی جگہ قائم رہنے کے دفعتاً دائیں ہاتھ کو مڑا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ حملہ کار کی فوج اُسے غارت کر دے۔

نرہیوا اس کے سواروں کے دستے ہاتھیوں کی طرف سے نکلے۔ ہاتھیوں کی رفتار اس وقت سُست تھی۔ ان سواروں نے اپنے بے لگام گھوڑے

ایسے سرپٹ ڈالے کہ اُن کی گردنیں تنی تھیں اور پیٹ زمین سے لگ جاتے تھے۔ اَب نرہیواس نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ وہ قرطاجنی فوج کے ایک پہریدار کے سامنے چلتے چلتے رُکا۔ اور فوراً اپنی تلوار اپنا برچھا اور رجاولن غرض جس قدر ہتیار لگائے تھا ایک ایک کرکے اس پہریدار کے سامنے زمین پر اُتار پھینکے۔ اور خود قرطاجنیوں میں پہونچ غائب ہوگیا۔

غرض نومیدیا کا یہ بادشاہ نرہیواس جس وقت ہملکار کے خیمے کے پاس آیا تو اُس نے اپنے سواروں کو اشارہ کیا کہ وہ کسی قدر فاصلے سے کھڑے ہو جائیں۔ نرہیواس ہملکار سے کہنے لگا۔

"بارقہ میں یہ فوج آپ کی خدمت کیلیے لایا ہوں"۔

اتنا کہکر نرہیواس اقبالِ اطاعت کی غرض سے ہملکار کے سامنے زمین بوس ہوا۔ اور اپنی خیرخواہی جتانے کے لیے جنگ کی ابتدا سے اِسوقت تک جو طور طریقے اُسکے رہے تھے بیان کرنے لگا۔

ہملکار سے کہنے لگا "سب سے پہلی بات میں نے یہ کی کہ مستاجروں کو قرطاجنہ کے محاصرے اور قیدیوں کے قتل سے روکے رکھا جس وقت ماتو کو عتیقہ پر شکست ہوئی تو مستاجروں کی اس فتح کے بعد اُس نے اُن کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ یہ ہے صوری شہر تو وہ اُس کی سرحد پر تھے۔ سب سے اخیر بات میں نے یہ کی کہ جنگ ماکار میں شریک نہیں ہوا۔ بلکہ اِس موقع پر صرف اس غرض سے غیرحاضر ہوگیا کہ آپ سے لڑنا نہ پڑے"۔

خُلاصہ یہ کہ نرہیواس کا قصد تھا کہ قرطاجنی صوبہ جات پر عمل دخل کرکے اُن سے دولت گھسیٹے۔ مستاجروں کا ساتھ دینا یا اُن کا ساتھ چھوڑنا اس بات پر موقوف رکھا کہ فتح کس کی ہوگی۔ لیکن اب یہ دیکھ کر کہ انجام کار میں ہملکار سب پر

زبردست ثابت ہوگا۔ وہ ہملکار کے پاس چلا آیا۔ ممکن ہے کہ ماتو سے اسکی دشمنی مستاجروں سے اسکی علیحدگی کی وجہ ہوتی ہو۔ اور ماتو سے اُس کی دشمنی اور نفرت کی وجہ یہ ہے کہ مستاجروں نے ماتو کو اپنے لشکر کی سپاہ سالاری دی تھی۔ ممکن ہے کہ سلامبو سے ماتو کا عشق اس عداوت کا باعث ہوا ہو۔

نرہیواس جو کچھ کہتا تھا ہملکار خاموش سنتا رہا۔ بیچ میں مطلق نہ بولا۔ ایسے لشکروں میں سے ایک شخص کا آنا جن سے سوائے انتقام کے کسی بات کی توقع نہ تھی۔ پھر ایسے شخص کی امداد کو نظرِ تحقیر سے دیکھنا ہملکار نے خلافِ مصلحت سمجھا۔ اور اُس نے اس طرح نرہیواس کے ہملکار کی مدد کو چلے آنے کو اپنے حق میں نہایت بکار آمد اور مفید سمجھا۔ اور وہ سوچنے لگا کہ اس مصالحت سے جو منصوبے اُس نے آئندہ کیلئے سوچے ہیں اُن میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ کیونکہ نومیدیوں کی مدد سے لبیہ والوں سے گلو خلاصی ہوگی۔ اور نیز مغرب کے لوگوں کو وہ آئی بیریا کی طرف رجوع کر سکے گا۔ غرض بغیر اس اعتراض کے کہ نرہیواس نے ہملکار کے پاس آنے میں اتنا التوا کیوں کیا؟ یا جو کچھ اُس نے بیان کیا تھا اس میں کسی بات پر حرف گیری کرے، ہملکار بڑھا اور اُس نے نرہیواس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور اسکو تین مرتبہ اپنے سینے سے لگایا۔

جب حالت بالکل ہی نا اُمیدی کی ہو گئی تو اس حالت سے کسی طرح نجات پانیکی غرض سے ہملکار نے مجبور ہو کر لبیہ والوں کے لشکر گاہ میں آگ لگا دی۔ اسوقت نرہیواس کے رسالوں کا اُسکی امداد کو آنا گویا خداؤں کی طرف سے امدادِ غیبی تھا۔

ہملکار نے اِس موقع پر اپنی مسرت کو چھپانے کے لئے نرہیواس سے کہا۔ "تعلیم، تیرے ساتھ بھلائی کریں۔ مجھے علم نہیں کہ قرطاجنہ کی ریاست تیرے ساتھ کیا سلوک کرے، لیکن ہملکار کو تو احسان فراموش نہ پائیگا"

اب غل بڑھا۔ اِس اثنا میں بعض فوجی سردار آئے۔ ہملکار فوجوں کو مسلح کر کے اپنے

قصد کو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا: "نرہیواس تم واپس جاؤ، متاجروں کی پیدل فوج کو تم اپنی مرکب سوار فوج سے غارت کر سکتے ہو۔ یہ پیدل فوج اسوقت میرے اور تمہارے ہاتھیوں کی صفوں کے بیچ میں ہے۔ ہمت سے کام لو، اور دشمن کو امان ہرگز نہ دو۔"

نرہیواس ہملکار کا یہ حکم سنکر جانے کو تھا کہ سلامبو نمودار ہوئی۔

جلد گھوڑے سے کود کر زمین پر آئی۔ اور اپنی قبا کھول کر اور ہاتھوں کو پھیلا کر اُس نے زائمف سب کو دکھایا۔

ہملکار کے چمڑے کے خیمے کی دیواریں اُٹھی تھیں اور وہاں سے تمام پہاڑ کی کیفیت نظر آتی تھی۔ پہاڑ پر فوجیں اس کثرت سے تھیں کہ پہاڑ اُن میں چھپ گیا تھا۔ چونکہ یہ پہاڑ بیچ میں واقع تھا اس لئے پہاڑ پر جسقدر فوجیں تھیں وہ سلامبو کو دیکھ رہی تھیں۔ اب ایک شور ہوا۔ اُمید و فتح کے نعرے بلند ہوئے۔ جو فوجیں چل رہی تھیں وہ ٹھہر گئیں۔ جو سپاہی جاں بلب زمین پر پڑے تھے وہ کہنیوں پر سر رکھے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ سلامبو کے لئے دعائیں اُن کی زبان پر تھیں۔ اسوقت متاجروں کو بھی اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ سلامبو زائمف اُن کے لشکر سے واپس لے گئی ہے۔ یا اُنہوں نے بچشم خود زائمف اس کو لے جاتے دیکھا تھا یا وہ اس خیال میں ہیں کہ اُنہوں نے دُور سے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ اب غصے اور انتقام کی آوازیں قرطاجنی نعرہ ہائے مسرت سے بھی اُونچی سُنائی دیں۔ غرض اس طرح پانچوں لشکر جو پہاڑ پر یا اُسکے گرد موجود تھے سلامبو کے چاروں طرف غل اور شور مچاتے تھے۔

اس غل میں ہملکار کو بات کرنی دُشوار تھی۔ اُس نے سلامبو کے شکریے میں اپنا سر ہلایا۔ ہملکار کی نظر کبھی بیٹی پر اور کبھی زائمف کی طرف پڑتی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ سلامبو کے پاؤں میں جو زنجیر سونے کی پڑی تھی وہ ٹوٹی ہے۔ یہ دیکھکر بیٹی کی طرف سے نہایت تکلیف دہ بدگمانی پیدا ہوئی۔ چہرہ سُرخ ہو گیا۔ لیکن پھر طبیعت کو سنبھال کر اُس نے بغیر سر ہلائے

کن انکھیوں سے نرہیواس کی طرف دیکھا۔

نرہیواس بادشاہ نمودیا اس وقت کچھ دُور فکرمند کھڑا تھا۔ اُسکی پیشانی سے وہ خاک جو ہملکار کے سامنے زمین بوس ہونے میں لگی تھی پوری جھڑی نہ تھی۔ آخر کار ہملکار اُسکی طرف بڑھا اور نہایت متین لہجے میں اُس سے کہا۔

"تمہاری خدمات کے صلے میں جو تم نے میری کی ہیں میں نرہیواس تم کو اپنی بیٹی دیتا ہوں۔ تم میرے فرزند بنو اور باپ کی مدد کرو۔"

نرہیواس کو اتنا سنتے ہی سخت حیرت اور تعجب ہوا۔ اور اُس نے ہملکار کا ہاتھ پکڑ کر اسکو بار بار بوسہ دیا۔

سلامبو خاموش بُت بنی کھڑی رہی۔ اور سمجھی نہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہلکی سی سُرخی چہرے پر آئی اور پپوٹے آنکھوں پر اتر آئے اور بڑی بڑی پلکوں کا سایہ رُخساروں پر پڑنے لگا۔

ہملکار نے چاہا کہ ابتدائی مراسم عقد دونوں کے فوراً کر دیئے جائیں تاکہ آئندہ انکی شادی یقینی ہو جائے۔ ایک برچھا سلامبو کے ہاتھ میں دیا گیا اور یہی برچھا سلامبو نے نرہیواس کو دیا۔ دونوں کے ہاتھوں کے انگوٹھے بیل کے ایک تسمے سے باندھے گئے اور پھر گیہوں کے دانے دونوں کے سروں پر ڈالے گئے۔ یہ دانے زمین پر اس طرح گرے جیسے بارش کے قطرے گریں اور انکی آواز ہو۔

باب (۱۲)

اُونچی محرابوں والی نہر

بارہ گھنٹے کے بعد مستاجروں کے لشکر میں سوائے مُردوں، زخمیوں اور دم توڑتے سپاہیوں کے انباروں اور ڈھیروں کے کچھ باقی نہ رہا۔

ہملکار جب ایک نالے کے نشیب میں اپنا لشکر لئے پڑا تھا تو اُسکے لشکر کی حالت خراب ہوئی کہ وہ مجبور ہو کر اس نشیب سے نکل کر پہاڑ کے ڈھالوں سے جو بزرتہ کے سامنے پڑتے تھے نیچے اُترا۔ یہاں چونکہ میدان وسیع اور ناہموار تھا۔ اُس نے بڑی ترکیب سے مستاجروں کو مجبور کیا کہ کسی طرح وہ کھلے میدان میں چلے آئیں۔ نرہیوا نے اپنی مرکب سوار فوج سے مستاجروں کو گھیر لیا۔ اُدھر ہملکار نے جو مستاجر اُسکے سامنے تھے اُن کو نرہیوا کے رسالوں کی طرف ہانکا۔ اور ان رسالوں نے مستاجروں کو قتل اور غارت کرنا شروع کیا۔ زائمف کے ہاتھ سے نکل جانے سے مستاجروں کی ہمت پست ہو چلی تھی کیونکہ ایسے لوگ بھی جن کو تانیت کے پیرہن کی مطلق پروا نہ تھی ان کو بھی زائمف کے لشکر میں نہ ہونے سے ایک قسم کی تکلیف تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اب اُنکی قوت میں ضُعف آچلا ہے۔ ہملکار کو اس امر پر کچھ اطمینان نہ ہوا کہ میدان پر اس کا قبضہ ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ بائیں ہاتھ کو پہاڑیوں پر چڑھ گیا اور اس طرح مستاجروں

کی تمام فوجوں کو اپنی زد میں لے آیا۔

پہاڑ کی ڈھال پر مستاجروں کے مختلف لشکرگاہوں کی حدود ان کے مختلف قسم کے احاطوں سے واضح تھیں۔ ان میں ایک بڑا قطعہ جلا بھلسا سیاہ راکھ کا نظر آتا تھا۔ یہ مقام وہ تھا جہاں لبیہ والوں کا پڑاؤ تھا۔ ہوا کے جھونکوں نے اس سیاہ راکھ پر سمندر کی موجوں کا سا لہریا بنا دیا تھا۔ ڈیرے تمبو اور ان کے پھٹے ٹکڑے اس شکل میں نظر آتے تھے جیسے کالے چٹانوں میں جہاز غارت ہوئے ہوں۔ مقتولوں کی لاشوں کے ساتھ جوشن اور چار آئینے۔ لوہے کے خار، صور اور نفیر، گھاس پھونس، پھٹے کپڑے، پیتل لوہے اور لکڑیوں کے ٹکڑے ہر طرف بکھرے پڑے تھے۔ کہیں کہیں سامان کے پاس کوئی مشعل جل کر بجھنے کو تھی۔ بہت سے مقام ایسے تھے جہاں زمین سپروں اور ڈھالوں سے ڈھکی تھی۔ گھوڑوں کی لاشیں ٹیلوں کا ایک سلسلہ معلوم ہوتی تھیں۔ کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں ٹانگیں جوتیاں زرہ کے کرتے۔ سپاہیوں کے سر تن سے جدا جن پر ابھی تک لوہے کے خود تسموں سے بندھے تھے میدان میں گیندیں سی پڑی معلوم ہوتے تھے، سروں کے بال نچے ہوئے جھاڑیوں کے کانٹوں پر الجھے تھے۔ زخمی ہاتھی پیٹ کی آنتیں باہر نکلی، کمر پر عماریاں اور ہودج ابھی تک بندھے خون کے چھتروں میں پڑے جان توڑتے تھے۔ چلتے میں پاؤں چپکی چیزوں پر پڑتے تھے۔ جگہ جگہ کیچڑ تھی۔ حالانکہ بارش بالکل نہیں ہوئی تھی۔

لاشوں کی وہ کثرت تھی کہ سارا پہاڑ جڑ سے لیکر چوٹی تک ان میں چھپا تھا۔ جو زندہ تھے وہ مردوں میں بے حس و حرکت پڑے تھے۔ لاشوں کے ڈھیر میں پڑے ان کی زبان خوف سے بند تھی۔ مگر آنکھیں ایک دوسرے کو تکتی تھیں۔ ڈوبتے سورج کی روشنی میں ہزرتہ کی جھیل بڑی چمکتی تھی۔ جھیل کی دائیں طرف شہر پناہ کی دیواریں تھیں۔ دیواروں کے اندر اونچے اونچے سپید سپید مکان بکثرت تھے۔

ان کے بعد سمندر بے اندازہ فاصلے پر پڑا موجیں مار رہا تھا۔ مستاجر وحشی ہاتھوں پر ٹھوڑیاں رکھے یادِ وطن میں بے اختیار آہیں بھرتے۔ بھوری بھوری ریت کا بادل زمین پر بیٹھ رہا تھا۔

اب شام کو ہلکی ہلکی ہوا چلی۔ زندوں کے سینے اُبھرنے لگے۔ جب خُنکی بڑھی تو مُردے سرد ہوئے۔ مُردہ خور جانور لاشوں کو کھاتے کھاتے چھوڑ کر دور گرم ریت پر جاتے دکھائی دیئے۔ چیلیں اور گِدھ جو کالے کالے چٹانوں پر دم سادھے بیٹھے تھے زخمیوں کو تکتے تھے کہ کب اُن کی جان نکلے اور انکے کھانے کو نیچے اُتریں۔

رات ہوتے ہی زرد بالوں والے گریہہ اور ناپاک کتے جو لشکروں کے پیچھے پیچھے چلا کرتے ہیں چُپ چاپ مستاجروں میں نمودار ہوئے۔ پہلے انہوں نے زخمیوں کے کٹے ہاتھ پاؤں کے جوڑوں کو جہاں خون جم گیا تھا اور جو ابھی تک ٹھنڈے نہ ہوئے تھے چاٹا۔ پھر لاشوں کے پیٹ پھاڑ پھاڑ کر ان کو کھانا شروع کیا۔

جو سپاہی میدان سے بھاگے تھے وہ بھوت پریت کی طرح ایک ایک کر کے آنے لگے۔ عورتیں بھی ہمت کر کے واپس آئیں۔ گو نومیدیوں نے عورتوں میں بڑا کُشت و خون کیا تھا۔ پھر بھی کچھ عورتیں زندہ بچ گئی تھیں۔ اُن میں خاصکر لبیہ والوں کی عورتیں تھیں۔

کسی کسی نے رسیوں کے سرے جلا کر اُن سے مشعلوں کا کام لیا۔ کچھ عورتوں نے بلم اور برچھے اپنے کندھوں پر آڑے ترچھے رکھ کر لاشوں کو اُٹھا اُٹھا کر اُن پر رکھنے میں مصروف ہوئیں۔

لاشوں میں سب کے مُنہ کُھلے تھے۔ برچھے بلم اُن کے پہلو میں پڑے تھے۔ یہ لاشیں یا تو سیدھی قطاروں میں زمین پر پڑی تھیں یا اُن کے ڈھیر لگے تھے۔ اور یہ ڈھیر کچھ ایسے تھے کہ اگر کسی لاش کو تلاش کرنا ہو تو پورے ڈھیر کو کُریدنا پڑتا تھا۔ ایک ایک چہرے کے

قریب مشعل لائی جاتی تھی۔ طرح طرح کے گہرے زخم دیکھنے میں آتے جو بڑے تیز اور وزنی ہتیاروں سے پہونچائے گئے تھے۔ کسی لاش کے ماتھے پر سر کی کھال لٹکی تھی۔ بعض لاشیں ایسی تھیں جن کے ٹکڑوں میں کوئی کہیں ملتا کوئی کہیں۔ ہڈیاں پسلیاں بلکہ ہڈیوں کا گودا تک پسا کچلا تھا۔ بعض لاشیں گلا گھونٹ کر مارنے سے نیلی پڑی تھیں۔ یہ مُردے وہ تھے جن کو ہاتھیوں نے اپنی کچلیوں سے پھاڑ کر پاؤں میں روندا اور کچلا تھا۔ گو یہاں جس قدر لاشیں سپاہیوں کی تھیں وہ سب ایک ہی وقت میں مرے تھے مگر سڑنے اُبسنے میں سب کی حالت مختلف تھی۔ شمال کے رہنے والوں کی لاشیں سوجی اور پھولی تھیں۔ رنگت اُن کی سُرخ تھی اور تمام جسم پر ورم معلوم ہوتا تھا۔ افریقی جو ویسے ہی دُبلے سوکھے ہوتے تھے مرتے پر اُن کے مُردے سوکھی دُھواں کھائی لکڑی معلوم ہوتے تھے۔ یہ لاشیں سوکھ چلی تھیں۔ متاجروں کی پہچان یہ تھی کہ اُن کے ہاتھوں پر مختلف قسم کے نشان گُدے تھے۔ پُرانے لڑنے والے جو شامی بادشاہوں میں انیٹی اوکس کے ساتھ ہو کر لڑے تھے اُن کے ہاتھ پر ایک شکرے کی تصویر گُدی تھی۔ اسی طرح جنہوں نے ملک مصر میں لڑائیاں لڑی تھیں اُن کے بازوؤں پر سور کے سر کی تصویر تھی۔ اور وہ جو ایشیا کے بادشاہوں کے تنخواہ دار سپاہی بنکر لڑے تھے اُن کے ہاتھوں پر تبر یا انار یا ایک موگری کا نقش گُدا تھا۔ اور وہ متاجر جو یونان کی جمہوری ریاستوں کی طرف سے میدانِ کارزار میں اترے تھے اُن کے ہاتھوں پر کسی قلعہ کا نقش یا کسی ارخون کا نام گُدا تھا۔ بعض لاشیں ایسی بھی تھیں جن پر مختلف قسم کے نقش پُرانے زخموں کے داغوں اور نئے زخموں کے بیچ میں گُدے نظر آتے تھے۔

لاطینی نسل کی قوموں میں تمنی، ایترسکی، کمپانی، بروتی قوموں کی لاشوں کو جلانے کیلئے چار بڑے بڑے چتا چُنے گئے۔

یونانیوں نے اپنے مُردے دفن کرنے کے لئے اپنی اپنی تلواروں سے گڑھے

کھودے۔ اسپارٹا والوں نے اپنے سُرخ خفتان اُتار کر مُردوں کو ان میں لپیٹا۔ ایتھنز والوں نے گڑھوں میں مُردے اُتارنے کے بعد اُن کے مُنہ مشرق کی طرف کر دیئے۔ قبطا بریوں نے اپنے مُردے سنگریزوں کے ڈھیروں میں دبائے۔ نسامونیوں نے اپنے مُردے دوہرے کر کے بیل کے چمڑے کے تسموں میں دفن کرتے وقت کس کر باندھے۔ گرامانتی اپنے مُردوں کو اُٹھا کر سمندر کے کنارے دفن کرنے لے گئے تاکہ اُن کی ہڈیوں پر سمندر کی موجیں ہمیشہ بہتی رہیں۔ لاطینی قوم والوں کو اس کا افسوس رہا کہ وہ اپنے مُردوں کی راکھ کو خوبصورت ظروف میں بند کر کے محفوظ نہ کر سکے۔ صحرا نشین قوموں کو اس کا رنج تھا کہ وہ اپنے مُردوں کو گرم ریت میں نہ دفن کر سکے جس سے مُردے ممی بن جاتے۔ قوم کلٹ کے آدمیوں کو اس کا قلق تھا کہ وہ اپنے مُردوں کو مینہ برستے آسمان کے نیچے کسی ایسی خلیج کے کنارے جس کے سامنے بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹاپو اور جزیرے ہوتے، دفن نہ کر سکے اور اُن کی قبروں پر تین بن گھڑے پتھر نصب نہ کر سکے۔

اب یکایک بڑے زور کی چیخیں سُنائی دیں پھر بالکل خاموشی ہو گئی۔ یہ چیخیں اِس غرض سے تھیں کہ مُردوں کی رُوحیں جو اس وقت مُفارقت کر رہی ہیں وہ واپس آجائیں۔ خاموشی کے بعد پھر یکلخت چیخوں کا شور ہوا۔ اور اسی طرح کبھی شور اور کبھی سکوت ہوتا رہا۔

مُردوں سے معذرت کی گئی کہ دُنیا سے کوچ کرنے کے وقت افسوس ہے کہ مراسم مقررہ کے مطابق اُن کی عزت نہ کی جا سکی۔ اور اس نقص کی وجہ سے اُن کی رُوحوں کو یہ سزا ملے گی کہ وہ ایک مُدت تک دُنیا میں بھٹکتی پھریں اور طرح طرح کے حوادث اور اتفاقات اُن کو پیش آتے رہیں۔ اور طرح طرح کے قالب بدل کر وہ ظاہر ہوتی رہیں۔ مُردوں سے پوچھا گیا کہ اُن کو کسی چیز کی ضرورت تو نہ ہو گی۔ بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے

دُنیا میں شکست کھانے پر انکو سخت دُرست کہا۔

چتا میں جب آگ دی گئی تو اُس کی روشنی میں بہت سے ایسے چہرے جن میں نام کو خُون نہ تھا ہتیاروں کے انبار میں اُوپر کو اُٹھے نظر آئے۔

ایک کے آنسو نکلتے دیکھ کر دوسرے کی آنکھوں میں آنسو آئے۔ جب رونا پیٹنا خوب بڑھا تو وارث اپنے مُردے پہچان کر اُن کو پیٹنے لگے۔ یہ منظر بڑا دردناک تھا۔ عورتیں اپنے شوہروں کی لاش پر گریں اور اُن کو لپٹ گئیں۔ لبے لب اور پیشانی سے پیشانی ملائی۔ جب قبروں میں مٹی ڈالنے لگے تو عورتوں کو گھسیٹ کر وہاں سے ہٹایا۔ عورتوں نے اپنے چہرے سیاہ کیے۔ سر کے بال کاٹے اپنا خُون نکال کر قبروں میں ٹپکایا۔ جہاں جہاں اُن کے مردوں کے جسم پر زخم آئے تھے وہیں اپنے جسم پر زخم ڈالے۔ چھانج کے شور میں غیظ و غضب اور ماتم کا غل ہوا بعض نے اپنے گلوں کے تعویذ نوچ کر اُن پر تھوکا۔ جو زخمی ایسے تھے کہ اُنکی جان ابھی تک نہیں نکلی تھی، وہ خُون اور کیچڑ میں لوٹتے تھے۔ اپنی زخمی ہتیلیوں کو دانتوں سے کاٹتے تھے۔ سمنی قوم کے تینتالیس جوانوں نے آپس میں مشورہ کر کے ایک نے دوسرے کو اس طرح قتل کر ڈالا جیسے روما کے تماشہ گاہ میں شمشیر باز ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔

مُردے جلانے کو لکڑیاں اب ختم ہو گئیں۔ شُعلے اب ٹھنڈے ہوئے۔ زمین قبروں کے لئے باقی نہ رہی۔ کوئی مقام ایسا نہ تھا جہاں مُردے دفن نہ ہوں۔ جو مُردوں کے پاس کھڑے روتے تھے جب وہ روتے روتے اور پیٹتے پیٹتے تھک گئے تو زندوں پر تھکن سے نیند غالب ہوئی۔ سب وہیں مُردوں کے پاس لیٹ کر سو گئے۔ وہ بھی جو فکروں میں گھرے زندہ رہنے کی قدر جانتے تھے اور وہ بھی جو چاہتے تھے کہ اب سو کر پھر نہ اُٹھیں۔

صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی چند سپاہی جہاں پہلے متاجروں کا لشکر گاہ تھا اسکے کنارے جاتے نظر آئے۔ انہوں نے اپنے سروں سے خود اتار لیے برچھوں پر اونچے کر رکھے تھے۔ جب وہ متاجروں کے قریب سے گذرے تو انہوں نے پکار کر انکو سلام کیا اور کہا کہ اگر وطن کچھ کہلا بھیجنا ہو تو کہدو۔

اس کے بعد اور سپاہی اُدھر سے گذرے۔ ان میں سے بعض کو متاجروں نے پہچانا بھی۔

واقعہ یہ تھا کہ ہملکار نے جتنے اسیران جنگ تھے اُن کو موقع دیا تھا کہ وہ اس کے لشکر کے ہمراہ ہو کر اس کی خدمت کر سکتے ہیں۔ بعض نے اس بات سے قطعی انکار کیا۔ چونکہ ہملکار نے ان متاجروں کے مصارف برداشت کرنے گوارا نہ کئے اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ اُن کو مجلس قرطاجنہ کے حوالے کرے کیونکہ وہ ان کو سخت اذیت دے کر جان سے مارنے کا حکم دیتی۔ اس لئے اُس نے ان متاجروں کو جنہوں نے اس کی خدمت سے انکار کیا تھا حکم دیا کہ وہ اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔ اور یہ کہ پھر کبھی وہ قرطاجنہ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوں جنکو سمجھا کہ تعذیب کے خوف سے وہ کام کے آدمی بن جائیں گے اُن کو ہملکار نے ہتیار دئے اور یہ ہتیار وہی تھے جو لڑائی میں دشمنوں سے چھینے تھے۔ غرض یہی مسلح لوگ تھے جو متاجروں کے پاس آتے تھے۔ آنے سے اُن کی غرض یہ نہ تھی کہ جن متاجروں سے انہوں نے بات کی تھی اُن کو ہملکار کا خدمتگذار بنائیں، بلکہ وہ محض نمود اور اپنے مفتوحہ بھائیوں کی حالت کا اندازہ کرنے ادھر آنکلے تھے۔

سب سے پہلے ان سپاہیوں نے اس لطف و کرم کا ذکر کیا جو ہملکار نے اُن پر کیا تھا۔ متاجر سُنتے تھے اور اُن پرانے ساتھیوں کی حالت پر رشک کرتے

تھے مگر دل میں اُن سے نفرت کرتے اور اُن کو نامرد اور بزدل سمجھتے تھے۔ جب مستاجروں نے اُن کو سخت و سست کہا تو کچھ دور جا کر وہ اپنی تلواریں اور زرہیں دکھانے لگے اور کہا کہ تم ہماری توہین کرتے ہو۔ اگر ایسا ہی ہے تو آؤ لڑو۔ اتنا سنکر مستاجروں نے پتھر مارنے کو اُٹھائے۔ اتنا دیکھکر وہ سب بھاگے۔ اور اب پہاڑ پر لکڑیوں کی باڑھوں میں سوائے برچھوں اور تیروں کے پھلوں کے وہاں دوسری چیز نہ دکھائی دیتی تھی۔

اب مستاجروں میں ایک تشویش اور اضطراب پیدا ہوا۔ جو شکست کی ذلت و ندامت سے بھی زیادہ سخت تھا۔ اب وہ اپنی شکست پر شرمندہ و خجل ہونے شروع ہوئے۔ نگاہیں آگے جمائے خاموش کھڑے دانت پیستے تھے۔

ہر شخص کے دل میں ایک ہی خیال آیا۔ اور سب مل کر ان قرطاجنی اسیروں کی طرف دوڑے جن میں قرطاجنہ کے بعض عمائد اور قدما تھے اور جنگ کے شروع زمانے میں اُن کو مستاجروں نے قید کر لیا تھا۔ اتفاق یہ کہ ہملکار کے سپاہیوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ قیدی کہاں ہیں جسوقت ہملکار فتح پاکر میدان سے ہٹا ہے تو یہ اسیر اُسی گڑھے میں جہاں شروع میں ڈالے گئے تھے ابتک اسیر تھے۔

مستاجر آئے اور ان قیدیوں کو گڑھے سے نکال کر ایک ہموار جگہ پر لاتے اور پہرے والوں کا ایک دستہ اُن کے گرد کھڑا کیا۔ اب عورتوں کو اجازت ملی کہ وہ بیس بیس تیس تیس کے غول میں ان قیدیوں میں جائیں۔ مگر وقت ان کو کم دیا گیا۔ اس کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ہلاکت اور خونریزی کے شوق میں وہ حیران تھیں کہ قیدیوں کو کیونکر ہلاک کریں۔ عورتیں غصہ اور جوش میں سر سے پاؤں تک کانپتی تھیں۔ غرض وہ ان مصیبت کے مارے قیدیوں پر جھپٹیں اور ڈنڈوں سے اس طرح ان غریبوں کو کوٹنا شروع کیا جیسے دھوبن کپڑے دھونے میں

کپڑوں کو کوٹتی ہیں۔ ہر ضرب پر اپنے مقتول خاوندوں کا نام لیتی گئیں۔ کسی نے ناخنوں سے قیدیوں کی کھال نوچی۔ کسی نے اپنے بالوں میں سے سوئیاں نکال کر ان بے بس قیدیوں کی آنکھوں میں بھونک کر اُن کے دیدے ختم کئے۔ عورتوں کے بعد مرد ان قیدیوں میں آئے۔ اُنہوں نے ہر قیدی کو اُس کے پاؤں سے لیکر چہرے تک زخمی کیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر اذیت ناپاک چیزوں کے کھانے والوں نے اس طرح پہونچائی کہ قیدیوں کے زخموں پر سرکہ چھڑکا۔ ان میں ٹھیکریاں اور کنکر بھرے کہ تکلیف بڑھے۔ ان کے بعد اور مرد ان اسیروں کو آزار پہونچانے کے لئے مستعد کھڑے تھے۔ اور جب اُن کے جسم سے خون بہتا دیکھتے تو اس طرح خوش ہوتے جیسے کہ تاکستانوں میں خوشہ چیں شیرۂ انگور کے حوضوں کو چھلکتے دیکھکر خوش ہوتے ہیں۔

ماتو اس اثنا میں جہاں لڑائی کے ختم ہونیکے وقت بیٹھا تھا وہیں کہنیاں گھٹنوں پر رکھے اور ہاتھوں سے کن پٹیاں پکڑے بیٹھا رہا۔ حالت یہ تھی کہ نہ وہ کچھ سنتا تھا نہ دیکھتا تھا بلکہ دماغ بھی کچھ سوچنے یا خیال کرنے کی قوت سے عاری تھا۔

جب فاتحوں میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے تو ماتو نے سر اُٹھایا۔ سامنے بہت سے ٹوکرے ٹوکریاں اور انکے غلاف پڑے تھے اور ایک شیر کی کھال بھی انہی میں تھی۔ یہ سب چیزیں ایک کرمچ کے ٹکڑے کے سایہ میں تھیں جو خیمہ کی چوب میں اٹک لگا تھا۔ ماتو نے اپنا خیمہ پہچانا اور زمین پر اس طرح منظر ڈالی گویا سلامبو وہیں کہیں زمین میں غائب ہو گئی ہے۔

کرمچ کا پھٹا ٹکڑا ہوا سے اُڑتا اور چوب سے لگ کر پھٹ پھٹ کرتا تھا۔ کبھی وہی کپڑا اُسکی آنکھوں کے سامنے اُڑتا ہوا آجاتا۔ اتفاق سے ماتو کی نظر اس کپڑے پر

ایک سرخ نشان پر پڑی۔ یہ نشان کسی کی ہتیلی کا تھا۔ یاد آیا کہ یہ نقش نرہیوا س کے ہاتھ کا ہے۔ اور وہ اُس وقت کیا گیا تھا جبکہ اُس میں اور ماتو میں دوستی کا عہد و پیمان ہوا تھا۔ ماتو نے ایک جلتا چیلا اُٹھا کر اپنے خیمے اور جو چیزیں اُس کی باقی بچی تھیں اُن پر پھینکا۔ شعلے اُٹھے۔ اس خیال سے کہ کوئی چیز باقی نہ رہے جوتے کی نوک سے جو چیز سامنے آئی اُسے ٹھکرا کر شعلوں میں پہونچا دیا۔

دفعتاً اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ صورت کدھر سے آئی) اسپندیوس نمودار ہوا اس فراری غلام نے ایک برچھے کے دو ٹکڑے کر کے اپنی ران پر باندھ رکھے تھے، نہایت تکلیف کا چہرہ بنائے لنگڑاتا قدم قدم پر ہائے ہائے کرتا آیا۔

ماتو نے دیکھتے ہی کہا "ان لکڑیوں کو اپنی ران پر سے اُتار دے۔ مجھے تیری جوانمردی اور بہادری کا حال خوب معلوم ہے" اسپندیوس اس وقت خداؤں کی بے انصافی سے اسقدر بیزار تھا کہ کسی انسان سے خفا یا ناراض ہونے کی ہمت نہ تھی۔ اسپندیوس نے ماتو کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ اور اس کی ایک نیچی پہاڑی کی چوٹی پر لے گیا۔ یہاں ایک غار میں دونوں داخل ہوئے دیکھا تو زارازاس اور اتارتیوس بھی وہاں موجود ہیں۔

اسپندیوس کی طرح یہ دونوں بھی لڑائی سے بھاگ کر یہاں آچھپے تھے۔ گو ان دونوں میں ایک ظلم و سفاکی میں طاق اور دوسرا گو ہمت رکھتا تھا مگر دونوں میدانِ جنگ سے فرار ہوئے تھے۔ یہ دونوں بولے "کس کو علم تھا کہ نرہیوا س عین وقت پر اس طرح دغا دیگا۔ اور لبیہ والوں کے لشکر میں آگ لگا دی جائیگی۔ زاعمف ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور ہملکار اس طرح یکلخت حملہ کر بیٹھے گا۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اس وقت کشت و خون سے قبل وہ حربی چالیں اور ترکیبیں کیا تھیں جو قرطاجنی چلنے والے تھے اور جس کی وجہ سے ہم کو پہاڑی کی چوٹی پر

اِس غار میں بھاگ کر پناہ لینی پڑی۔ اسپندیوس نے اپنے دل میں جو خوف تھا اُسے ظاہر نہ کیا۔ اور اسی پر اصرار کرتا رہا کہ اُس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اور سب اسکی بات کا یقین کریں۔

آخر کار یہ تینوں سردار اور شالی شیم آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ اب کیا تدبیر کرنی چاہیئے؟

قرطاجنہ کو جو سڑک جاتی ہے اُس کو ہملکار نے روک رکھا ہے۔ اور اس وقت ہم ہملکار کی فوجوں اور ترہیواس کے علاقوں کے بیچ میں گھر گئے ہیں صوبہ کے شہر جتنے ہیں وہ فاتحوں کے دوست بنکر اُن کا ساتھ دینگے۔ بس اب کچھ دنوں بعد یہی دیکھنے میں آئے گا کہ ہم سب سمندر کی طرف سے پُشت کئے کھڑے ہونگے اور ہملکار اور ترہیواس کی فوجیں مل کر ہم کو غارت کرتی ہونگی۔ آیندہ واقعات کی بھی یہی شکل پیدا ہونی ضروری ہے۔

بس کوئی صورت لڑائی سے بچنے کی نہیں ہے۔ اور ہر حال میں لڑائی لڑنی ہی پڑیگی۔ نتیجہ خواہ کیسا ہی مضر ہو۔ لیکن یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ ہمارے اس قدر آدمی جن کی ہمتیں پست ہو چکی ہیں اور جن کے زخموں سے ابھی خون بہنا بند نہیں ہوا ہے انکو ہم کیونکر اس بات کا یقین دلا سکیں گے کہ اب ایک دائمی جنگ و جدل کا رہنا ضروریات سے ہے۔

اسپندیوس بولا۔ "اس بات کا یقین کرا دینا میرے ذمے رکھو۔"

اِس گفتگو کے دو گھنٹے بعد ایک سوار ہزریتہ کی طرف سے پہاڑی پر تیزی سے چڑھتا نظر آیا۔ ہاتھ میں اُس کے چند تختیاں تھیں جن کو وہ بار بار دکھاتا تھا۔ اور چونکہ وہ زور زور سے پکارتا بھی تھا اسلئے متا جر اُسکے گرد جمع ہو گئے۔

یہ تختیاں جن پر کچھ لکھا بھی تھا یونانی سپاہیوں نے جو جزیرہ سردانیہ میں

جمع تھے بھجی تھیں۔ اُنہوں نے افریقہ میں جتنے دوست اُن کے تھے اُن کو لکھا تھا کہ وہ گسکو اور اس کے ساتھی قیدیوں پر نظر رکھیں۔ ایک شخص جزیرہ ساموس کا رہنے والا ہپوناکس نامی تجارت پیشہ اُس زمانے میں قرطاجنہ سے ہوتا ہوا یہاں آیا تھا۔ اس تاجر نے متاجروں کو خبر دی کہ ایک تدبیر ایسی سوچی جا رہی ہے کہ متاجر جلد فرار ہو کر اور یہ کہ متاجر جہاں تک ممکن ہو احتیاط کریں۔ جمہوری ریاست بہت زبردست ہے۔

شروع شروع میں اسپندیوس کو اپنی اس تدبیر میں جیسی کہ وہ توقع رکھتا تھا کامیابی نہیں ہوئی۔ بجائے اُسکے کہ متاجروں میں قرطاجنیوں کے خلاف کوئی غیظ و غضب پیدا ہوتا۔ ایک نئے خطرے کا یقین اُن کو ہو گیا اور وہ اُس سے ڈر گئے۔ اور ہملکار کی ہدایت جو حال میں اُس نے کی تھی سب کو یاد آ گئی اور اُن کو خیال ہوا کہ کوئی اور حادثہ حالتِ لاعلمی میں اُن پر گذرنے والا ہے۔ رات سب نے بڑی تشویش اور تکلیف میں گذاری۔ بہت سے ایسے تھے کہ اُنہوں نے اپنے ہتیار اُتار کر دُور رکھدئے تاکہ اگر ہملکار ادھر سے گذرے تو اُس سے رحم کی درخواست کریں۔

لیکن جب دن کا تیسرا پہر بجا تو ایک دوسرا قاصد اور بھی بدحواس دوڑتا ہوا اُن کے پاس آیا۔ سانس اُس کا چڑھا تھا اور سر سے پاؤں تک گرد میں آلودہ تھا۔ اسپندیوس نے اُس کے ہاتھ سے قرطاس کا ایک مُٹھا چھین لیا۔ ان کاغذوں پر فنیقی حروف میں کچھ عبارت لکھی تھی۔ مضمون میں نہایت عجز و لجاجت سے متاجروں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ناامید اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ تونس کے شہر میں وہاں کے نوجوانوں نے بڑی فوج تیار کی ہے اور وہ اُن کی مدد کو آ رہے ہیں۔

پہلے تو اس تحریر کو اسپندیوس نے تین بار پڑھ کر سب کو سنایا۔ پھر دو کپادوکی سپاہیوں نے اسپندیوس کو اپنے کندھوں پر اُونچا کیا اور اسی طرح لشکر کے مختلف

حصّوں میں اُسکو گشت کرایا۔ جس جس حصّۂ لشکر میں اسپندیوس اس تجویز کو پڑھکر سناتا تھا۔ غرض سات گھنٹے تک مسلسل وہ یہ تشہیر کرتا رہا۔

اسپندیوس نے متاجروں کو مجلس قرطاجنہ کے قول اور اقرار یاد دلائے۔ افریقہ کے لوگوں کو وہ مظالم یاد دلائے جو اُن کے حکام اُن پر کرتے رہے تھے۔ اور وحشی قوموں کو اُن بے انصافیوں پر متوجہ کیا جو ریاست اُن کے ساتھ کرتی رہی تھی۔ ہملکار کے لطف وکرم کو دھوکے کی ایک چال بنایا۔ جو لوگ ہم میں سے اُس کی اطاعت قبول کریں گے وہ غلام بناکر فروخت کر دیئے جائیں گے اور جو لڑائی کے بعد گرفتار ہوں گے اُن کو بڑے بڑے عذاب دے کر جان سے مارا جائیگا۔ رہی یہ بات کہ ہم کہیں بھاگ جائیں تو تم ہی بتاؤ کونسا راستہ ہمارے لئے کھلا ہے۔ کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی جو خوشی سے ہم کو اپنے پاس پناہ دے۔ لیکن برعکس اسکے اگر ہم لڑنے پر مستعد ہوئے تو کم سے کم آزاد تو ہو ہی جائیں گے۔ لڑنے میں آزادی، انتقام کشی اور حصولِ دولت کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اور ہم کو کچھ زیادہ انتظار کی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑیگی۔ جب ہم لڑنا شروع کرینگے تو تونس اور ملک لیبیہ کے تمام باشندے ہماری مدد کو دوڑ پڑینگے۔ اتنا کہکر اسپندیوس نے وہ قرطاس اُنکے سامنے کھولا اور کہا۔

" دیکھو اور پڑھو۔ یہ ہیں اُنکے وعدے۔ میں جھوٹ نہیں بک رہا ہوں"

کتے اپنی کالی کالی تھوتنیاں خون میں سُرخ کئے ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ جو لوگ ننگے سر تھے اُن کے سر دھوپ میں جلے جاتے تھے۔ لاشیں جو آدھی زمین میں اور آدھی زمین سے باہر تھیں اُن سے تعفن آ رہی تھی۔ بعض لاشیں ایسی تھیں جو کمر سے اُوپر زمین سے باہر تھیں۔ اسپندیوس نے اپنی تقریر میں ثبوت کیلئے ان لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور پھر مٹھیاں باندھ کر جدھر ہملکار تھا اُس

طرف دیکھا۔

ماتو اسپندیوس کی اس کیفیت کو دیکھ رہا تھا۔ اسپندیوس نے اپنی کمزوری اور بزدلی چھپانے کے لئے بڑے طیش و غضب کا ایسا اظہار کیا کہ آخر کار وہ اپنے آپے سے باہر ہو گیا۔ قرطاجنیوں پر لعن و طعن کی بھرمار کی۔ اپنی ہستی کو خداؤں پر قربان کر کے کہنے لگا:۔ "پھر کیوں ہم اُن کو نیست نابود نہ کر دیں۔ ہم کو اسیر کر کے درد و عذاب پہونچانا اُن کا ایک کھیل ہے۔ پھر کیوں ہم ان شریر اور بیکار مویشیوں کو کھیت ہی میں نہ قتل کر دیں۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم اُن کو دُنیا سے نیست و نابود کر دیں۔ ہمیں غارت کرنے کے لئے جو تدبیریں انہوں نے سوچی ہیں وہ ہم کو معلوم ہو گئی ہیں۔ اگر اُن کی ایک تدبیر بھی چل گئی تو بس ہمارا خاتمہ ہے۔ رحم کو اپنے دل میں جگہ نہ دو۔ جو سچے جوانمرد ہیں وہ رفتار کی تیزی اور تلوار کی ضربوں سے دُنیا میں نام پیدا کرینگے"

اتنا کہکر وہ سب قرطاجنی اسیروں کے پاس آئے۔ ان میں بعض ابھی تک زندہ تھے۔ متاجروں نے اُن کے مُنہ پر ایڑیاں مار مار کر اُن کو ختم کیا۔ یا جاوکن کی نوک سے انکا کام تمام کیا۔

اب ان سب کو گسکو کا خیال آیا۔ اُسے ڈھونڈنا شروع کیا مگر وہ نہ ملا۔ اس پر سب پریشان اور مضطرب ہوئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر نہیں ملتا تو کم سے کم اسکے مرنے کا ثبوت تو مل جائے۔ مگر اُس کے خون میں ہاتھ رنگنے کی آرزو سب کے دل میں یکساں تھی۔ آخر کار چند ہمنی چرواہوں نے اُس مقام سے پندرہ قدم آگے جہاں پہلے ماتو کا خیمہ نصب تھا اُسے دیکھ لیا اور اُسکی ڈاڑھی سے اُسے پہچان لیا۔ اب متاجروں کو انہوں نے آواز دی۔

گسکو زمین پر چت اس حال میں پڑا تھا کہ گھٹنے سے گھٹنا ملا تھا اور پہلوؤں

میں دونوں ہاتھ پھیلے تھے۔ زرد چہرے پر دونوں آنکھیں کُھلی تھیں۔ پہلے تو متاجر اس کے گِرد خاموش حیرت زدہ کھڑے رہے۔ جس زمانے سے وہ اس گڑھے میں قید ہوا تھا کسی کو اُس کا خیال نہ آیا تھا۔ جو لوگ گِرد کھڑے تھے اُن کو گسکو کی پُرانی باتیں یاد آئیں۔ دل بے چین ہوئے اور کسی کی ہمت قریب آنے کی نہوئی، سب دُور کھڑے رہے۔ لیکن جو لوگ پیچھے کھڑے تھے وہ مُنہ ہی مُنہ میں کچھ کہتے تھے اور اپنے آگے والوں کو دھکے دیتے تھے حتیٰ کہ گرامنتی قوم کا ایک آدمی درانتی ہاتھ میں لئے بھیڑ سے نکل کر گسکو کے قریب آیا۔ سب لوگ اسکا ارادہ سمجھ گئے۔ اُنکے چہرے سُرخ ہوئے اور شرمندگی کے ساتھ سب بولے "اچھا مناسب ہے"۔

غرض وہ گرامنتی گسکو کے پاس آیا اور اس کا سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور درانتی جو اُس کے ہاتھ میں تھی اس کے دو چار رگڑوں میں سر تن سے جُدا کر دیا۔ گسکو کا سر زمین پر گرا۔ خُون کی دو دھاروں نے ریت میں ایک گہرا سوراخ سا بنا دیا۔ زارازاس جو اس مجمع میں موجود تھا ایک چھلانگ میں گسکو کا سر اُٹھا اس تیزی سے بھاگا کہ جنگل کا کوئی چیتا بھی اپنا شکار اُٹھا کر اس طرح نہ بھاگتا ہوگا۔

جب پہاڑی سے کچھ دُور نیچے اُتر گیا تو زارازاس نے گسکو کا سر کمر سے کھولا اور اُسکی ڈاڑھی پکڑ کر ہاتھ کو دو تین چکر زور سے دیکر سر کو پھینکا۔ سر اُڑتا ہوا قرطاجنہ کی فصیلوں کے دوسری طرف پہونچکر نظروں سے غائب ہوگیا۔

اب پہاڑی پر لکڑی کی بار ڈھوں سے اُونچے دو جھنڈے نظر آئے۔ یہ جھنڈے اس بات کا اشارہ تھے کہ مقتولوں کے وارث اپنے مقتولوں کی لاشوں کو طلب کرتے ہیں۔

اب چار بڑے چکلے چوڑے سینوں کے قرطاجنی نقیب مُنہ کو بُرنز کے نفیر

لگائے گئے اور اُنہوں نے ان نفیروں میں سے آواز لگائی کہ "آج سے متاجروں اور قرطاجنیوں میں کوئی نہ کسی بات کا یقین کرے گا اور نہ ایک دوسرے کو امان دیگا۔ حتیٰ کہ بیچ میں اگر خداؤں کا واسطہ بھی دیا گیا تو اس کو بھی بے حقیقت سمجھا جائے گا۔ جس قدر نامہ و پیام اس وقت تک باہم ہوتے تھے انکو بلا غور کئے قطعی نامنظور کیا جاتا ہے۔ اگر پھر متاجروں نے اپنے قاصد امن کی درخواست کے بھیجے تو انکے ہاتھ کاٹ کر متاجروں کے پاس اُنکو واپس کیا جائیگا۔"

اس واقعہ کے بعد اسپنڈیوس کو بزرتہ روانہ کیا گیا کہ وہاں سے کھانا لائے۔ یہ کھانا اُسی دن شام کو ایک صوری شہر نے بزرتہ میں متاجروں کے لئے بھیجا تھا۔ غرض جب اسپنڈیوس کھانا لیکر آیا تو سب شدت کے بھوکے تھے۔ سب نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ جب ذرا جان آئی تو اُٹھے اور جو کچھ سامان تلف ہونے سے بچا تھا اور اپنے ٹوٹے ہتیار اُنہوں نے سمیٹنے شروع کئے۔ عورتیں بیچ میں آکر سب ایک جگہ ہو گئیں۔ زخمی جو زمین پر پڑے تھے اور اُٹھ نہ سکتے تھے جب اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کو چھوڑے جاتے ہیں تو وہ رونے لگے۔ مگر اس کے رونے کی کسی نے پروا نہ کی۔ اور سب متاجر تیز قدم سمندر کے کنارے اس طرح جاتے نظر آئے۔ جیسے بھیڑیوں کا غول ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہو۔

یہ متاجر بزرتہ کا رُخ کئے جاتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ کسی طرح اس شہر پر اپنا قبضہ ہو۔ کیونکہ کسی شہر پر قبضہ رکھنا اُن کے لئے اس وقت نہایت ضروری تھا۔

ہملکار نے جب دُور سے اُن کو جاتے دیکھا تو اس کو اس بات سے کچھ اطمینان نہ ہوا کہ وہ دُشمن کو اپنے سامنے سے بھاگتے دیکھ رہا ہے بلکہ ایک نا اُمیدی اُسکے دل میں پیدا ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ یہ موقع تھا کہ تازہ دم فوج سے اُن پر

کی طرف چلا اور مستاجروں کے گرد حلقہ کرنے کی غرض سے اُس نے ایک بڑا چکر کاٹا۔ اُس کی یہ حرکت موقع اور وقت دونوں کے لحاظ سے غلط اور خطرناک تھی۔ لیکن ہملکار سے اُس کا بُغض وعناد اس امر کی اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ ہملکار کی واقعی مدد کرے۔ حانو نے ہملکار کے جاسوسوں کو گرفتار کر لیا۔ جسقدر تدبیریں ہملکار سوچتا تھا اُنکو عمل میں لانے میں حانو مخل اور حارج ہوتا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ قرطاجنہ کی اس فہم اور عزیمت کو اس نے خطرے میں ڈالدیا۔

آخر کار ہملکار نے مجلس عظمٰی کو لکھا کہ وہ حانو کو واپس طلب کرلے۔ جب مجلس کا حکم حانو کے پاس پہونچا تو حانو قدما کے اس کمینے پن اور ہملکار کی سادہ لوحی پر نہایت عتاب اور غصے کی حالت میں قرطاجنہ واپس آیا۔ غرض ہر طرح کی اچھی اُمید پیدا ہونیکے بعد قرطاجنیوں نے محسوس کیا کہ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ خطرے اور اندیشہ کی حالت میں ہیں۔ لیکن اُنہوں نے اپنی اس حالت پر زیادہ غور نہ کیا بلکہ اسکا ذکر بھی آپس میں نہ کرتے تھے۔

قرطاجنہ پر جو جو مصیبتیں اب تک نازل ہوئی تھیں گویا وہ کافی نہ تھیں۔ اب یہ خبر گرم ہوئی کہ جزیرہ سروانیہ میں مستاجروں نے اپنے سپہ سالار کو سولی پر چڑھا کر وہاں کے قلعوں اور حصاروں پر قبضہ کر لیا اور کنعانی جہاں کہیں ملے اُن کو قتل کر دیا ہے۔ پوپولوس رومانی سپہ سالار نے قرطاجنہ کی ریاست کو دھمکی دی ہے کہ اگر بارہ سو ٹیلنٹ زر نقد اور تمام جزیرہ سروانیہ کو اُن کے حوالے نہ کر دیا گیا تو فوراً قرطاجنہ پر فوج کشی کر دی جائے گی۔ مستاجروں نے رومانیوں سے جو درخواست باہم اتحاد کی کی تھی وہ اُنہوں نے منظور کر لی۔ چنانچہ رومانیوں نے چند جہاز خشک کئے ہوئے گوشت کے مستاجروں کو روانہ بھی کئے۔ قرطاجنیوں نے دو رومانی جہازوں کا تعاقب کر کے اُن کے پانچ سو آدمیوں کو قید کر لیا لیکن

اس واقعہ کے تین روز بعد بائی زاکینی سے ایک جہاز جو قرطاجنہ کو سامانِ رسد لا رہا تھا طوفان میں گھر کر ڈوب گیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آسمان کے خداؤں نے کوئی حکم قرطاجنہ کے خلاف نافذ کیا ہے۔

اب یہ ہوا کہ باشندگانِ ہزرتہ نے کسی بات سے خوف کھا کر اُن تین سو سپاہیوں کو جنہیں حانو نے شہر میں متعین کیا تھا حکم دیا کہ وہ شہر کی فصیلوں پر پہرا دیکر شہر کی حفاظت کریں۔ جب یہ سپاہی اس حکم کے مطابق فصیلوں پر آ گئے تو ہزرتہ کے لوگوں نے پیچھے سے آکر اُن کی ٹانگیں کاٹ دیں اور پھر انکو دھکے دیکر فصیل کے نیچے گرا دیا۔ اُن میں جو زندہ بچے انکا تعاقب کیا۔ یہ لوگ سمندر کی طرف بھاگے اور آخرالامر سمندر میں ڈوب کر مر گئے۔

عتیقہ کا شہر بھی قرطاجنی سپاہیوں کی موجودگی سے پریشان تھا۔ کیونکہ گلداسن نے بھی اپنے سالار حانو کی طرح یہاں کچھ فوج بٹھا دی تھی۔ عتیقہ کے لوگوں نے باوجود حملہ کار کی پیہم ہدایتوں کے ایسا نہ ہونے دیں، حانو کے حکم کے مطابق شہر کو گلداسن کے حوالے کر دیا تھا۔ یہاں جسقدر قرطاجنی فوج بٹھائی گئی تھی اس سے شہر والوں نے اپنی گلوخلاصی اس طرح کی کہ ان کو زہر ملا کر شراب پلائی اور جب وہ سو گئے تو سب کو قتل کر دیا۔ جب مستاجروں کو اس کا علم ہوا تو وہ عتیقہ میں آئے، اُن کے آتے ہی گلداسن عتیقہ سے فرار ہوا۔ شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ اور اس وقت سے یہ دونوں صوری شہر (یعنی ہزرتہ اور عتیقہ) آخر دم تک اپنے نووارد دوستوں (یعنی مستاجروں) کا ساتھ اور اپنے پرانے اتحادیوں (یعنی قرطاجنیوں) سے قلبی عداوت ظاہر کرتے رہے۔

قرطاجنہ سے ان دونوں شہروں کی کنارہ کشی دوسرے شہروں کے لئے ایک مثال اور سفارش ہوگئی۔ قرطاجنہ سے آزاد ہونے کی امیدیں سرسبز ہوئیں اور

حملہ کیا جاتا۔ اگر پھر ایسا موقع ملا تو لڑائی ختم ہو جانے میں شبہ نہیں۔ لیکن اگر معاملات معرضِ التوا میں رہے تو متاجر زیادہ قوی ہو کر یورش کریں گے۔ صوری شہر جسقدر ہیں سب اُن کی کمک پر ہوں گے۔ مفتوحوں کے ساتھ جس قدر رعایت اسوقت تک کی تھی وہ سب بیکار ثابت ہوئی اور ہملکار نے مصمم قصد کر لیا کہ اب وہ کبھی دشمن کو امان نہ دیگا اور کبھی اُن پر رحم نہ کریگا۔

اُسی دن شام کو ہملکار نے ایک اونٹ جس پر ہاتھوں کے زیور لدے تھے مجلس کے پاس روانہ کیا تھا۔ یہ زیور مُردہ متاجروں کے ہاتھوں سے اُتارے گئے تھے۔

قرطاجنہ میں مُدت سے لوگ سمجھ رہے تھے کہ ہملکار کا کام تمام ہو چکا ہے۔ لیکن جب سُنا کہ اُس کی فتح ہوئی ہے تو وہ حیرت زدہ ہوئے۔ اور پھر یہ حالتِ خوف اور اندیشہ میں تبدیل ہو گئی۔ زاعمف کی بازیابی نے جو کچھ کچھ مشہور ہو چلی تھی اور بھی اِس فتح کو با اثر ثابت کیا۔ اور معلوم ہوا کہ آسمان کے خدا اور قرطاجنہ کا اقبال سب ہملکار کی حمایت پر ہیں۔

مجلس میں ہملکار کے مخالفین میں کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ ہملکار کے متعلق کوئی شکوہ یا شکایت کرتا۔ غرض ایک فریق کے جوشِ حمایت اور دوسرے فریق کی کمزوری اور بزدلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار جوانوں کی فوج اُس وقت سے قبل جو ہملکار سے معین کیا تھا قرطاجنہ سے ہملکار کے پاس روانہ کر دی گئی۔

یہ فوج بہت جلد عتیقہ اِس غرض سے آئی کہ ہملکار کے عقب میں آ کر اُسکو مدد پہونچائے۔ اِس فوج کی روانگی کے ساتھ ہی تین ہزار قرطاجنی سپاہی جہازوں پر سوار کرائے اِس حکم سے کہ وہ بزرتہ کے قریب سمندر کے کنارے اُتارے

جائیں روانہ کئے گئے۔ غرض یہ تھی کہ بزرتہ کے قریب وجوار میں جو باغی اُترے ہیں اُن کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔

حانو نے قرطاجنی فوجوں کی سالاری قبول کر لی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے ماتحت افسر گلداسن کو اپنے جملہ اختیارات منتقل کر دئے تھے۔ اور حکم دیا تھا کہ گلداسن بذاتِ خود فوجوں کے جہازوں سے اُترنے کا انتظام کرے۔ کیونکہ حانو اب اس قابل نہ تھا کہ جہاز سے اُتر کر پالکی میں بیٹھکر جھٹکوں کی برداشت کر سکتا۔ اب اُس کے مرض نے جو اسکو مدت سے تھا اُس کے ہونٹوں اور ناک پر حملہ کر رکھا تھا۔ اور اُس کے مُنہ پر ایک ایسا غار پڑ گیا تھا کہ حلق کے اندر کا گوشت دیکھنے والوں کو دس قدم دُور سے دکھائی دیتا تھا۔ حانو جانتا تھا کہ اُس کی صورت اس درجہ کریہہ ہو گئی ہے کہ کوئی اُس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ہمیشہ مُنہ پر نقاب ڈالے رکھتا تھا۔

بزرتہ کے شہر والوں نے نہ تو حانو کی طلبی کا اور نہ متاجروں کی طلبی کا کچھ خیال کیا۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ روز صبح کو متاجروں کے لئے کھانا شہر کی فصیلوں پر سے چھینکوں میں لٹکا کر پہونچا دیا کرتے تھے۔ ہر جوں پر قرطاجنیوں اور بزرتیوں میں جو گفتگو ہوتی اُس میں بار بار بزرتیوں کی آواز کہ ہر چیز سے معذرت چاہتے تھے سُنائی دیتی تھی۔ اور بزرتی برابر اُن سے درخواست کرتے کہ قرطاجنہ واپس ہو جائیں۔ قرطاجنہ کی بحری سپاہ جس نے بزرتہ کے سامنے سمندر پر قبضہ کر رکھا تھا اُن سے بھی برابر یہی کہا جاتا تھا۔

حانو نے صرف یہ کیا کہ بندرگاہ بزرتہ کی راہوں کو روک دیا۔ جنگ کے خطروں سے اپنے کو بچائے رکھا۔ مگر باوجود اس کے اُس نے حکام بزرتہ کو راضی کر لیا کہ وہ شہر میں تین سو نوجوان قرطاجنی فوج کے بُلا کر رکھے۔ اس کے بعد حانو راس انگور

ایک تبسم تھا گویا کہ وہ کسی بڑی روشنی کو دیکھ رہا ہے۔ ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی تھی۔ کچھ بس نہ چلا تو دونوں ہاتھ پھیلا کر نسیم کے بوسے لینے لگا۔ اور بے اختیار زبان سے نکلا "آ۔ آ" سینہ اُونچا ہوا اور دو آنسو موتیوں کی سی چمک کے ٹپک کر ڈاڑھی پر آئے۔

اسپندیوس آیا اور ماتو سے کہنے لگا "کس خیال اور انتظار میں ہو۔ جلدی کرو، آگے بڑھو، ورنہ ہملکار کا لشکر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تمہارے گھٹنے اتنے کانپتے کیوں ہیں اور مجھے تم ایک شرابی کی طرح کیوں گھورتے ہو" اسپندیوس سے اب اضطراب اور بے صبری ظاہر ہونے لگی۔ اُس نے پاؤں زمین پر زور سے مارا اور ماتو سے پھر کہا "آگے بڑھو" اور اس طرح اُس نے اپنی آنکھیں جھپکائیں گویا کہ وہ مقصد جو اُس کے دل میں تھا اب عنقریب وہ بر آنے والا ہے۔ کہنے لگا۔

"ہماری مُراد آج پوری ہوگی اور ضرور پوری ہوگی۔ اب ہملکار میرے قابو میں ہے"

اسپندیوس کا انداز اس درجہ خوشی اور کامیابی کے یقین کا تھا کہ ماتو اپنے خیال کو چھوڑ اسپندیوس کی طرح جوش میں آیا۔

اسپندیوس کی باتیں چونکہ ماتو نے درد و تکلیف کی حالت میں سُنی تھیں اس لئے اُنہوں نے اس میں جوش انتقام پیدا کیا۔ اور اُس کے غیظ و غضب میں آنے کا سامان مُہیا کر دیا۔ اُونٹوں کی قطاریں سامان لادے جا رہی تھیں ماتو کُود کر ایک اُونٹ پر سوار ہو گیا۔ اُونٹ کی گردنی اُتار پھینکی اور ایک لمبی رسی سے جو اُونٹ سُست چل رہے تھے اُن کو مارنا شروع کیا۔ کبھی رسی کا سانٹا اونٹوں پر دائیں سے لگاتا کبھی بائیں سے۔ غرض وہ اس طرح اُونٹوں کو ہانکتا چلا جیسے گڈریے کا کُتا ریوڑ کو ہانکے۔

ہاتو نے کڑک کر سب کو للکارا۔ سپاہیوں کی صفیں پاس پاس آگئیں۔ جو سپاہی لنگڑا رہے تھے انہوں نے بھی قدم تیز کئے۔ اور نا گناتے کی بیچ کا فصل اب کم ہونے لگا۔ حتیٰ کہ مستاجروں کی آگے کی صفیں اس گرد و غبار میں چلتی نظر آئیں جو قرطاجنیوں کی پچھلی صفوں سے اُٹھ رہا تھا۔ دونوں لشکر ملنے کو تھے یعنی قریب تھا کہ مستاجروں کا منقلا قرطاجنیوں کے عقب کو چھو لے لیکن ملقہ، تالستی اور سیکل خاموں نے اپنے اپنے دروازے قرطاجنی فوج کے داخلے کے لئے پہلے سے کھول رکھے تھے۔ قرطاجنیوں کے دستے فوراً کم عریض صفوف میں ترتیب دئے اور اُن کی تین دروازوں میں داخل ہو کر شہر میں اس طرح گھُسیں جیسے پانی کی رَو کسی تنگ جگہ میں سے جوش کھاتی جھاگ اُٹھاتی نکلتی ہے۔ دروازوں سے باہر کی طرف سپاہ کا یہ ہجوم جو بہت ہی گنجان تھا چلتے چلتے رُکا۔ نیزے اور برچھے چلنے لگے۔ مستاجروں کے تیر فصیل کے پتھروں پر لگ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔ ہملکار نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور سپاہیوں کو للکارا کہ بیچ میں سے رستہ چھوڑ دیں۔ اتنا کہہ کر وہ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اور تلوار گھوڑے کے پٹھے پر چبھو کر گھوڑے کو مستاجروں کی طرف چھوڑ دیا۔

یہ نسلِ اورنجی کا زبردست جانور تھا۔ آٹے کے گولے کھلا کھلا کر پالا گیا تھا۔ جب آقا اُس پر سوار ہوتا تھا تو وہ اپنا ایک گھٹنا جھکا دیتا تھا کہ آقا کو سوار ہونے میں آسانی ہو۔ اس وقت کیوں اس طرح زخمی کر کے اسکو مستاجروں کی طرف ہانک دیا گیا؟ کیا یہ بھی کوئی قربانی تھی جو بتوں پر چڑھائی گئی تھی۔

غرض یہ اصیل گھوڑا مستاجروں کے نیزہ بردار فوج میں گھُس پڑا۔ بہت لوگ اُس کی جھپٹ میں آکر گرے۔ برچھوں سے پیٹ کی انتیں نکل پڑیں۔ ان پر اُلجھ کر گرتا تھا اور پھر اُٹھ کر بھاگتا تھا۔ بہت سے مستاجر سپاہی برچھے ہاتھوں میں

بہت سی آبادیاں جو اب تک اس شش و پنج میں تھیں کہ کس کا ساتھ دیں کس کا نہ دیں اُن کا تذبذب رفع ہوا۔ قرطاجنہ سے جو اتحاد اُن کا چلا آتا تھا اس کا ٹوٹ جانا لازمی معلوم ہونے لگا۔ ہملکار کے کانوں تک بھی یہ خبر پہونچی اور اُسکو ہزرتہ یا عتیقہ سے کمک پہونچنے کی اُمید جاتی رہی۔ اور وہ سمجھ گیا کہ اب اِس بلا سے نجات ملنی مُشکل ہے۔

ہملکار نے نرہیوا س کو حکم دیا کہ فوراً جاکر اپنی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت میں مصروف ہو۔ اور خود قرطاجنہ کو واپسی کا ارادہ کیا تاکہ وہاں سے زیادہ فوجیں لیکر مستاجروں سے از سر نو جنگ شروع کرے۔ ہملکار کا لشکر جب کوچ کرنے لگا تو ہزرتہ میں جو مستاجر تھے اُنہوں نے یہ روانگی دیکھ لی۔

مستاجر اس غور میں پڑے کہ قرطاجنہ کا لشکر آخر کہاں کے قصد سے چلا ہے اور کیوں چلا ہے۔ ممکن ہے بھوک پیاس اور اور تکلیفوں سے تنگ آکر ہم سے مقابلہ کرنے آتا ہو۔ مگر اس وقت اُس کے کمزور ہونے میں کلام نہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کو مڑا ہے تو وہ سمجھے کہ دشمن کا لشکر تو بھاگ رہا ہے۔ یہ موقع تھا کہ مستاجر بڑھکر اُس پر حملہ کر دیتے اور ایک آدمی کو بھی زندہ نہ چھوڑتے، چنانچہ مستاجروں نے ہملکار کے اِس لشکر کا تعاقب کیا۔

قرطاجنیوں کی راہ میں دریائے ماکار حائل ہوا۔ اُن کو قیام کرنا پڑا۔ اِس زمانے میں دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا اور مغربی ہوا ابھی نہیں چل رہی تھی کہ ریت سے دریا اَٹ جائے۔ بہت سے قرطاجنی سپاہی تیر کر دریا پار پہونچے۔ بہت سے اپنی ڈھالوں پر بیٹھکر دریا کے دوسرے کنارے آئے اور پھر آگے چلنا شروع کیا۔ رات جب ہوئی تو انکو کوئی دیکھ نہ سکا۔

مستاجروں کو راہ میں کہیں قیام نہ کرنا پڑا تھا۔ وہ دریا کے چڑھاؤ کے رُخ

اِس انتظار میں چلتے رہے کہ کوئی مقام ایسا آئے کہ جہاں دریا کا پاٹ کم ہو۔ تونس کے باشندے جلد آکر مستاجروں میں شامل ہو گئے۔ عتیقہ والوں نے بھی یہی کیا۔ ہر جھاڑی کے پاس پہونچتے ہی مستاجروں کی تعداد بڑھی۔ اور قرطاجنی سپاہی جب زمین پر لیٹے تو اُن کے قدموں کی آواز اُنھوں نے اندھیرے میں سُنی۔ حملہ کار نے دیکھا کہ کبھی کبھی تیروں کی بوچھاڑ بھی عقبِ لشکر پر آرہی ہے تاکہ قرطاجنی لشکر چلتے چلتے رُک جائے۔ بعض قرطاجنی اِن تیروں سے تلف بھی ہوتے۔

جب صبح ہوئی تو قرطاجنی کوہسار اریانہ میں اُس مقام پر تھے جہاں سے سٹرک مُڑی تھی۔

ماتو جو مستاجروں کی فوج کے آگے چل رہا تھا اس کو تصور بندھا کہ اُفق پر ایک پہاڑی ہے اور اُسکی چوٹی پر جو سبزہ زار ہے اُسے وہ دیکھ رہا ہے۔ اسکے بعد اُسنے دیکھا کہ بیچ میں جو زمین حائل تھی وہ نیچی ہو گئی ہے۔ پھر مینار، بُرج اور مکانات نظر آئے، یہ دراصل قرطاجنہ کا شہر تھا۔ ماتو ایک درخت کے سہارے کھڑا ہوا۔ دل کی دھڑکن اتنی بڑھی کہ گر جانے کا خوف ہوا۔

ماتو اس سڑک سے پہلے بھی ایک بار گذرا تھا۔ اُس وقت سے اب تک جس قدر واقعات پیش آئے تھے اُن کو یاد کرتا رستہ چل رہا تھا۔ حیرت اور تعجب نے سر میں دوران سا پیدا کیا۔ پھر اس خیال سے خوش ہوا کہ شاید سلامبو کو دیکھنے کا پھر موقع ملے۔ لیکن فوراً ہی وہ باتیں یاد آئیں جن سے سلامبو قابلِ نفرت معلوم ہوئی۔ مگر یہ باتیں بہت جلد دل سے رُخصت ہوئیں۔ ہیکلِ عشمون سے آگے کھجوروں کے باغ میں ایک رفیع الشان محل کے بلند چبوترے کی طرف نگاہ جاکر ایسی جمی کہ سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ باوجود اس کے ماتو کے چہرے پر

لئے اس کا رستہ چھوڑ ایک طرف ہو جاتے اور اس کو روکنے کی کوشش کرتے۔ بہت سے خوفزدہ ہو کر کنارے کھڑے رہتے۔ اس اثنا میں قرطاجنیوں نے اپنی صفیں دُرست کر لیں اور وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ جب اندر آ لئے تو شہر کے دروازے بند ہو گئے۔

مستاجر بند دروازوں پر ٹوٹے، مگر اُن کو کب جُنبش ہوتی تھی۔ کچھ دیر تک مستاجروں کا یہ حال تھا کہ ایک قدم آگے بڑھتا تھا، ایک قدم پیچھے ہٹتا تھا مگر یہ بڑھنا اور ہٹنا کم ہوتے ہوتے آخر کار بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

قرطاجنیوں نے نہر کی بلند محرابوں پر سپاہی بٹھا رکھے تھے۔ اب اُنہوں نے مستاجروں کے لشکر پر جو نیچے تھا پتھر، مٹی کے گولے، بھاری شہتیروں کے ٹکڑے گرانے اور برسانے شروع کئے۔ اسپندیوس کی رائے ہوئی کہ اس وقت زیادہ مقابلہ کرنا غیر ضروری ہے۔ چنانچہ مستاجروں کی سپاہ فصیل سے کچھ دُور ہٹ کر صف آرا ہو گئی۔ اور سب نے جی میں ٹھان لی کہ اب قرطاجنہ کا محاصرہ کئے بغیر نہ چھوڑینگے۔

اس دوران میں لڑائی کی خبر سلطنت قرطاجنہ کی حدود سے باہر منارہ ہرقل سے لیکر علاقہ کاپریئی کے آگے تک مشہور ہو گئی۔ کاپریئی کے چرواہے گلّے چراتے چراتے اُس پر غور کرنے لگے۔ راستوں میں کاروان جب منزل کرتے تو رات کے وقت ستاروں کی چھاؤں میں بیٹھکر آپس میں مباحثہ کرتے اور کہتے کہ قرطاجنہ جس کی ریاست زبردست تھی جسے سمندروں کی ملکہ کہا جاتا تھا جو اپنی آب و تاب شان و شکوہ میں آفتاب سے کم نہ تھی جس کا قہر و غضب مثل ایک خدا کے قہر و غضب کے تھا۔ اب اُس پر حملہ کیا جا رہا ہے اور ایسے آدمی پیدا ہو گئے ہیں جن کی ہمت اُس پر فوج کشی کی ہو گئی ہے۔ متعدد بار خبر مشہور ہوئی کہ قرطاجنہ مغلوب ہو جائے۔ اُسی

محکوم آبادیاں، باجگزار دیہات اور قریئے، صوبوں کی حکومتیں جو بظاہر اس سے اتحاد رکھتی تھیں اور آزاد قبائل، یہ سب قرطاجنہ کی ظالمانہ حکومت سے یکساں متنفر اور بیزار تھے۔ اسکی قوت و سطوت پر رشک کرتے اور اسکی دولت پر دانت رکھتے تھے۔ غرض یہ سب جو پہلے محکوم اور باجگزار تھے اس وقت اسکے بدخواہ اور دشمن تھے۔ ان میں جو مضبوط اور ہمت والے تھے وہ جلد مستاجروں سے آملے۔ باقی جس قدر تھے اُن کو دریائے ماکار پر مستاجروں کی شکست یاد آئی اور وہ کچھ دنوں علیحدہ رہے مگر اُن کو بھی مستاجروں کے ساتھ اعتماد پیدا ہوا اور وہ سب بھی اُن کے شریک حال ہو گئے۔ اور اب اطرافِ شرق کے لوگ کلاپیا کے ریگزاروں میں آئے جو خلیج کے دوسرے طرف تھے۔ مستاجروں کے دیکھتے ہی انہوں نے اپنے کو اُن پر ظاہر کر دیا۔

یہ لوگ قرطاجنہ کے مضافات سے لیبیہ کے آدمی نہ تھے بلکہ وہ کسی زمانے میں مُدت دراز تک قرطاجنہ کے تیسرے لشکر میں رہ چکے تھے۔ یہ لوگ دراصل صحرائے برقہ کی مرتفع زمین کے خانہ بدوش تھے۔ راس پسکوس، کوہ ورنی، فزانہ اور مارمریہ کے اوباش اور آوارہ گرد تھے۔ یہ سب صحرا کو عبور کر کے کھاری کنوؤں کا پانی پیتے یہاں پہونچے تھے۔ یہ کنوئیں وہ تھے جن کی چنائی میں اینٹ پتھر کی جگہ اُونٹوں کی ہڈیاں چُنی تھیں۔ زویکہ کے باشندے شُترمُرغ کے پروں کا لباس پہنے تھے۔ اور چار چار گھوڑے رتھوں میں جوت کر آئے تھے۔ گرامنتی قوم کے آدمی اپنے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپائے تھے۔ رنگین گھوڑیوں کے پٹھوں پر بیٹھکر یہاں تک آئے تھے۔ اُس کے کچھ لوگ خچروں اور گدھوں پر بھی سوار تھے۔ کچھ بھینسوں اور زبراؤں کی پیٹھ پر تھے بعض ایسے تھے جو اپنے بال بچوں کے ساتھ گھر کے کتوں کو بھی لائے تھے اور اپنے گھروں کی چھتیں اُتار کر ساتھ رکھی تھیں اور

اُن کو یہاں تک گھسیٹتے ہوئے لاتے تھے۔ اموبنیہ کے آدمی بھی اُن میں تھے۔ گرم چشموں میں نہانے کی وجہ سے اُن کے تمام ہاتھ پاؤں پر جھرّیاں پڑی تھیں۔ کچھ اتارنتی بھی اُن میں تھے جو سورج کو کوسا کرتے تھے۔ تروگلو دایتی قوم والے بھی تھے۔ اُن کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ اپنے مُردوں کو درختوں کے نیچے دفن کرتے وقت زور زور کے قہقہے لگاتے تھے۔ بعض کریہہ صورت اسوائی بھی تھے جن کی غذا ٹڈیاں تھیں اور اکی ماکیدی بھی تھے جو جوئیں کھاتے تھے۔ کچھ بندروں کے کھانے والے گیسانتی تھے جو چہروں پر سیندور ملے تھے۔

یہ کُل قومیں ایک سیدھی صف باندھکر سمندر کے کنارے کھڑی ہوگئیں۔ اور پھر جیسے ریت کے بادل ہوا میں اُڑتے ہیں آگے بڑھیں۔ خاکنائے کے وسط میں پہونچکر سب نے قیام کیا۔ کیونکہ متاجر جو قرطاجنہ کی فصیلوں کے نیچے لشکر ڈالے پڑے تھے اُنہوں نے اپنی جگہ چھوڑنے سے انکار کیا۔

اور اب کوہسار اریانہ سے مغرب کی قومیں نمودار ہوئیں۔ یہ نومیدی اقوام تھیں۔ نرہیواس صرف قوم ماسیلی پر حکومت کرتا تھا۔ اور ماسیلی میں یہ دستور چلا آتا تھا کہ جب اُن کے بادشاہ کو ہزیمت ہوجاتی تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ دیتی تھی۔ نومیدی قومیں زانتوس کے کنارے سب جمع ہوگئیں اور جب اُنہوں نے ہملکار کو نقل و حرکت میں دیکھا تو دریا اُتر کر وہ پار پہونچیں۔ ان میں کچھ لوگ قوم بلہت لعل کے تھے اور کچھ گرونوکے۔ یہ شیروں کی کھالیں پہنتے تھے۔ اُن کے پیچھے قوم گیتولی کے آدمی تھے۔ اُن کی زرہ کے کُرتے بجائے لوہے کی کڑیوں کے سانپ کی کھالوں کے تھے۔ اُن کے بعد فاروسی تھے جن کے سروں پر موم اور رال کے بنے ہوئے اُونچے اونچے تاج رکھے تھے۔ کافی، ماکاری کے لوگ اور تلیبارس کے رہنے والے اُن کے ہمراہ تھے۔ ان میں ہر شخص کے ہاتھ میں دو دو جاولن تھے۔ اور ایک ایک

گول اسدِ بحری کے پوست کی ڈھال تھی۔ یہ سب گورستان کے نیچے جو تالاب نمک کی جھیل کا سب سے پہلے پڑتا تھا وہاں ٹھیر گئے۔

لیکن جب لبیہ کے لوگ اپنی جگہ سے ہٹے تو وہاں حبشیوں کے بڑے بڑے غول ایسے بادلوں کی طرح نظر آنے لگے جو زمین سے ملے اڑتے ہیں۔ یہ حبشی حروشِ ابیض اور حروشِ اسود اور صحرائے آجلہ سے آئے تھے۔ بلکہ سمجھنا چاہیئے کہ وسیع ملک اجامیہ سے وارد ہوئے تھے جو کہ امینتوں سے چار ماہ کے سفر پر جنوب میں واقع تھا۔ اُن کی سیاہ جلد پر اس قدر میل کچیل تھا کہ وہ بھوبل میں لپٹے شہتوت کے پھل معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے جانگئے درختوں کی چھال کے اور کرُتے سوکھی گھاس اور درندوں کی کھالوں کے تھے۔ اُنکے سروں پر جنگلی ہرنوں کے سر مع سینگوں کے رکھے تھے۔ بھیڑیوں کی طرح بھونک کر وہ لاٹھیاں جن میں پیتل کے چھلّے لگے تھے سروں پر پھراتے گائیں کی دُمیں بطور جھنڈوں کے اسکے ہاتھ میں تھیں۔

تومیدیوں کے عقب میں ماروسلی اور گیتولی قوموں کے جرگے تھے۔ اِن کے بعد زرد جلد کے وہ لوگ تھے جو تاگیر سے آگے سرو و شمشاد کے جنگلوں میں مختلف مقامات پر آباد تھے۔ بلیوں کی کھال منڈھے ترکش اُن کے کندھوں پر تھے اور اُن کے ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی تھی۔ اور بڑے بڑے کتے جو بھونکتے نہ تھے، مگر قدوقامت میں گدھوں سے زیادہ بڑے تھے زنجیروں میں بندھے اور زنجیریں ہاتھوں میں لئے تھے۔

یہ نہ سمجھئے گا کہ افریقہ قوموں سے خالی ہو گیا تھا۔ نہیں۔ قرطاجنہ کی مخالفت میں زیادہ جوش و خروش ظاہر کرنے کے لئے ایسی قوموں کو بھی شامل کیا گیا جو نسلِ آدم میں ادنیٰ ترین درجہ رکھتی تھی۔ کُل قوموں کے پیچھے ایسے انسان تھے جن کے چہرے اگر ایک پہلو سے دیکھئے تو وہ جانوروں سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتے تھے۔

دیوانوں اور بے عقلوں کی طرح وہ ہنستے تھے۔ ناپاک اور غلیظ انتہا درجے کے تھے۔ طرح طرح کے جلدی امراض میں مبتلا۔ پستہ قد۔ کریہہ منظر۔ بونے۔ ملّا تو جنکو مرد کہا جاسکتا تھا نہ عورت۔ سورج مکھی جن کی آنکھیں سُرخ اور دھوپ میں بند رہتی تھیں شامل تھے۔ اور جب وہ مُنہ سے آواز نکالتے جو کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی تو انگلی سے مُنہ کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ گویا وہ بھوکے ہیں۔

جس طرح قومیں مختلف تھیں اسی طرح اُن کے ہتیار بھی عجیب و غریب تھے۔ لباس اور پوشاکیں اور ان کی نسلیں بھی جُدا جُدا اور گوناگوں تھیں۔ انسان کو ہلاک کرنے والا کوئی ہتیار ایسا نہ تھا کہ جو اُن میں موجود نہ ہو۔ لکڑی کی کٹاریں اور بانک، پتھر کی کلہاڑیاں اور تبر۔ ہاتھی دانت کے ترپھلے، لمبی لمبی تلواریں جو تانبے کے پتلے پتروں کی تھیں اور ان میں آرے کی طرح دندانے تھے، موجود تھیں۔ چھُرے جو اُن کی کمر میں تھے انکی شکل عجیب تھی۔ چھُرے کے اُوپر کے سرے سے کئی کئی شاخیں جیسے ہرن کے سینگوں میں ہوتی ہیں، نکلی ہوئی تھیں۔ لوہے کے خار ڈوریوں میں بندھے، آہنی مثلث، ڈنڈے، بلم، بیش قبض طرح طرح کے تھے۔ بمبوتوس کے حبشی اپنے بالوں میں زہر کے بجھے ہوئے تیر چھپائے تھے۔ بہت سے ایسے تھے کہ اُنکے ساتھ سنگریزوں کے بھرے ہوئے تھیلے تھے۔ بہت سے جو خالی ہاتھ تھے وہ اپنے دانت ہی کڑکڑاتے تھے۔

یہ کُل اژدہام سمندر کی موجوں کی طرح کبھی اُونچا کبھی نیچا ہوتا تھا۔ اور یہ حرکت مسلسل جاری تھی۔ عورتیں بچوں کو گودوں میں لئے اُونٹوں کی بھاگ دوڑ میں دھکّے کھا کر گرتی تھیں۔ اُونٹوں کے جسم پر سیاہ قیر اس طرح ملا ہوتا تھا جیسے جہازوں پر پھیرا جاتا ہے۔ انہی کی جھپٹ میں خونچے والوں کے خون زمین پر آ رہتے ہیں۔ اور کوئی رستہ چلنے والا ایسا نہ تھا جس کے پاؤں کے نیچے چلتے میں نمک کی کنکریاں

گوند کے ٹکڑے، سڑی ہوئی کھجوریں اور اخروٹ نہ آجاتے ہوں۔ کبھی کبھی یہ بھی دیکھا گیا کہ کسی جنگلی آدمی کے میلے کچیلے سینے پر گلے سے ایک پتلے ڈورے میں پرویا ایک آبگینہ لٹکا ہے جس کی قیمت میں ایک مُلک کا خراج ادا ہو جائے۔ ان میں زیادہ تر لوگ ایسے تھے جو یہاں آنے کی غرض و غایت سے واقف نہ تھے۔ ایک حیرت اور کشش تھی جو اُن کو یہاں تک لائی تھی۔ صحرانشیں جنہوں نے آجتک کوئی شہر نہ دیکھا تھا شہر پناہ کی کی دیواروں کا سایہ زمین پر دیکھکر سہم گئے۔

کُل خاکنائے پر اتنے آدمی جمع ہو گئے تھے کہ زمین نظر نہ آتی تھی۔ خاکنائے کے طول میں خیمے نصب تھے۔ آدمیوں کے ہجوم میں یہ خیمے ایسے نظر آتے تھے جیسے سیلاب میں پھونس کی جھونپڑیاں کھڑی ہوں۔ یہ خیمے دُور تک جاکر وحشی قوموں کے دوسرے خیمہ گاہ سے ملجاتے تھے۔ ہر خیمہ گاہ میں تلواریں چمک رہی تھیں اور خیمے محرابوں والی نہر کے دونوں جانب جوابی ترتیب میں نصب تھے۔

وحشی قوموں کے اس طرح بکثرت جمع ہو جانے سے قرطاجنیوں پر خوف طاری ہوا۔ اور ابھی اِس خوف سے حواس دُرست نہ ہوئے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ٹھیک ان کی سیدھ میں بڑی بڑی ہیبت ناک عمارتیں سی جن پر جہازوں کے سے مستول لگے ہیں اور جن میں رسیاں، چرخیاں، طرح طرح کے آہنی قبضے اور ہتیار بھرے ہیں بڑھی چلی آتی ہیں۔ یہ آلات جنگ کسی صوری شہر سے یہاں لائے گئے ہیں۔ یہ قسم قسم کے مہیب آلے وہ ہیں جن سے محصور شہروں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کی جاتی ہے یا جن سے کسی شہر کی فصیلیں اور قلعے بڑے بڑے وزنی شہتیروں سے ٹکریں دیکر توڑے جاتے ہیں۔ علاوہ اور ایسے ہی آلوں[1] کے

---

[1] قلعہ شکن آلات جن کے نام مُصنّف نے لکھے ہیں اور اُن کی تعداد بتائی ہے حسب ذیل ہیں۔ (ناموں کے تلفظ چونکہ غیر مانوس تھے اس لئے ترجمہ میں اُسکو نہیں لایا۔) (بقیہ صفحہ آیندہ)

تین بڑے منجنیق تھے جن سے چٹانوں کے ٹکڑے پندرہ پندرہ ٹیلنٹ وزن میں پھینکے جا سکتے تھے۔ ہزارہا آدمی ان قلعہ شکن آلوں کو آگے بڑھانے میں زور لگاتے تھے۔ آگے بڑھنے میں یہ آلے ہر قدم پر لرزتے تھے۔ آخرکار قرطاجنہ کی فصیل کے قریب وہ ترتیب سے لگا دیے گئے۔

لیکن قرطاجنہ کے محاصرے کی پوری تیاری میں ابھی متاجروں کو کئی دن صرف کرنے تھے۔ چونکہ پہلے کئی بار شکستیں اور ہزیمتیں اٹھا چکے تھے اسلئے اب عقل اور سمجھ آگئی تھی۔ اب ان کا کوئی قصد ایسا ظاہر نہ ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ دشمن کی زد میں آکر اپنی ہلاکت کا باعث ہو جائیں۔

فریقین میں کسی جانب سے عجلت یا گھبراہٹ ظاہر نہ ہوئی کیونکہ دونوں جانتے تھے کہ اب وہ شدید اور مہلک معرکہ درپیش ہے جس میں یا تو فتح ہو گی یا دنیا سے نام و نشان مٹ جائیگا۔

قرطاجنہ محاصرے کی حالت میں بڑی مدت تک دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اسکی مضبوط اور عریض فصیلیں جگہ جگہ موڑ کھا کر ایسے پہلو اور گوشے بناتی تھیں کہ محاصرہ کرنیوالوں کے مقابلے میں وہ محفوظ اور مفید طریقے سے کام کر سکیں۔

بہرکیف گورستان کے قریب کچھ حصہ فصیل کا شکستہ تھا۔ اندھیری راتوں میں ملقہ کے تاریک گھروں سے جو فصیل کے اوپر اس کے گرے ہوئے پتھروں سے بنائے گئے تھے کبھی کبھی روشنیاں چمکتی نظر آتیں۔ بعض جگہ یہ مکان فصیل کے کنگروں سے بھی اونچے تھے۔ ان مکانوں میں وہ عورتیں اپنے نئے شوہروں

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) بالستی ۱۰ عدد۔ اوناگر ۸۰ عدد۔ عقرب ۳۰ عدد۔ ٹولی تون ۵۰ عدد۔ دیوار کو ٹکر دے کر گرانے والے آلے ۱۲ عدد۔

کے ساتھ رہتی تھیں جنکو ماتو نے لشکر سے نکال باہر کیا تھا۔ اب جو انہوں نے اپنے پرانے رفیقوں کو دیکھا تو بڑی بے چین اور مضطر ہوئیں۔ دور سے اپنی اوڑھنیاں اور رومال انکی طرف ہلاتیں اور جب اندھیرا ہو جاتا تو وہ دیوار کے روزنوں کے پاس آ باہر والوں سے باتیں کرتیں۔ ایک دن صبح ہوتے ہی مجلسِ عظمیٰ کے رکنوں کو اطلاع ملی کہ جسقدر عورتیں وہاں رہتی تھیں وہ سب کہیں نکل کر چلی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض پتھروں میں جہاں جھریاں تھیں ان میں سے نکلی تھیں اور جو ہمت والیاں تھیں وہ رسّوں کے ذریعے سے دیوار سے اتر نیچے پہونچی تھیں۔

آخر کار اسپندیوس نے ارادہ کیا کہ جو تدبیر اس نے سوچ رکھی تھی اس پر عمل شروع کرے۔ اس وقت تک لڑائی کے خوف نے اسکو میدان سے دور رکھکر اپنی تدبیروں کو عمل میں لانے کا موقع نہ دیا تھا۔ جس دن سے حملہ کرنے کی غرض سے قرطاجنہ آیا تھا اسکے دل میں بار بار شبہ ہوتا تھا کہ کہیں قرطاجنیوں کو اسکی تدبیروں کا علم تو نہیں ہو گیا۔ کیونکہ مستاجروں کو آئے ہوئے چند روز ہوئے تھے کہ قرطاجنہ والوں نے محرابوں والی نہر پر پہرا دینے والے کم کر دئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ فصیل کی حفاظت کیلئے انکے پاس آدمی تھوڑے رہ گئے تھے۔

کئی دن تک اسپندیوس کو یہ شغل تھا کہ جھیل پر جاتا اور وہاں بگلوں اور قازوں پر تیر لگایا کرتا۔ گویا نشانہ لگانے کی مشق کرتا تھا۔ ایک رات جبکہ چاندنی خوب کھلی تھی اس نے ماتو سے کہا کہ کچھ پھونس جلا کر روشنی کرے۔ جب شعلے اٹھنے لگے تو اسپندیوس کے آدمیوں نے خوب غل شور مچایا۔ اب اسپندیوس زارازاس کو ساتھ لے تونس کی سمت میں خلیج کے کنارے کنارے چلا۔ جب اس سمت میں چلتے چلتے دونوں ایک ایسے مقام پر پہونچے جہاں محرابیں نیچی ہوتے ہوتے زمین کے برابر ہو گئی تھیں تو وہاں سے دونوں محرابوں کے اوپر اوپر چلے۔ رفتہ رفتہ وہ

وہاں پہونچے جہاں محرابیں زمین سے اُونچی ہوگئی تھیں اور نہر اُن پر بہ رہی تھی۔ یہ جگہ محفوظ نہ تھی۔ چنانچہ دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ستونوں کے قاعلے کے پاس اُتر آئے۔

نہر پر پہرے والے پہرا دے رہے تھے۔ ان کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ اس وقت نہ تھا۔

جب انہوں نے اُونچے اُونچے شعلے اُٹھتے اور جھانجھ بجتے سُنے تو سمجھے کہ فصیل پر کہیں دشمن نے حملہ کیا ہے۔ وہ سب اپنی جگہ چھوڑ کر قرطاجنہ کی طرف دوڑے صرف ایک پہرے والا اوپر رہ گیا۔ یہ اُفق کے مقابل ایک سیاہ تصویر معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی پُشت کی طرف چاند نکل رہا تھا۔ اور اس کا سایہ مثل ایک مینار کے سیاہ متحرک سایہ کے زمین پر پڑتا تھا۔ جب یہ صورت ٹہلتے ٹہلتے اسپنڈیوس اور زارازاس کے سامنے آئی تو زارازاس نے اپنا گوپیا سنبھالا لیکن اسپنڈیوس نے احتیاط کی غرض سے یا ظلم و سفاکی کے شوق میں اسکو گوپیا چلانے سے منع کیا اور کہا پتھر کی سائیں سائیں سے لوگ ہوشیار ہوجائیں گے۔

اتنا کہہ اسپنڈیوس زمین پر لیٹا اور اپنے پاؤں کے بائیں انگوٹھے میں کمان پکڑ کر اسکو تانا اور نشانہ باندھ کر پوری قوت سے تیر لگایا۔ تیر کمان سے اُڑا۔ نہر کے اوپر جو آدمی ٹہلتا تھا وہ گرا نہیں بلکہ غائب ہوگیا۔ اسپنڈیوس بولا۔

"اگر زخمی ہوا ہوتا تو آواز آتی۔"

اور اب اسپنڈیوس ایک رسی اور ایک نوکدار بیرم کی مدد سے جیسے کہ پہلے ایک مرتبہ ہوچکا تھا محراب کے اوپر چڑھا۔ جب لاش کو پڑا دیکھا تو اسپنڈیوس نے رسی نیچے گرائی۔ زارازاس نے اُس میں ایک کُدال اور ایک ہتوڑا باندھا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

اب جھانجھ اور باجے بجنے موقوف ہو گئے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ اسپنڈیوس نے محراب پر پٹی ہوئی نہر کی ایک سل کُدال کی نوک اَڑا کر اُٹھائی۔ اور نہر میں اُتر کر سل جہاں سے ہٹائی تھی پھر وہیں رکھدی۔

قدم گن کر فاصلے کا اندازہ کیا اور ٹھیک اُس جگہ جہاں پہلے ایک ترچھی ریخ دیکھی تھی مسلسل تین گھنٹے تک جب تک کہ صبح ہو بڑی مشقت سے بغیر دم لئے کدال چلاتا رہا۔ پتھروں کی جھرّیوں میں سے مشکل سے سانس لیکر درد اور تکلیف کی حالت میں بار بار یہ سمجھ کر کہ اب جان نہ بچے گی وہ اس کام میں مصروف رہا۔ آخر کار کسی چیز کے چٹخنے اور ٹوٹنے کی آواز آئی اور اب نہر کی دیوار کا ایک بڑا پتھر علیحدہ ہو کر محرابوں پر گدّے کھاتا نیچے زمین پر گرا۔ اور اُسکے گرتے ہی پانی کی ایک زبردست چادر میدان میں گرنی شروع ہو گئی۔ چادر کیا بلکہ سمجھنا چاہیئے کہ پورا ایک دریا بلندی سے میدان میں گرنے لگا۔ اور نہر بیچ میں سے کٹ کر اس کا پانی میدان میں آنے لگا۔ اسکے معنی مستاجروں کے حق میں فتح اور قرطاجنیوں کے لئے موت کے تھے۔

قرطاجنی سب جاگ اُٹھے تھے۔ ایک لمحے کے اندر وہ شہر کی فصیلوں اُونچے مکانوں کی چھتوں اور ہیکلوں کی چوٹیوں پر نمودار ہوئے۔ وحشی مستاجر بھی خوش ہوتے دوڑتے غل مچاتے موقع پر آئے۔ پانی کی چادر جو گر رہی تھی اسکے گرد خوش ہو کر ناچنے اور اپنے سر پانی میں بھگونے لگے۔ اب اُن کو ایک آدمی نہر پر بھورے رنگ کی ایک پھٹی قبا پہنے نظر آیا کہ کمر پر دونوں ہاتھ رکھے نیچے جُھکا دیکھ رہا ہے۔ گویا اپنے اس کارنمایاں پر اُسکو خود حیرت ہے۔

اب وہی آدمی سیدھا کھڑا ہوا۔ اور مغرور نگاہوں سے اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کی نگاہیں کہتی تھیں کہ اب جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے سب اُس کا ہے۔ وحشی مستاجروں نے خوشی کے نعرے بڑے جوش و خروش سے لگائے۔ قرطاجنیوں

نے اپنے نقصان کو دیکھا کہ وہ کیسا شدید ہے۔ اور وہ حالتِ نا اُمیدی میں چیخنے چلاتے تھے۔ اب وہی آدمی نہر کے اُوپر ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس طرح دوڑتا نظر آیا۔ جیسے اولمپیا کے کھیلوں میں کسی جنگی رتھ کا ہانکنے والا بازی جیت کر خوشی میں دوڑتا ہو۔ اسپنڈیوس اس وقت غرور سے دیوانہ ہو رہا تھا اور اسی حال میں وہ اپنے دونوں ہاتھ اُونچے کئے تھا۔

باب (۱۳)

مولخ کے بت پر بچوں کی قربانی

افریقیہ اس وقت مستاجروں کے قبضے میں تھا پس اس سمت میں کسی کچے یا پکے حصار کی انہیں ضرورت نہ تھی لیکن اس خیال سے کہ فصیل قرطاجنہ تک اُن کا لشکر آسانی سے پہونچ سکے انہوں نے وہ مٹی کا بند جو خندق کے کنارے بنایا تھا گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد ماتو نے اپنی سپاہ کی تقسیم و ترتیب نصف دائرے کی شکلوں میں کی تا کہ قرطاجنہ کے گرد حلقہ ڈالنے میں اُسکی سپاہ کو آسانی ہو۔ مستاجروں میں جو سپاہی وزنی ہتیار رکھتے تھے وہ صف اول میں رکھے گئے۔ اِن کے بعد گوپھن چلانے اور مرکب سوار فوج آراستہ ہوئی۔ سب کے پیچھے سپاہ کا سامان، لڑائی کے رتھ اور کوتل گھوڑے تھے۔ اِس کل سپاہ کے آگے فصیل قرطاجنہ کے برجوں سے تین سو قدم ہٹے ہوئے بڑے بڑے قلعہ شکن آلات دھوپ میں چمکتے تھے۔

اِن آلات کے نام صدہا برس کے زمانے میں مختلف ہوتے گئے تھے لیکن جن اُصول پر وہ کام کرتے تھے وہ صرف دو تھے۔ ایک قسم کے آلوں کا فعل وہی تھا جو گوپھن یا فلاخن کا ہوتا ہے۔ دوسرے کا فعل تیر کو چھوڑنے میں کمان کا سا تھا۔

قسم اوّل کے آلات کو کٹاپلٹ کہتے تھے۔ اس کی شکل یہ تھی کہ ایک وزنی لوہے یا لکڑی کے چوکھٹے میں دو اونچی بلیاں کھڑی اور ایک عرض میں لگی ہوتی تھی۔ چوکھٹے کے آگے کے حصے میں ایک بیلن پر رسا لپٹا ہوتا تھا۔ اس بیلن سے ایک بلی یا بانس جیسے اوپر کے سرے پر ایک چمچہ یا چھینکا سا لگا ہوتا۔ اس چمچے یا چھینکے میں پتھر کنکر یا جو چیز پھینکنی ہوتی بھر دی جاتی تھی۔ بیلن کے رسّوں کو جب ڈھیلا کرتے تھے تو چھینکے والی بلی زور سے سامنے والی بلی سے ٹکراتی تھی۔ اور چھینکے کے پتھر اور کنکر اڑ کر دور جاتے تھے۔

دوسری قسم کا آلہ جس سے تیر چھوڑے جاتے تھے پیچیدہ ساخت کا تھا....

.... اس میں ایک ڈھکنے کو دبانے سے بہت سے تیر اڑتے تھے۔

کٹاپلٹ کو اونجر بھی کہتے تھے۔ لاطینی زبان میں اس لفظ کے معنی جنگلی گدھے کے ہیں۔ چونکہ یہ جانور دولتی جھاڑ کر کنکر پتھر پیچھے کے رخ اڑاتا ہے۔ اسی رعایت سے یہ نام رکھا گیا تھا۔ ایک اور آلے کو بالسٹی اسکورپین (عقرب) اس رعایت سے کہتے تھے کہ ایک تختی میں بچھو کے ڈنک کی صورت کا ایک کانٹا لگا ہوتا تھا۔ جب اس تختی پر زور سے ہتیلی مارتے تھے تو کمانی کھل جاتی تھی اور تیر اور پتھر اس سے اڑ کر دور جاتے تھے۔

ان آلات کے تیار کرنے میں بڑی صنعت اور کاریگری درکار تھی جس لکڑی سے وہ بنائے جاتے تھے وہ بہت وزنی اور سخت ہوتی تھی۔ پرزے جسقدر ہوتے تھے وہ پیتل کے ہوتے تھے۔ رسوں کے کھچاؤ یا قوت کا اندازہ بیرم چرخیوں یا بیلنوں یا پاؤں رکھکر زور دینے سے کیا جاتا تھا۔ ہر آلے کے نیچے ایک بڑا مضبوط چکّر لگا ہوتا جس سے آلے کا رخ بدلتے تھے اور پوری کل کے نیچے بیلن رکھے ہوتے تھے جس سے وہ آگے پیچھے ہٹائی جاتی تھی۔

سنگ انداز آلات جو بہت ہی بڑے اور بھاری قسم کے ہوتے اُنکے پُرزے جُدا جُدا لاکر فصیل کے قریب جوڑکر اُنکو نصب کیا جاتا تھا۔

اسپنڈیوس نے تینوں کٹاپلٹ فصیل کے تینوں گوشوں کے سامنے لگائے۔ اور دروازوں کے سامنے ایک ٹکر دینے والا آلہ جسے کیش (مینڈھا) کہتے تھے، نصب کیا۔ ہر بُرج کے سامنے ایک ایک بالسٹی اور بالسٹی کے پیچھے ایک ایک کاروباتی رکھا۔ لیکن ضرورت اسکی تھی کہ قرطاجنہ والے اِن آلوں میں آگ نہ لگا سکیں اور خندق جو مستاجروں اور فصیل میں حائل تھی اُس کو پاٹ دیا جائے تاکہ مستاجروں کو حملے کیلئے کافی میدان مل سکے۔

اب اُنہوں نے ہرے نرسلوں کے بڑے بڑے سائبان اور بلوط کی لکڑی کے بڑے بھاری آدھے آدھے گول ٹکڑے ڈھالوں کی شکل کے جن کو تین پہیوں کے ٹھیلوں پر لاد کے لائے تھے لگائے۔ جو لوگ اس وقت یہاں کام کرتے تھے وہ کچی کھالوں میں بھُس بھرے لبادے پہنے تھے۔

آلات کٹاپلٹ اور بالسٹی کی حفاظت ایک اور طرح اِس طریقے سے کی گئی کہ رسیاں سرکے میں بھگو کر اُن کا ایک جال کھڑا کیا۔ سرکے میں رسیاں اس لئے ترکیں کہ اُن پر آگ کا اثر نہ ہو۔ عورتیں اور بچے سمندر کے کنارے سے کنکر پتھر چُن چُن کر لاتے اور سپاہیوں کو دیتے۔

قرطاجنی بھی تیاریوں میں مصروف تھے۔

ہملکار نے قرطاجنہ کے لوگوں کی تسلّی کر دی تھی کہ حوضوں میں ابھی تک ایک سو تیئیس ۱۲۳ دن کے صرف کا پانی باقی ہے۔ اتنا کہنے اور ہملکار کا خود قرطاجنہ میں اس وقت موجود رہنے اور زائمف کی بازیابی سے قرطاجنیوں کو اچھی اُمیدیں بندھنے لگیں۔ اہلِ قرطاجنہ نے افسردگی دُور کی اور جو لوگ کنعانی نہ تھے وہ بھی دوسروں کے

جوش سے متاثر ہوئے۔

غلاموں کو ہتیار اتنے دے گئے کہ دارالاسلحہ خالی ہوگیا۔ شہر کے ہر باشندے کیلئے ایک مقام اور کوئی خاص کام مقرر کیا گیا۔

جن مستاجروں نے اپنے ساتھیوں کی رفاقت ترک کر کے قرطاجنیوں کا ساتھ دیا تھا اب ان میں صرف ایک سو بیس آدمی زندہ تھے۔ ہملکار نے ان سکو فوج میں افسری کا درجہ دیا۔ بڑھئی، لوہار، ہتیاروں کے بنانے والے اور جوہری سنگ باز آلوں پر تعینات کئے گئے۔ روما سے شرائط صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قرطاجنہ والے قلعہ شکن آلات اپنے پاس نہ رکھیں گے۔ باوجود اسکے معدودے چند فلاخن اور منجنیق اُن کے پاس ابتک موجود تھے۔ ان آلات کی مرمت کی اور ایسے کاموں میں قرطاجنی بڑے ہوشیار تھے۔

شہر قرطاجنہ کی دو سمتیں یعنی شمالی اور مشرقی سمت ایسی تھی کہ اس طرف سے دشمن نہ آسکتا تھا۔ ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف خلیج تھی۔ مستاجروں کے سامنے جو رُخ فصیلوں کا پڑتا تھا اُن کے اُوپر درختوں کے بڑے بڑے ٹھنے، چکیوں کے پاٹ، مٹکے جن میں گندھک بھری تھی رکھ دیئے گئے۔ اور آگ جلانے کی بھٹیاں بھی وہاں بنادی گئیں۔ بُرجوں کے چھجّوں پر پتھروں کے ڈھیر لگائے۔ شہر کے بعض مکانات جو فصیل سے ملے ہوئے تھے اُن میں ریت بھر دیا گیا۔ تاکہ فصیل کی مضبوطی اور دباغت بڑھ جائے۔

مستاجر قرطاجنیوں کی اِن تیاریوں کو دیکھکر غصے اور طیش میں آگئے۔ اور چاہتے کہ لڑائی فوراً شروع ہو جائے۔ گھبراہٹ میں اُنہوں نے اپنے کٹاپلٹوں میں اتنے پتھر بھر دئے کہ پھینکنے والی بَلیاں اُن کے بوجھ سے ٹوٹ گئیں۔ اب اور بھی مستاجروں کو حملہ کرنے میں دیر لگی۔

آخر کار ماہِ شابار کی تیرھویں تاریخ تھی کہ باب خامون پر کسی چیز کے ٹکر دینے کی
بھاری آواز سُنائی دی۔

پچھتر سپاہی ایک بڑے زبردست شہتیر کے رسّوں کو پکڑے ہوئے تھے اور شہتیر خود ایک چوکھٹے میں زنجیروں میں بندھا لٹکا تھا۔ شہتیر کی لمبائی ایک سو بیس ہاتھ کی تھی۔ آدمیوں کے برہنہ بازوؤں میں جو اسکو آگے بڑھا کر دروازے پر ٹکر دیتے تھے وہ باقاعدہ حرکت کرتے تھے۔

شہر کے دوسرے دروازوں پر بھی یہ ٹکر دینے والے آلات جو دروازوں کے سامنے نصب تھے اپنا کام کرنے لگے۔ اور آدمیوں کو دیکھا گیا کہ پاؤں سے دبانے کی جو سیڑھیاں سی آرے کو چلانے کے لئے بنی ہیں اُن پر وہ چڑھتے ہیں اور پھر نیچے ہو جاتے ہیں۔ کسی آرے سے پتھروں کی کسی سے تیروں کی بوچھاڑ شہر پر ہو رہی ہے۔ ان میں سے بعض اپنی ڈھالوں میں رال کی ہنڈیاں چھپائے فصیل کے قریب آ گئے ہیں۔ اور وہاں سے انہوں نے ہنڈیوں کو پھراکر زور سے پھینکا ہے۔ غرض یہ ہنڈیاں گولے اور تیر آگے کی صفوں کے اُوپر سے گذر کر فصیل کے اُوپر سے ہوتے ہوئے شہر کے اندر جا پڑے ہیں۔ فصیلوں پر بڑے بڑے دھکلے جو جہازوں پر مستول لگانے کے کام میں لائے جاتے تھے کھڑے کئے گئے ہیں۔ ان دھکلوں سے بڑی بڑی آہنی سنسیاں حلقوں کی شکل کی جن میں دندانے بنے تھے ٹکر دینے والے آلوں پر اتاری جاتی ہیں تاکہ وہ شہتیروں کو پکڑ کر اُوپر اُٹھالیں۔ نیچے متاجر سپاہی شہتیروں کو پیٹے سنسیوں کی سیدھ سے شہتیروں کو بچاتے ہیں۔ اُوپر قرطاجنی اس کوشش میں ہیں کہ سنسی جونہی شہتیر کو پکڑے فوراً اُسے اُوپر کھینچ لیں۔ یہی کیفیت شام تک جاری رہی۔

دوسرے دن جب پھر متاجروں نے اپنا کام شروع کیا تو کیا دیکھتے ہیں

کہ فصیل کے اُوپر کپڑوں کے سینکڑوں گٹھڑ، روئی کے بیٹھن صندوق اور کاٹ کباڑ چنا ہے اور کنگوروں میں جو سُوراخ ہیں اُن کو چٹائیاں لگا کر ڈھک دیا ہے۔ دہلکوں کے بیچ میں جو جگہ چھوٹی تھی اُن میں سے متاجروں نے دیکھا کہ لکڑیاں کھڑی کر کے اُن پر تلواریں اور لوہے کے خار لگائے گئے ہیں۔ اب قرطاجنہ والوں نے فصیل کو دشمن کے ہاتھ سے بچانے کیلئے سخت کوشش کی۔

لوہے کے تاروں میں بڑے بڑے درختوں کے تنے باری باری سے ٹکر دینے والے آلوں پر گرا کر اُن کو پاش پاش کیا یا نسیتوں کو کام میں لا کر ٹکر دینے والے آلوں کو آگ سے محفوظ کرنے کیلئے جو سائبان اُن پر قائم کئے تھے اُن کو پھاڑ دیا۔ بُرجوں کے چھجوں پر سے پتھر اور کنکر دشمن پر گرائے۔

اس پر بھی متاجروں نے خاموں اور تاگستی والے دروازے اپنے آلوں سے ٹکریں مار مار کر توڑ دیئے۔ لیکن اُن کے اندر کے رُخ قرطاجنیوں نے اتنی چیزیں لگا دی تھیں کہ کواڑ کسی دروازے کا بھی نہ کھل سکے۔ اور کواڑ بدستور سلامت رہے۔

متاجروں نے فصیل کی دیواریں پتھروں کے جوڑوں پر برمے لگائے تاکہ پتھروں کو اُن کی جگہ سے ہٹا دیں۔ اِن آلات پر باقاعدہ کام شروع ہوا۔ جو لوگ اُن پر کام کرتے تھے اُن کی ٹولیاں بنا دی گئی تھیں جو باری باری صبح سے شام تک اِن کلوں کو چلانے میں مصروف رہتی تھیں اور ہر وقت ایسی آواز آیا کرتی جو جُلاہے کے کرگھے سے پیدا ہوتی ہے۔

اسپندیوس اِن سپاہیوں کے دستوں کو برابر حکم دیتا رہا۔ اس کام سے مطلق نہ تھکا۔ بالستی کے رسّوں کو خود اپنے ہاتھ سے بل دے دے کر کستا۔ اُنکے تناؤ کو دیکھنے کے لئے کہ وہ دُرست ہے اپنا پاؤں مار کر اس کو دیکھتا اور کان لگا کر سنتا کہ اُن کی آواز یکساں ہے۔ اسپندیوس بالستیوں پر چڑھ جاتا۔ رسوں کا امتحان

ہلکے ہلکے پاؤں مار کر کرنا اور کان لگا کر اس طرح غور سے سُنتا کہ جیسے کوئی سازندہ اپنے ساز کے تاروں کو ملا کر سُنے۔ جب کمانی کے دبانے سے کٹاپلٹ کی چوب کانٹے سے علیحدہ ہو کر کنکر اور پتھر برساتی اور اس کی بلّیاں اس صدمے سے لرزتیں اور بالسپتوں سے تیر بھی ایک طرف اُڑنے لگتے تو اسپندیوس بھی اپنے پاؤں سمیت ہاتھ پھیلا ایسا انداز اختیار کرتا کہ وہ بھی جدھر پتھر اور تیر جاتے ہیں اسی طرف اُڑنے والا ہے۔

سپاہی اُس کی اس محنت اور پھرتی کی تعریف کرتے تھے۔ اور جو حکم وہ دیتا اُسکو بجا لاتے اور اپنے کام سے خوش ہو کر ان آلات کے ناموں پر لطیفے گھڑتے۔ مثلاً جو آہنی سنسیاں فصیلوں پر سے نیچے آکر ٹکر دینے والے آلوں کے شہتیروں کو پکڑنا چاہتی تھیں اُن کو "بھیڑیا" کہتے۔ اپنا نام "بھیڑ کا بچہ" اور جہاں سائبان تھے اُن کو تاکستان کے باغیچے کہتے تھے۔ اپنے تئیں وہ اُن لوگوں میں بھی شمار کرتے تھے جو انگور کے خوشے چننے نکلتے ہیں۔ جب وہ پتھر بھرتے تو ان آلات سے کہتے "بہتر ہے یہ سوغات دُشمن کو پہونچا دو" "اُن کے دلوں کو چھید ڈالو" اس قسم کے لطائف و ظرائف گو ہمیشہ ایک سے ہوتے تھے لیکن مستاجروں کی ہمت اُن سے قائم رہتی تھی۔

باوجود اس کُل اہتمام کے قلعہ شکن آلے قرطاجنہ کی فصیل کو نہ توڑ سکے۔ یہ فصیلیں اس طرح کی تھیں کہ اُن میں آگے پیچھے دو دیواریں تھیں اور بیچ میں انکے مٹی بھری تھی۔ مستاجر اپنے ان آلوں سے صرف اتنا کر سکے کہ فصیلوں کے اُوپر کے حصے کہیں کہیں سے ٹوٹ گئے۔ قرطاجنیوں نے ان ٹوٹے حصّوں کی جلد مرمت کر لی۔ ماتو نے حکم دیا کہ لکڑی کے بُرج بلندی میں فصیل کے برجوں کے برابر تیار کر لئے جائیں۔ خندق میں گھاس کے گٹھے لکڑیوں کے انبار، رتھ مع اُن کی چوبوں اور بڑے بڑے پتھر بھر دئے

گئے۔ خندق کے بھر جانے سے پیشتر مستاجروں کی فوجوں کا یہ حال تھا کہ وہ سمندر کی موجوں کی طرح لہراتی آکر فصیل سے ٹکراتی تھیں۔ اور ٹکراکر موجوں ہی کی طرح اُونچی اُڑتی تھیں۔

اب مستاجر رسیوں کی سیڑھیاں، چوبی زینے اور زنبوق لائے۔ یہ دو اونچی بلیوں میں بہت سے بانس لگے ہوتے تھے اور سب سے اُونچے درجے میں ایک جھولا سا لگا ہوتا کہ جدھر چاہیں اُس کو کھسکائیں۔ رسیوں کے ذریعے بانس اُوپر نیچے کئے جا سکتے تھے جس وقت یہ زنبوق فصیل سے لگائے جاتے تھے تو دور سے معلوم ہوتا تھا کہ فصیل پر کسی نے بہت سے سیدھے خطوط کھینچ دئے ہیں۔ مستاجر اکہری صفیں باندھ کر ایک بانس پر چڑھکر دوسرے بانس پر اور اسی طرح اور بانسوں پر ہاتھوں میں ہتیار لئے چڑھ گئے۔ اُوپر سے ایک قرطاجنی بھی نظر نہ آیا۔ حالانکہ فصیل کی دو تہائی بلندی پر پہونچ چکے تھے۔ اب فصیل کے کنگروں کے نیچے جو سُوراخ تھے وہ کھلے۔ اور جیسے اژدہے کے مُنہ سے آگ اور دُھواں نکلتا ہے اس طرح ان سے آگ اور دُھواں نکلنا شروع ہوا۔ ریت کا مینہ اُوپر سے برسا۔ یہ ریت مستاجروں کے ہتیاروں کے جوڑوں میں گُھسا۔ گرم قیر اُن کی پوشاک پر آیا۔ اور پگھلے گرم سیسے نے ٹپک کر اُنکے گوشت میں سُوراخ ڈالے۔ چنگاریوں سے اُن کے چہروں پر آبلے پڑے اور اُنکی آنکھوں کے حلقوں سے جن میں اب آنکھیں نہ رہی تھیں بادام کے برابر آنسو جاری ہوئے۔ آدمی تیل میں تر زرد بالوں میں آگ لگی ہوئی بھاگے۔ اور لوگ بھی اُن کا حال دیکھکر بانسوں سے اُترے۔ عبائیں اور قبائیں خون میں تر کرکے اُنکے چہروں پر دُور سے ڈالیں تاکہ آگ بجھے۔ بعض جو زخمی نہیں ہوئے تھے وہ بے حس و حرکت زمین میں گڑے معلوم ہوتے تھے۔ مُنہ اُن کے کھُلے اور ہاتھ پھیلے تھے۔ کئی دن تک فصیلوں پر بار بار حملہ ہوتا رہا۔ مستاجروں کو اُمید تھی کہ وہ محض جسمانی طاقت اور

بے جا حزم و ہمت سے لڑائی جیت لیں گے۔

بعض وقت یہ کرتے تھے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے کندھے پر چڑھتا اور دیوار کی ریخ میں ایک موٹی سی میخ ٹھونک کر اُس پر پاؤں رکھتا اور پھر دوسری اور تیسری میخ لگا کر پاؤں رکھتا اُوپر چڑھتا۔ فصیل کی مُنڈیر کے نیچے جو کارنس تھا اُس کی آڑ میں اکثر سپاہی اِس ترکیب سے اُوپر چڑھتے چلے جاتے۔ لیکن ایک خاص بلندی پر پہونچکر وہ ہمیشہ گر کر ہلاک ہو جاتے۔ خندق بھر چکی تھی۔ زخمی، جاں بلب سپاہی اور لاشیں اتنی پڑی تھیں کہ زندہ اُن پر پاؤں رکھکر چلتے تھے۔ آدھی جلی لاشیں آنتوں، گوشت اور مغز کے گودوں کے ڈھیروں پر سیاہ نقطے معلوم ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ تاکستان سب جل گیا ہے۔ صرف بانس کھڑے رہ گئے ہیں۔

جب سیڑھیاں ٹھریں تو اُنھوں نے تالی نون لگائے۔ یہ آلہ اس شکل کا ہوتا تھا کہ بلیوں پر ایک لمبی بلّی کو اڑا کر اُسکے سرے پر ایک بڑا ٹوکرا سا لگاتے تھے۔ اِس ٹوکرے میں تیس سپاہی ہتیار باندھے بیٹھ سکتے تھے۔

جب یہ آلہ تیار ہوا تو ماتو نے چاہا کہ وہ اس میں بیٹھکر اُوپر جائے لیکن اسپنڈیوس نے اسکو باز رکھا۔

چرخیاں لگا کر اس بلّی کو جس میں ٹوکرا تھا سپاہیوں نے اُونچا کرنا چاہا۔ بلّی مع ٹوکرے کے اُونچی ہونی شروع ہوئی۔ ہوتے ہوتے وہ سیدھی ہوئی۔ پھر ایک سرا اُونچا اور دوسرا نیچا ہونے لگا۔ جس سرے پر سپاہی تھے وہ زیادہ بوجھل تھا۔ اب بلّی جس میں ٹوکرا لگا تھا سر کنڈے کی طرح جھک کر ٹیڑھی ہو گئی۔ ٹوکرے میں سپاہی پاس پاس کھڑے تھے۔ اُن کے چہرے صرف باہر تھے۔ اُنکی ٹوپیوں میں جو پَر لگے تھے سوائے اُن کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ آخر کار جب بلّی پچاس ہاتھ

اُونچی ہوتی تو وہ کبھی دائیں کبھی بائیں ہلی۔ اور پھر نیچے بیٹھنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آلہ کوئی دیو ہے جو بالشتیوں کی فوج کو ہاتھ میں اُٹھاکر ایک اُونچی دیوار کی منڈیر پر رکھتا ہو۔ متاجر سپاہی جو ٹوکرے میں تھے ٹوکرے سے کُود کُود کر فصیل کے دوسری طرف بھیڑ میں غائب ہو گئے۔ پھر کسی نے اُن کو اپنے لشکر میں واپس آتے نہ دیکھا۔

باقی تالی لون آلے بھی متاجروں نے بڑی عجلت سے فصیل کے قریب لگائے۔ لیکن قرطاجنہ جیسے شہر کو کم سے کم سو گنے ایسے ہی آلات کی ضرورت تھی جسقدر ایسے آلے پاس تھے اب اُن سے دوسرے طریقے سے زیادہ کشت و خون کا کام اس طرح لیا گیا کہ ٹوکرے میں حبشی تیر اندازوں کو بٹھایا۔ ٹوکرے کو اُونچا کرکے قائم کیا گیا۔ اور یہاں سے حبشی تیر اندازوں نے زہر کے بجھے تیر محصوروں پر برسانے شروع کئے۔ اس طور پر پچاس تالی لون آلات شہر کی فصیلوں کے گرد گدھوں کی طرح حلقہ باندھکر جم گئے۔ حبشی تیر انداز دیکھتے تھے کہ فصیل پر قرطاجنی سپاہی تیر کے لگتے ہی کس طرح تڑپ تڑپ کر مرتے ہیں۔ حبشی یہ تماشہ دیکھکر خوب ہنستے اور خوش ہوتے تھے۔

ہملکار نے ان سپاہیوں کو جو فصیل پر تھے اُن کو ہٹاکر فصیل کی حفاظت وزنی ہتیار رکھنے والے سپاہیوں کو سپُرد کی۔ ان سپاہیوں کو روز صبح کے وقت چند خاص جڑی بوٹیوں کا عرق پلایا جاتا تھا کہ تیروں کا زہر اُن پر اثر نہ کرے۔

ایک دن شام کو جبکہ آسمان پر بادل گھرے تھے ہملکار نے اپنی فوجیں جہازوں اور بیڑوں پر بٹھاکر روانہ کیں اور حکم دیا کہ بندرگاہ سے نکلتے ہی وہ دائیں ہاتھ کو مُڑ جائیں۔ بندرگاہ سے نکل کر یہ جہاز بندر تینیا میں پہونچے۔ اور جہازوں سے

اُتر کر یہ فوج مستاجروں کی صفوں کے پہلو میں آئی۔ اور زبردست حملہ کر کے ان میں ہزاروں کو قتل کر دیا۔ رات ہوئی تو قرطاجنی رسّیوں کے ذریعے مشعلیں ہاتھ میں لئے فصیلوں سے نیچے اترے۔ مستاجروں کے قلعہ شکن آلات میں انہوں نے آگ لگا دی۔ اور پھر اُوپر چڑھ گئے۔

ماتو کی ہٹ اور ضد کی اب انتہا نہ رہی۔ ہر رکاوٹ اور مزاحمت اُسکے قہر اور غصّے کو بڑھاتی تھی۔ درحقیقت ماتو نے جسقدر کام کئے وہ نہایت سخت اور شدید تھے۔ دل ہی دل میں سلامبو کو حکم دیا کہ وہ سامنے حاضر ہو۔ اور انتظار کرنے لگا۔ جب وہ نہ آئی تو اُسکو دوبارہ بغاوت کا مرتکب سمجھکر اس سے عداوت و نفرت کرنے لگا۔ اگر وہ کہیں سلامبو کو مُردہ پڑا دیکھ لیتا تو یقینی وہ اس جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر کے کہیں روانہ ہو جاتا۔ دُور کی چوکیوں پر سپاہیوں کی تعداد دو چند کر دی۔ فصیل کی جڑ میں آہنی خار اور گولے جن میں تیز نوکیں نکلی تھیں بچھوا دئے۔ لیبیہ والوں کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور پورا ایک جنگل اُٹھا لائیں تاکہ اس میں آگ لگا کر قرطاجنیوں کو اس طرح پھونک دے جیسے لومڑیوں کے بھٹ میں آگ لگا کر انکو غارت کیا جاتا ہے۔

اسپنڈیوس بدستور حزم و استقلال کے ساتھ محاصرے میں مصروف رہا۔ اور اُن سے ایسے ایسے مہلک اور قہر افگن آلاتِ حرب بنائے جو پہلے کسی نے نہ بنائے تھے۔

مستاجر جو محاصرے میں کام نہ کرتے تھے وہ فصیلوں سے کچھ دُور پڑاؤ ڈالے پڑے رہے۔ وہ اس بات پر متعجب تھے کہ شہر کو فتح کرنے میں اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ جب محاصرے میں زیادہ دن لگے تو وہ بڑبڑانے لگے۔ اب ان مستاجروں کو بھی حکم ہوا کہ دشمن پر حملہ کریں۔

اُنہوں نے شہر پر حملہ کیا۔ جاوکن اور تلواروں سے شہر کے دروازوں کو توڑنا چاہا۔ قرطاجنیوں نے اُنہوں نے بکثرت قتل کیا۔ بہت سے متاجر اُن کے قتل پر خوش ہوئے کیونکہ اُنہوں نے غنیمت کا مال بہت جمع کر لیا تھا۔ جس پر اُن کا دانت بھی تھا۔ اب آپس میں نزاع اور جھگڑے ہونے لگے۔ چونکہ ارد گرد کا ملک ویران ہو چکا تھا۔ اب ایک نے دوسرے کے آزوقہ پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ انکی ہمتیں پست ہوئیں۔ اور اُنکے بہت سے غول اپنے گھروں کو چلتے ہوئے۔ مگر متاجروں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ اُنکے چلے جانے سے کچھ فرق پیدا نہ ہوا۔

متاجروں میں جو لوگ ہاتھ پاؤں کے زیادہ مضبوط تھے اُنہوں نے اب سُرنگیں کھودنی شروع کیں۔ لیکن مٹی میں ریت زیادہ تھا۔ جب کچھ دور سُرنگ کھود تے تو مٹی آن پڑتی۔ اب ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ سُرنگ کھودنی چاہی۔ ہملکار برنز کی ایک سپر پر کان لگائے تھا۔ جدھر یہ سُرنگ کھودنے والے جاتے اُسے معلوم ہو جاتا۔ متاجروں کے چوبی بُرج جس طرف حرکت کرتے ہملکار اُنکے راستے میں سُرنگ کھدواتا۔ جب وہ چوبی بُرج حرکت میں لائے جاتے تو سُرنگوں میں گر کر غارت ہو جاتے۔

آخر کار سب نے یہ بات تسلیم کی کہ جب تک ایک بند بلندی میں اتنا ہی ہو جتنی کہ فصیل ہے شہر کے گرد قائم نہ کیا جائیگا اس وقت تک شہر کا فتح ہونا غیر ممکن ہے۔ اس میں فائدہ یہ ہوگا کہ متاجر قرطاجنیوں سے ایک ہی سطح پر جنگ کر سکیں گے۔ بند قائم کرنے کے بعد اُسکی چوٹی پر کنکر پتھر بچھا کر اُسکو پختہ کر دیا جائیگا۔ تاکہ متاجروں کے آلات قلعہ شکن اُس پر نقل و حرکت کر سکیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر قرطاجنہ اپنے دشمن کو ہرگز دفع نہ کر سکیگا۔

اب اہلِ قرطاجنہ کو پانی کی قلت سے پیاس کی تکلیف پہونچنے لگی۔ محاصرے کے

شروع میں پانی ایک بت وزن میں دو کیستیہ میں خریدا جاسکتا تھا۔ اب اتنا ہی پانی ایک چاندی کے شیقل میں ملتا تھا۔ گوشت اور اناج کے ذخیرے بھی اب ختم ہونے کو آئے۔ اور خوف ہوا کہ کہیں قحط نہ پڑ جائے۔ بعض لوگوں میں یہ چرچا ہوا کہ شہر میں ایسے کھانے والے زیادہ ہیں جو کسی مصرف اور کام کے نہیں۔ اِس بات سے عام طور پر شہر کے لوگوں میں اندیشہ پیدا ہوا۔

خامون کے چوک سے لیکر ملک قرت کے ہیکل تک راستوں پر مُردے ہی مُردے پڑے نظر آتے تھے۔ چونکہ گرمی کا موسم ختم ہونے کو تھا اس لئے کالی مکھیوں کی بڑی کثرت ہوئی۔ سب پریشان تھے۔ بڈھوں نے زخمیوں کو اُٹھایا۔ جو لوگ مذہب کے پابند تھے انہوں نے اصرار کیا کہ اُن کے عزیز اور دوست جو اِس جنگ میں دور دراز موقعوں پر مارے گئے ہیں اُن کے مراسم تجہیز و تکفین معقول طور پر ادا کئے جائیں۔ چنانچہ موم کی مورتیں جن پر بال بھی لگائے گئے تیار کر کے گھروں کے دروازوں پر رکھی گئیں۔ اُن کے گرد شمعیں روشن کیں جن کی گرمی سے موم پگھلا۔ سر اور بالوں کا رنگ بہ بہ کر ان مورتوں کے چہروں اور پیشانیوں پر آیا۔ اِدھر ان بے جان مورتوں کے چہروں پر رنگ بہتا اُدھر زندوں کے رخساروں پر آنسو بہتے۔ حاضرین قریب کھڑے نہایت دردناک آواز میں غمگین اور افسردہ کرنے والے گیت گاتے۔ اِس اثنا میں لوگوں کے بڑے بڑے گروہ اِدھر سے اُدھر بھاگتے پھرتے۔ سپاہی ہتیار لگائے پاس سے گذرتے۔ فوجی افسر فوجیوں کو للکار للکار کر حکم دیتے مگر فصیلوں پر دیوار شکن آلات کی ٹکروں اور دھکوں کی آواز برابر سنائی دیتی۔ گرمی اتنی تیز ہوئی کہ مُردے پھول گئے اور تابوت کے صندوقوں میں وہ نہ سما سکے۔ پس بجائے دفن کرنے کے گھروں کے صحنوں میں لاشیں جلائی گئیں۔ آگ چونکہ مکانوں کے قریب تھی اسلئے پاس کے مکان جلنے لگے۔ اور اُنکے شعلے اس طرح اُٹھے جیسے کسی رگ کے

کٹنے سے خون کی دھاریں اڑتی ہیں۔

اسوقت قرطاجنہ پر موت کا عمل دخل تھا۔ موت نے اپنے آہنی بازوؤں میں شہر کی فصیلوں اور اسکے جملہ استحکامات کو پکڑ رکھا تھا اور موت ہی راستوں میں گشت لگا کر مُردوں کو کھاجاتا تھا۔

بہت لوگ حالتِ مایوسی اور نا امیدی میں پھٹے پرانے چیتھڑوں کو گانٹھ کر اُن کی عبائیں بناتے اور انہیں پہن کر چوراہوں پر جہاں راستے ملتے تھے جا کھڑے ہوتے۔ اور وہاں تقریریں کر کے فدا مارریاست اور حملکار پر اپنے دل کا زہر اگلا۔ سُننے والوں کو یقین دلایا کہ اب قطعی تباہی اور غارتگری چند لمحوں کی بات ہے۔ اور اُن کو ہدایت کی کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ جو دل میں آئے وہی کرو۔ اور اس عام غارتگری میں خود بھی شریک ہو جاؤ۔ ان میں سب سے خطرناک وہ لوگ تھے جو حنا کا عرق پیتے تھے۔ نشہ ہوتے ہی وہ اپنے تئیں جنگلی درندہ سمجھنے لگتے اور راہ چلتوں کو پکڑ کر اُن کو پھاڑ ڈالتے۔ اب لوگوں کا ہجوم اُن کے گرد ہونے لگا اور قرطاجنہ کو دشمن سے بچانے کا خیال ذہن سے دُور ہوا۔ حملکار نے سوچا کہ لوگوں کو اپنی تدبیروں کا حامی بنانے کیلئے کچھ جیب سے خرچ کرنا چاہیئے۔

اس خیال سے آسمان کے خداؤں کی حمایت اور جوش قائم رہے۔ شہر میں جس قدر بُت تھے اُن کی گردنوں میں زنجیریں اور طوق اور اپنے اسلاف کے بُتوں کے چہروں پر سیاہ نقاب ڈالے۔ قربانگاہوں پر کمبل بچھائے۔ بعلیم کو غیرت دلانے کیلئے شہر والے اُن کے بُتوں کے کانوں کے پاس اپنے منہ لاکر ایسے گیت گانے لگے جن کا مضمون تھا "کیا تم دشمن سے مغلوب ہونا چاہتے ہو۔ کیونکہ وہ طاقت میں تم سے بڑھکر ہیں پس نمودار ہو اور ہماری مدد کرو تاکہ قومیں ہم سے یہ نہ پوچھیں کہ تمہارے خدا کدھر چلے گئے تھے۔"

کاہنوں کی مختلف جماعتیں بھی آئے دن کی پریشانیوں سے بہت مضمحل تھیں، خاص کر وہ جماعتیں جن کا تعلق رتبتاً (یعنی تانیت) سے تھا۔ وہ یہ ڈرتی تھیں کہ زائمف کو ہم میں پھر آگیا ہے مگر اب وہ بے اثر ثابت ہو رہا ہے۔ پس کاہن ہیکلِ تانیت کے تیسرے حرم میں جا بیٹھے جو حقیقت میں ایک قلعے کی مثل محفوظ و مصئون تھا۔ ان میں کاہنِ اعظم شاہابریم صرف ایسا شخص تھا جو باہر آتا جاتا تھا، چنانچہ سلامبو سے ملاقات کو گیا۔ ملاقات میں یا تو چپ کھڑا رہا یا سلامبو کی طرف نظر جمائے رہا۔ کوئی رکیک لفظ ایسا نہ تھا جو اسکی زبان پر نہ آیا ہو۔ اور سلامبو کی تشنیع میں جیسے سختی اسوقت کی تھی کبھی پہلے نہ کی تھی۔

گو یہ حالت عجیب متضاد تھی، مگر شاہابریم سلامبو کی کبھی یہ بات معاف نہ کر سکا کہ کیوں وہ اُس کا حکم بجا لائی۔ شاہابریم نے قیاس دوڑا کر جو کچھ جیسے میں گذرا تھا معلوم کر لیا اور اس علم کے بعد جو بار بار ذہن میں آتا تھا رشک و حسد بالخصوص اپنے عنین ہونے کی وجہ سے اور بڑھتا۔ اور کچھ بس نہ چلا تو سلامبو سے کہنے لگا کہ "تو ہی اس جنگ کا باعث ہوئی ہے" اگر شاہابریم کے خیال کو باور کیا جائے تو وہ یہ تھا کہ ماتو کا اس وقت قرطاجنہ کا محاصرہ صرف اس غرض سے تھا کہ زائمف کو پھر وہ اُڑا لے جائے، چنانچہ اس کاہنِ اعظم نے اب ماتو کی نسبت طعن و تشنیع کرنی اور اسکو بددعائیں دینی شروع کیں اور کہا کہ ہیکل کی متبرک و مقدس چیزوں پر وہ قبضہ کرنا چاہتا ہے لیکن حقیقت میں ماتو کو برا کہنے کی یہ وجہ نہ تھی جو وہ ظاہر کرتا تھا۔

سلامبو کو اب اس کاہن کا مطلق خوف نہ رہا تھا۔ اعصاب کی کمزوری جسکی شکایت سلامبو کو پہلے تھی اب باقی نہ تھی۔ اب اُس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا سکوت و سکون رہتا تھا۔ نگاہیں وہ پہلی سی وحشت نہ تھی۔ اور آنکھیں روشنیوالی

کے شعلے معلوم ہوتی تھیں۔

آجکل سلامبو کا سانپ پھر بیمار پڑ گیا تھا۔ چونکہ سلامبو اب تندرست تھی اسلئے تنعاخ اُس کی بُڑھیا دایہ یہ سمجھتی تھی کہ سانپ نے سلامبو کے مرض کو سلب کر لیا ہے اسی وجہ سے وہ بیمار ہے۔

ایک دن صبح کے وقت اُس نے دیکھا کہ سانپ اس کوچ کے پاس جو چمڑے کے تسموں سے بُنا تھا کُنڈلی مارے بیٹھا ہے اور برف کی مثل سرد ہے۔ سر پر ہزارہا حشرات الارض لپٹے ہیں۔ تنعاخ نے یہ دیکھکر چیخنا شروع کیا۔ سلامبو دایہ کی چیخیں سُن کر آئی اور اپنی پاپوش کی نوک سے اُس نے سانپ کو چھیڑا۔ تنعاخ کو سلامبو کی اِس بے اعتنائی پر تعجب ہوا۔

ہملکار کی بیٹی اب روزے رکھنے میں وہ شغف نہ رکھتی تھی جو پہلے تھا۔ کئی کئی دن تک اپنے بالاخانے سے نیچے نہ اُترتی۔ وہیں کٹھرے پر کہنیاں رکھے سامنے جو کچھ گذرتا اس کا تماشہ دیکھتی۔ شہر سے دوسری طرف فصیلوں کی چوٹیاں ٹیکری سی بناتی اُفق کے مقابل نظر آتیں۔ سپاہیوں کے برچھے اناج کے بالوں کی طرح کھڑے فصیل پر اس سرے سے اُس سرے تک دکھائی دیتے۔ اس سے آگے نگاہ جاتی تو بُرجوں کے بیچ میں سے میدان نظر آتا اور وہاں مستاجروں کی فوجیں نقل و حرکت کرتی دکھائی دیتیں۔ جس دن لڑائی بند رہتی تو وہ مستاجروں کو میدان میں کام کاج کرتے دیکھتیں۔ اور ان کاموں کو وہ سمجھ بھی لیتے کہ وہ کیا ہیں۔ کبھی دیکھتی کہ وہ اپنے ہتیاروں کی مرمت کرتے ہیں۔ کبھی دیکھتی کہ بالوں میں تیل ڈالتے ہیں۔ یا دیکھتی کہ سمندر میں کھڑے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں سے خون کے داغ دھو رہے ہیں۔ خیموں کے دروازے بند نظر آتے۔ بارکش جانور چارہ کھاتے دیکھتی۔ اور لڑائی کے رتھ نصف دائرے کی شکل میں کھڑے ہیں اور اُنکی درانتیاں اور

تلوار سے زیادہ اونچا نہ تھا۔ بھنووں کے اوپر ماتھے پر گھونگر والے بال بکھرے تھے۔ آنکھوں کو دیکھئے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ بڑے بڑے میدانوں کی حالت و حقیقت سے آگاہ ہونے کی طرف راغب و مائل ہیں۔ اس کی نازک ناک کے نتھنے زور زور سے پھڑکتے تھے۔ مہیبت مجموعی پر وہی شان و شوکت برستی تھی جو اُن لوگوں پر برسا کرتی ہے جو دُنیا میں بڑے بڑے مقاصد کو انجام دینے کے لئے قدم رکھتے ہیں۔ جب اس لڑکے نے گوسپند کی کھال کا بھاری لبادہ اُتار دیا تو وہ کمر سے ایک عناق کا پوستین پہنے نظر آیا۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے پاؤں برہنہ اور گرد سے سپید ہو رہے تھے۔ وہ اپنے پاؤں بڑی مضبوطی سے کمرے کے سنگین فرش پر جمائے کھڑا تھا۔ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ یہ بچہ سمجھ گیا تھا کہ اس وقت نہایت اہم معاملات پر گفتگو ہو رہی ہے اور اس وجہ سے وہ بالکل خاموش ایک ہاتھ کمر پر رکھے کھڑا رہا۔ تھوڑی نیچی کئے تھا اور ایک اُنگلی مُنہ میں دئے ہوئے تھا۔

آخرکار ہملکار نے بیٹے کو اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور چپکے چپکے اُس سے کچھ باتیں کیں۔

"سلامبو تم اس بچے کو اپنے کمرے میں رکھو۔ یہ بھی ہو یا نہیں۔ اور اس بات کا علم کسی کو حتیٰ کہ گھر کے آدمیوں کو بھی نہ ہو۔"

جب ہملکار اور ایدی بعل کمرے سے باہر آئے تو ہملکار نے اُس سے دریافت کیا کہ "تم کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ تم کو اور اس بچے کو کسی نے نہیں دیکھا ہے؟"

ایدی بعل بولا "چونکہ قرطاجنہ کے تمام صوبہ جات میں کوئی مقام ایسا باقی نہیں ہے جہاں لڑائی نہ چھڑی ہو اس لئے مجھے اپنے آقا کے اس فرزند کی

حفاظت کی فکر دامنگیر ہوئی۔ چونکہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں اسکو چھپاؤں اس لئے میں نے سمندر کے ساحل کو کشتی میں بیٹھکر طے کیا۔ تین دن تک خلیج میں چکّر کاٹتا رہا، فصیلوں کی طرف اپنی نظر جمائے رکھی۔ آخر کار آج شام کو ہیکل خامون کے مضافات میں جو بظاہر ویران معلوم ہوتے تھے وہاں آیا۔ اور تیز قدم وہاں سے گزر کر بندرگاہ کے دروازے کو کھلا دیکھا پس دارالصنعت کے قریب کشتی سے اُتر کر زمین پر قدم رکھا"

اسکے بعد ہی متاجروں نے جہازوں کا ایک بیڑا بندرگاہ کے سامنے اِس غرض سے کھڑا کیا کہ کوئی قرطاجنی شہر سے نکل کر سمندر پر نہ آسکے۔ انہوں نے اپنے چوبی بُرجوں کی بلندی زیادہ کی اور اسی طرح فصیلوں کے گرد جو بند انہوں نے باندھنا شروع کیا تھا اسکو بھی چوڑا کرنا چاہا۔ قرطاجنیوں کی راہوں کا بند کرنا اور شہر میں قحط پڑنا ایک ہی وقت کی بات تھی۔

قرطاجنہ میں جتنے کُتّے خچّر اور گدھے تھے ان سب کو مار کر قرطاجنی جب کھا چکے تو پندرہ ہاتھی جو ہملکار نے پکڑ لیا تھا اُن کی باری آئی۔ ہیکل موسخ کے شیر بھوک سے باؤلے ہو رہے تھے۔ ان شیروں کے رکھوالے جو واجب التعظیم مانے جاتے تھے وہ اب اُن کے پاس تک نہ جاتے تھے۔ پہلے تو وحشی متاجروں میں جو زخمی ملا اس کو شیروں کے سامنے ڈالتے۔ پھر اُن کے سامنے ایسے مُردے ڈالے گئے جن کے جسم ابھی تک ٹھنڈے نہ ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے ان مُردوں پر مُنہ نہ ڈالا۔ غرض اس طرح جتنے شیر تھے سب ایک ایک کرکے فاقوں سے مر گئے۔

قرطاجنی فصیلوں کے گرد شہر کے اندر شام کے وُھندلکے میں پھرا کرتے۔ پتھروں کی ریخوں میں سے گھاس اور کچھ پھول توڑ کر لاتے اور انکو شراب میں جوش دیکر اپنا گذر کرتے۔ شراب آج کل قرطاجنہ میں پانی سے سستی تھی۔ بعض منچلے ایسے بھی

تھے کہ مستاجروں کی دُور کی چوکیوں پر پہونچکر سپاہیوں کے خیموں میں گھس اُنکے کھانے پینے کی چیزیں چُرا لاتے۔ مستاجر اگر دیکھ لیتے تو اُن کی اس حرکت پر وہ اس قدر حیرت زدہ ہوتے کہ اُن کو صحیح سلامت جانے دیتے۔ آخر کار ایک دن ایسا آیا کہ قدماء ریاست نے ربِّ عشمون کے متبرک گھوڑوں کو اپنے لئے مار کر نوش کرنا چاہا۔ ان گھوڑوں کو مارنا حرام تھا۔ عشمون کے کاہن ان گھوڑوں کے ایال کو سنہری مقیش سے گوندھا کرتے تھے۔ ان کے وجود سے عبارت آفتاب کی گردش تھی اور آفتاب نار یا آتش کا سب سے اعلیٰ تخیل تھا۔ غرض قدماء نے ان گھوڑوں کو مار کر اُن کے گوشت کو آپس میں برابر کے حصوں میں تقسیم کیا۔ اور سب نے اپنا اپنا حصہ قربانگاہ کی پشت پر چھُپا کر رکھدیا۔ اور اب قدماء کسی مذہبی رسم میں شرکت کا بہانہ کر کے ہیکل میں روز رات کو آتے اور چھُپ کر گھوڑوں کا گوشت کھاتے اور کچھ دامن میں چھُپا کر اپنے بچّوں کے لئے گھر لے جاتے۔ شہر کے ویران محلوں میں جو قرطاجنہ کی فصیل ہی فاصلہ پر تھے ایسے لوگ جو زیادہ مفلس نہ تھے وہ دوسروں کے خوف سے اپنے گھروں کے دروازے بند کئے رکھتے۔

منجنیقوں کے پتھروں اور خود قرطاجنیوں کے غارتگر حملوں نے جو شہر کو بچانے کیلئے کئے تھے شہر کی عمارتوں کو ڈھا کر پتھروں اور چُونے کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ دن کو جب سب طرف سناٹا ہوتا تو آدمیوں کے غول کے غول ان پتھروں کے تودوں کے پاس سے غل مچاتے ہوئے نکلتے اور حصنِ قرطاجنہ سے دیکھا جاتا تھا تو جابجا آگوں کا لگنا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لال لال جھنڈیاں شہر کی سپاٹ چھتوں پر ہوا میں لہرا رہی ہیں۔

دُشمن کے تین بڑے منجنیق بہت کچھ غارتگری کر چکے تھے۔ مگر ابھی اُنکے پتھروں کی بارش نہ ہوئی تھی۔ ابتک جو نقصان اُن سے پہونچا تھا وہ کچھ کم

نہ تھا۔ اور یہ نقصان بھی عجیب قسم کا تھا چنانچہ ایک آدمی کا سر اڑتا ہوا سائیتیا کی کھڑکی کی محراب پر نظر آیا۔ کی نیسدو کے بازار میں سنگ مرمر کا ایک ٹکڑا اڑتا ہوا آیا اور ایک عورت جس کا وضع حمل ابھی ہوا تھا اس پتھر سے کچل گئی۔ اور اس کا بچہ مع نہالچے کے کالی ناسن کے چوک میں پڑا ملا۔

سب میں زیادہ نقصان اور ضرر پہونچانے والے فلاخن اندازوں کے گولے ہوتے تھے۔ یہ کبھی چھتوں پر کبھی باغوں میں کبھی گھروں کے صحنوں میں گرتے اور اکثر گھروں میں اس وقت گرتے جبکہ گھر کے رہنے والے مصیبت کی کمائی ہوئی روٹی خوف اور تکلیف کی حالت میں کھانے بیٹھتے۔ ان ہلاکت انگیز گولوں پر طرح طرح کی عبارت اس طور پر کندہ ہوتی کہ جس چیز پر وہ گولے لگتے اُس پر وہی عبارت چھاپ دیتے۔ چنانچہ لاشوں پر اس قسم کے الفاظ پڑھے جاتے "سور کی" "گیدڑ" "کیڑا" بعض پر توہین کے ایسے جملے ہوتے "پکڑتے نہیں" "بدلا کیوں نہیں نکالتے"

فصیل کا وہ حصہ جو بندرگاہوں کے گوشے سے تالابوں تک گیا تھا منہدم ہو چکا تھا۔ ملقہ کے رہنے والے دیکھ رہے تھے کہ اب بربرا کے بربسا کی شہر پناہ اُنکے عقب میں ہے اور مستاجر سامنے ہیں۔ لیکن قرطاجنیوں کو فصیل کے آثار بڑھانے اور اس کو بلند کرنے سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ اس منہدم حصے کی طرف متوجہ ہوتے۔ پس ملقہ کے جسقدر رہنے والے تھے وہ سب مارے گئے۔ گو بالعموم ان لوگوں سے نفرت کی جاتی تھی لیکن اب لوگوں کو ہملکار سے بھی بیزاری پیدا ہوئی۔

دوسرے دن ہملکار نے اپنے اناج کے ذخیرے کھلوا دئے۔ اور اُسکے ملازموں نے اناج لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ تین دن تک سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔

لیکن اب پیاس کی شدت ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ اب ہر وقت انکی آنکھیں وہ صاف پانی کی چادر جو محرابوں والی نہر سے گر کر میدان میں ایک دریا سا بناتی تھی رہنے لگی۔ دھوپ میں ہلکے ہلکے بخارات اس پانی کی چادر پر نظر آتے۔ ایک طرف کو دھنک بھی دکھائی دیتی۔ اور ایک چھوٹی سی ندی اسی پانی کی میدان میں سے گذر کر خلیج میں گرتی دیکھتے۔

ہملکار سے کوئی علامت کمزوری کی ظاہر نہ ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسے سانحہ عظیم کا منتظر ہے جو اپنی نوعیت میں غیر معمولی اور لڑائی کا قطعی فیصلہ کرنے والا ہے۔

خود ہملکار کے غلاموں نے ملک قرۃ کے ہیکل سے چاندی کی چادریں اکھاڑیں چار لمبی کشتیاں بندرگاہ سے رستوں کے ذریعے کھینچکر ماپیلا کے نیچے جو سمندر کا کنارہ تھا لائی گئیں۔ یہاں دیوار میں ایک نقب لگائی۔ کشتی پر جو لوگ سوار تھے وہ ملک گالیہ کو اجرت پر فوجیں بھرتی کرنے کے لئے روانہ کئے گئے۔ ہملکار کو بڑی پریشانی اس بات کی تھی کہ بادشاہ نومیدیا سے نامہ و پیام نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس سمت میں تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ ہملکار کو اس بات کا علم تھا کہ اس بادشاہ کی فوجیں دشمن کے عقب میں قرطاجنہ کی کمک پر آنے کو تیار کھڑی ہیں۔ اور وہ متاجروں پر حملہ کرنے کی بھی منتظر ہیں۔ لیکن بادشاہ نومیدیا نرہیوا اس ایسا کمزور آدمی تھا کہ وہ تنہا اپنے کو کسی خطرے میں ڈالنا پسند نہ کرتا تھا۔ اس اثناء میں ہملکار نے قرطاجنہ کی فصیل کو بارہ بالشت اور بلند کر دیا تھا۔ دارالصنعت سے سامان لاکر حصنِ قرطاجنہ میں جمع ہوتا رہا اور اب آلاتِ قلعہ شکن کی مرمت ایک مرتبہ اور ضروری ہوئی۔

کٹاپلٹوں میں جو بٹی ہوئی رسیاں لگی تھیں اُن کو نکال کر بیلوں دوبارہ گھو

کی گردنوں کے پٹھے نکال کر اور ان کو بل دیکر اُن کی جگہ لگانے کا منشا ظاہر کیا گیا۔ لیکن قرطاجنہ میں نہ بیل تھا اور نہ بارہ سنگھا۔ ہملکار نے قدما رسے درخواست کی کہ وہ اپنی بیویوں کے سر کے بال کاٹ کر دیں۔ تمام عورتوں نے اپنے سروں کے بال شہر کی سلامتی پر تصدق کیے۔ لیکن ان کی مقدار کافی نہ ہوئی۔ بارہ سو لونڈیاں جن کی عمر شادی کے قابل تھی اور وہ سب یونان میں کسب کرنے کیلئے روانہ ہونے والی تھیں سی سیتیا کی عمارت میں رہتی تھیں۔ اُن کے بال طرح طرح کے روغن ملنے سے زیادہ لوچدار ہوگئے تھے۔ ہملکار نے سوچا اگر ان لونڈیوں کے بال دستیاب ہو جائیں تو وہ منجنیقوں میں رسیوں کی جگہ خوب کام دیں۔ مگر انکے بال کاٹنے میں مالی نقصان کا احتمال بہت تھا۔ آخر کار تجویز ہوا کہ عوام کی بیویوں کے سر کے بال کاٹ لئے جائیں۔ لیکن اُن کو ملک کی ضرورتوں کی چنداں پروانہ تھی۔ جب سرکاری بال تراشوں کو انہوں نے اپنی طرف آتے دیکھا تو پاگلوں کی طرح چیخنے چلانے لگیں۔

جب مستاجروں کا جوشِ غیظ و غضب دوچند ہوا تو لوگ دیکھتے تھے کہ مُردوں کو چیر چیر کر اُن کی چربی نکالتے اور اسی سے اپنے سنگ اندازآلوں میں چکنائی دیتے۔ بعض مُردوں کے ناخن کاٹ کاٹ کر اُن کو سی کر زرہ کے کُرتے تیار کرتے۔ پھر یہ ترکیب نکالی کہ ہنڈیوں میں سانپ بچھو بھر کر منجنیقوں سے قرطاجنہ کے شہر میں پھینکنی شروع کیں۔ یہ ہنڈیاں سانپ بچھوؤں سے بھر بھر کر حبشی لایا کرتے تھے۔ ہنڈیاں شہر میں پتھروں کے فرش پر گر کر ٹوٹتیں۔ سانپ اور بچھو دوڑتے نظر آتے۔ ان کی تعداد بڑھی اور قدرتی طور پر وہ فصیل میں سے بکثرت نکلنے لگے۔ مستاجر اپنی اس ایجاد سے بھی چنداں خوش نہ ہوئے۔ اور انہوں نے ہر قسم کی غلاظت اور گندگی کھرچ کھرچ کر منجنیقوں میں بھری اور شہر پر انہیں

پھینکنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہر میں وبا پھیلی۔ قرطاجنیوں کے دانت جھڑنے شروع ہوئے اور مسوڑوں کا رنگ ایسا بگڑا جیسے اونٹ کا حال دور کے سفر کے بعد ہوتا ہے۔

مستاجروں نے فصیل قرطاجنہ سے ہم سطح جو بند باندھنا شروع کیا تھا وہ کہیں کہیں ابھی فصیل کی بلندی تک نہ پہونچا تھا۔ مگر انہوں نے جتنا تیار ہوا تھا اُسی پر پتھر اور تیر پھینکنے کے آلات نصب کئے۔ فصیلوں میں تیئیس ۲۳ برج تھے۔ اُن کے سامنے مستاجروں نے تیئیس ۲۳ چوبی برج قائم کئے۔ تمام آلات توپ خانہ کی نشستیں بدلی گئیں۔ اور انہی میں کسی قدر پیچھے کے رخ ایک بڑا زبردست آلہ جسے ہیلی پولس کہتے تھے اور جو در اصل دیمیتریوس پولی اورکیتس کا مخترع تھا اور اس وقت اسپندیوس نے اس کو از سر نو تیار کیا تھا نصب کیا۔ یہ آلہ اہرام مصری کی شکل کا تھا اور صورت اسکی منارہ اسکندریہ سے مشابہ تھی۔ بلندی اُس کی ایک سو تیس ہاتھ کی اور موٹائی ۲۳ ہاتھ تھی۔ اس میں نو درجے تھے ہر اوپر کا درجہ نیچے کے درجے سے چھوٹا ہوتا گیا تھا۔ حفاظت کی غرض سے اُس کے چاروں طرف پیتل کی چادریں چڑھائی گئیں۔ اس مہیب اور زبردست آلے میں بہت سے دروازے تھے۔ سب میں سپاہی بھرے نظر آتے۔ سب سے اونچے درجے پر ایک منجنیق نصب تھا۔ اس آلے کے سہارے کیلئے دونوں طرف بالستی آلے لگائے تھے۔

جو لوگ شہر کو دشمن کے حوالے کرنا چاہتے تھے اُن کو سزا دینے کے لئے ہملکار نے سولیاں اور صلیب کھڑے کر دئے تھے۔ شہر کے لوگ رات کو سڑکوں اور راستوں پر سوتے تھے، اور سخت فکر اور تردد کی حالت میں واقعات جو پیش آنیوالے تھے اُن کے منتظر تھے۔

ایک دن سورج نکلنے سے پہلے ماہ نیساں کی ساتویں تاریخ انہوں نے

ایک بڑے زور کی آواز سُنی جس میں تمام مستاجر شریک تھے۔ بڑے بڑے نفیروں اور پھلا گوتی نرسنگھوں کا شور ہوا۔ نرسنگھوں کی آواز ایسی تھی جیسے بیل ڈکار تے ہوں۔ قرطاجنہ میں ہر متنفس جاگا۔ اور فصیلوں کی طرف دوڑ کر پہونچا۔ نیچے جُھک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تلواروں اور برچھوں کا ایک پورا جنگل چمکتا ہوا حرکت میں ہے۔ مستاجر کود کود کر فصیل پر چڑھتے ہیں، سیڑھیاں لگاتے ہیں جو دیوار پر ٹھہر جاتی ہیں۔ مستاجر اتنا اُوپر چڑھ آئے کہ اُن کے سر فصیل کے کنگروں کے نیچے کی جھریوں سے قرطاجنیوں کو نظر آنے لگے۔

بڑے بڑے وزنی شہتیر جن میں ہزاروں آدمی پکڑے تھے دروازوں پر ٹکر لگانے لگے۔ خاصکر ان مقامات پر جہاں مستاجروں کا بند پوری بلندی کو ابھی تک نہیں پہونچا تھا۔ یہاں مستاجروں نے فصیل کو توڑنا چاہا۔ اس طرح کہ سپاہیوں کے بڑے بڑے غول آئے۔ صفیں بنا کر پہلی صف زمین پر بیٹھی۔ دوسری صف اُس کے اُوپر گھٹنے ٹیکے جُھکی ہوئی کھڑی ہوئی۔ غرض اس طریقے سے صف پر صف اُونچی ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ صفِ آخر کے سپاہی سیدھے کھڑے ہو کر فصیل تک پہونچے۔ دیگر مقامات پر فصیل پر چڑھنے کی یہ ترکیب کی کہ سب سے بلند قامت سپاہی آگے کھڑا ہوا۔ اُن سے کم قد کے آدمی اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ جو سب سے چھوٹے قد کا آدمی تھا سب کے پیچھے کھڑا ہوا۔ سب کے بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں تھیں اور ڈھالوں کو اپنے سر کے خودوں پر ٹکا رکھا تھا۔ ڈھال سے ڈھال ایسی ملائی تھی کہ دُور سے معلوم ہوتا تھا کہ ہزارہا کچھوے پاس پاس پڑے ہیں۔ ان سلامی دار تودوں سے پتھر اور تیر پھسلا پھسلا کر شہر میں پھینکتے تھے۔

قرطاجنیوں نے چکیوں کے پاٹ، ہاون دستے، لوہے کی نلکیاں اور نل

کڑیاں اور شہتیر غرض جو بھاری چیز ہاتھ لگی مستاجروں پر یہ سمجھ کر گرائی کہ وہ انکو کچل کر ہلاک کر دیں گی۔ ایسے قرطاجنی جن کے پاس اور کچھ نہ تھا فقط مچھلی پکڑنے کے جال تھے وہ فصیل کے کنگوروں کے پاس منتظر کھڑے ہوگئے اور جب کوئی مستاجر وہاں تک پہونچا جھٹ اس کو جال میں پھانس لیا اور وہ مچھلی کی طرح جال میں تڑپتا نظر آیا۔ قرطاجنیوں نے اب اپنی فصیل کے اوپر کے حصے ڈھا کر مستاجروں پر گرانے شروع کئے تاکہ دیوار کے نیچے گر کر دشمن کو غارت کریں۔ فصیل کے یہ حصے جب نیچے گرتے تو گرد و غبار کے بادل اٹھتے۔ بند پر جو منجنیق مستاجروں نے نصب کئے تھے وہ پتھر اور تیر پھینکنے میں بڑی کوشش کرتے تھے کہ دیکھو کون بازی لے جاتا ہے۔ بعض وقت ان منجنیقوں کے پھینکے ہوئے پتھر ہوا میں ٹکراتے اور بکھر کر ان کے ہزاروں ٹکڑے ادھر ادھر اڑتے۔ اور نیچے مستاجروں کے سروں پر گر کر ان کو ہلاک کرتے۔

تھوڑی دیر میں فریقین کے لشکر اجسام انسانی کی ایک زبردست زنجیر معلوم ہوتے تھے جو اپنے سروں پر زیادہ گنجان نہ تھی۔ اور یہ زنجیر پانی کی رو کی طرح بند کے ان غیر مکمل حصوں پر جو مستاجروں نے تیار کیا تھا دوڑتی نظر آتی۔ آدمیوں کی یہ زنجیر کبھی آگے کبھی پیچھے لہراتی دکھائی دیتی مگر ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتی۔ زمین پر پڑے پڑے ایک آدمی دوسرے آدمی سے ایسا گتھا تھا جیسے پہلوان کشتی میں گتھے ہوں۔ دشمن، دشمن کو پاؤں سے کچلتا۔ عورتیں فصیل کے روزنوں میں سے جھانک کر چیخیں چلاتیں۔ حبشی خنجر لئے جب انکو پکڑتے تو خنجر بھونکنے سے پہلے ان کے سیاہ بازوؤں میں عورتوں کے گورے گورے سینے چمکتے۔ سپاہیوں کی بھیڑ میں ایسے مُردے بھی تھے جو زمین پر نہ گرے تھے۔ یہ اپنے ساتھیوں کے کندھوں میں اٹکے پھنسے کچھ دور تک انکے ساتھ کھڑے کھڑے

کھسکتے تھے۔ مگر آنکھیں بے نور ایک طرف جمی تھیں۔ بعض جانوروں کا زخم کھا کر کن پٹیاں پکڑے ریچھوں کی طرح زمین پر لوٹتے تھے۔ جو منہ چیخنے کے لیے کھلے تھے وہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ بہت سے ہاتھ کٹ کر اوپر اچھلتے نظر آتے۔ برچھیوں اور تلواروں کے زبردست وار چل رہے تھے۔ جن کا ذکر بعد کے زمانے میں اکثر ہوتا رہا۔

اس اثنا میں سنگین اور چوبی برجوں سے تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ پھر تیزی سے آلاتِ توبی لون اپنے ڈنک باہر نکالے عجیب و غریب چیزیں برسانے لگے۔ مستاجروں نے گورستان میں گھس کر قبریں کھود ڈالیں اور قبروں کے پتھر انہی آلوں سے قرطاجنیوں پر پھینکنے شروع کئے۔ کبھی کبھی ان آلات کے چھینکوں میں بوجھ اتنا بھر اگیا کہ رسّے ٹوٹ گئے۔ اور آدمیوں کے غول بڑی بلندی سے ہتیاروں کو ہاتھ سے پھینک زمین پر گرے، اور ہلاک ہوگئے۔

بندرگاہ میں قرطاجنی جہازوں کو غارت کرنے کے پرانے آزمودہ کار ورزتی ہتیار رکھنے والے مستاجر گھس پڑے اور تہنیا تک انہوں نے مسلسل حملے جاری رکھے۔ حملہ آوروں نے ہیکل خامون کی چھت پر گیلی گھاس جلوا رکھی تھی۔ اسکے دھوئیں سے ان حملہ آور مستاجروں کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ اور وہ سب بائیں ہاتھ کو مڑ کر ملقہ کے ہجوم میں شامل ہوگئے۔ مستاجروں نے بڑے بڑے قوی ہیکل اور مضبوط آدمی منتخب کرکے ان کے دستے بنائے تھے۔ انہوں نے شہر کے تین دروازے توڑ دیئے۔ لیکن جب آگے بڑھے تو ایک بڑی مضبوط دیوار لکڑی کے تختوں کی نظر آئی جس میں لوہے کی مضبوط میخیں باہر کو نکلی تھیں۔ یہ دیکھکر وہ رکے۔ ایک چوتھا دروازہ شہر کا مستاجروں نے آسانی سے کھول لیا۔ مستاجر دوڑ کر آگے بڑھے لیکن آگے ایک بڑا گہرا گڑھا کھدا تھا۔ اس میں وہ سب

ایک ایک کرکے گر رہے۔ اِس گڑھے میں بڑی بڑی مُہلک چیزیں اور پھندے لگے تھے۔ شہر کے جنوب مشرقی گوشے میں اتارتیوس اور اُسکے ساتھیوں نے فصیل کو ایک جگہ سے جہاں اینٹوں کی چنائی تھی گرا دیا۔ اندر گھُسے تو معلوم ہوا کہ زمین اُونچی ہوتی چلی گئی ہے۔ پہلے تو تیزی سے اُس پر چڑھتے چلے گئے لیکن جب اُسکے سب سے اُونچے مقام پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ آگے ایک دیوار حائل ہے۔ اس دیوار میں پتھر اور لکڑی کے بڑے بڑے چوکور ٹکڑے اس طرح لگائے تھے کہ بساط شطرنج کے خانے معلوم ہوتے تھے۔ یہ طرز تعمیر ملک گالیہ کا تھا۔ ہملکار نے موقع دیکھکر اسی طرز پر یہ دیوار تیار کرائی تھی۔ اتارتیوس چونکہ گالیہ کا رہنے والا تھا پس اُسے اور اُسکے ساتھیوں کو خیال ہوا کہ اسوقت تو وہ اپنے ہی مُلک کے کسی شہر پر حملہ کرتے ہیں۔ اس خیال نے اُنکی ہمت پست کی اور وہ مار کر ہٹا دیے گئے۔

خاموں کے بازار سے گھاس کی منڈی تک قرطاجنی پہرے والوں کے رستوں پر مستاجر اب قابض ہو گئے۔ سمنی قوم کے سپاہیوں نے زخمی قرطاجنیوں کو شکار کے برچھے مار مار کر ختم کیا۔ دیوار پر پاؤں لٹکا کر اُونچے ہوئے اور نیچے جو مکانات جل رہے تھے اُن کا تماشہ دیکھنے لگے۔ اور یہ بھی دیکھتے تھے کہ وہ لڑائی از سر نو شروع ہو گئی ہے۔

فلاخن اندازوں کی صفیں عقب میں تھیں۔ یہ لوگ فلاخن چلا کر برابر پتھر پھینکتے رہے۔ اکرناتیوں کے گوپھن اور فلاخن مدت کے استعمال سے پوسیدہ ہو چلے تھے۔ اور ان میں جو لچک پہلے تھی اب نہ رہی تھی۔ گوپھن چلانے والوں میں بہتوں نے گوپھن پھینک کر چرواہوں کی طرح پتھر اٹھا کر ہاتھوں سے پھینکنے شروع کیے۔ بہتوں نے سیسے کے ڈلے گولے چابک کے دستوں سے۔ مگر قرطاجنیوں پر رسید کیے۔ زرزانکس نے اپنے ترکش کے تیروں کو ٹھکا کر کہتے شاباش اپنا

کام کے جاؤ" یہ اس وقت اِدھر سے اُدھر مارا مارا پھرتا تھا۔ ہاتھ میں گوپھن تھا۔ گلے میں دو تھیلے ٹنگے تھے۔ تھیلوں میں ہاتھ ڈال کر گوپھن اس طرح پھراتا تھا جیسے رتھ کا پہیہ چلتا ہو۔

ماتو اس خیال سے کہ متاجروں کی تمام فوجوں کو نظر میں رکھکر اُن کو ہدایت کرتا رہے خود دست بدست لڑائی سے گریز کرتا رہا متاجروں کے ہمراہ اُسکو خلیج کے کنارے دیکھا گیا۔ کبھی وہ نمک والی جھیل کے قریب نومیدیا والوں میں نظر آیا۔ کبھی جھیل کے کنارے حبشیوں میں دیکھا گیا۔ اور سپاہیوں کے دستے دُور کے مقامات سے میدان میں بھیجتا رہا۔ تاکہ قرطاجنہ کے بُرجوں اور مورچوں پر وہ حملے کرتے رہیں۔ آخرکار چلتے چلتے ماتو وہاں پہونچا جہاں لڑائی زور پر تھی۔ کشت و خُون کے منظر خُون کی بُو اور طبل و نفیر کی صداؤں نے دل کو سینے میں تڑپا دیا۔ فوراً اپنے خیمے میں آیا۔ اور چار آئینہ اُتار پھینکا اور اُن کی جگہ شیر کی کھال پہن لی۔ کیونکہ لڑائی میں وہ اِس ملکی چیز کو پہن کر لڑنا بہتر سمجھتا تھا۔ شیر کا چہرہ جو کھال میں مع کچلیوں کے لگا تھا ماتو کے چہرے پر ٹھیک آگیا اور شیر کے اگلے دو پنجے سینے پر اور پچھلے پنجے ماتو کے گھٹنوں پر لٹکنے لگے۔

کمر میں جو مضبوط پیٹی لگی تھی اسکو ویسے ہی رہنے دیا۔ پیٹی میں ایک دوہری باڑھ کا تیشہ لگا تھا۔ اب اُس نے اپنی لمبی تلوار دونوں ہاتھوں میں پکڑی اور دوڑتا ہوا جہاں فصیل ٹوٹی تھی وہاں آیا اور اندر داخل ہوکر آگے بڑھتا رہا۔ جدھر تلوار کا ہاتھ پڑتا قرطاجنیوں کے سر قلم ہو ہوکر گرتے معلوم ہوتا تھا کہ سر قلم نہیں کر رہا بلکہ درخت کی شاخیں چھانٹنے کی خدمت سپرد ہوئی ہے۔ جسقدر زیادہ شاخیں کاٹے گا اُسی قدر مزدوری زیادہ ملے گی۔ جو لوگ پہلو سے آکر روکنا چاہتے اُنکو تلوار کا دستہ مار کر ہٹا دیتا۔ اگر سامنے سے کوئی حملہ کرنے آیا تو تلوار کی نوک

ہولاوے کر اس کا کام تمام کرتا۔ سامنے سے کوئی بھاگتا نکلتا تو اسکے ٹکڑے اُڑا دیتا۔ دو قرطاجنی کود کر اسکی پشت پر آئے۔ پیچھے ہٹ کر اس زور سے ایک دروازے میں اپنی پیٹھ کو ٹکر دی کہ دونوں وہیں ختم ہوگئے تلوار دیوار کے ایک گوشے میں لگ کر ٹوٹ گئی۔ اب ماتو نے کمر سے تیشہ کھول کر ہاتھ میں لیا۔ اور آگے اور پیچھے حملہ کرکے لوگوں کو بھیڑوں کی طرح پھاڑتا چیرتا آگے چلا۔ قرطاجنی ماتو کے دونوں طرف برابر پیچھے ہٹتے رہے۔ یہاں تک کہ ماتو قرطاجنہ کے دوسرے سنگین احاطے میں پہونچ گیا۔ عمارکی چوٹیوں سے جو چیزیں سیڑھیوں پر گری تھیں اُنہوں نے اس کا راستہ روکا۔ یہ ملبہ اتنا تھا کہ اُس کے ڈھیر دیواروں سے اونچے ہو کر پھر نیچے گرے تھے۔ اِن کھنڈروں میں کھڑے ہو کر ماتو نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔

سپاہیوں کے اژدہام میں وہ اپنے ہمراہیوں کے سروں پر جو پر لگے تھے اُن کو اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ اور یہ بھی دیکھتا کہ وہ دب کر ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور قریب ہو کہ سب مارے جائیں۔ ماتو دوڑ کر اُن کی طرف آیا۔ اب وہ سُرخ پروں والے سر پاس پاس نظر آئے۔ اور ایک مرتبہ وہ سب یکجا ہو کر اُس کے ہمراہ ہوگئے۔ ماتو کے گرد اُنہوں نے حلقہ باندھ لیا۔ لیکن پہلو کے بازاروں اور گلیوں سے ایک بڑا ہجوم آدمیوں کا نکل رہا تھا۔ اُن میں سے بعض لوگ دوڑے اور ماتو کی ٹانگیں پکڑ اونچا کیا اور پیٹھ پر رکھ اُسے لے چلے حتیٰ کہ وہ فصیل کے باہر آئے اور اُس بند کے قریب پہونچے جو مستاجر فصیل سے ملا ہوا باندھ رہے تھے۔ اور اس جگہ جہاں بند بہت اُونچا اُٹھ چکا تھا وہاں ماتو کو پیٹھ سے اُتار چلدئے۔

ماتو نے فوراً حکم دیا کہ جسقدر مستاجر ڈھالیں رکھتے ہیں وہ اُن کو اپنے سر کے خود وں پر رکھ لیں۔ اب ماتو کو دوکر ان ڈھالوں پر آیا اور ایسا موقع تلاش کرنے لگا

کہ جہاں سے پھر وہ فصیل کے اندر داخل ہو۔ اور اس طرح سمندر کے دیوتا کی طرح ہاتھ میں ترسول پھراتا موجوں پر چلتا ہو۔ چنانچہ وہ ڈھالوں پر دوڑتا تیشہ ہاتھ میں لئے آگے بڑھا۔ ڈھالیں جن پر دوڑتا تھا وہ بُرننز کی موجیں معلوم ہوتی تھیں۔

اب ماتو نے دیکھا کہ فصیل کے اوپر کنارے کنارے ایک شخص سپید عبا پہنے جا رہا ہے۔ موت کا بازار ہر طرف گرم تھا مگر اس شخص کو موت کا مطلق خوف نہ تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنی آنکھوں کے سامنے لاتا تھا کہ جس شخص کی تلاش میں ہے اسکو پہچانے۔ اتفاق یہ کہ جہاں فصیل کے اوپر یہ سپید پوش تھا وہیں نیچے سے ماتو گذرا۔ اب اس سپید عبا والے کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس کا زرد چہرہ سکڑا اور اس نے اپنے دونوں لاغر ہاتھ اٹھا کر ماتو کو نہایت سخت و سست کہا۔

ماتو نے اس سپید عبا والے کی آواز نہ سنی۔ لیکن اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اسکی ظالم نگاہیں اُس کے سینے کے پار ہو گئی ہیں۔ ماتو کے مُنہ سے یک لخت ایک چیخ نکلی اور اُس نے اپنا تیشہ کاہن کی طرف تاک کر پھینکا۔ بعض آدمیوں نے شاہابریم پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن ماتو اب اس کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ ماتو بالکل تھکا ماندہ اب پیچھے ہٹا۔

ماتو نے اب پہیوں کی آواز قریب آتی سُنی۔ اس آواز کے ساتھ اور بہت سی ملی ہوئی آوازوں کا ایک شور تھا۔ حقیقت میں وہ آلہ ہیلی پولس کے پہیوں کی آواز تھی۔ اس کے گرد سپاہیوں کا ایک بڑا ہجوم تھا۔ اس میں کوئی دونوں ہاتھوں سے رسّے پکڑے تھا۔ کوئی پوری طاقت سے کندھے کا زور لگا کر اسکو دھکیلتا تھا۔ اس آلے کو میدان سے بند پر چڑھانے کا جو راستہ بنایا تھا اس میں ڈھال کم رکھا تھا۔ پھر بھی ایسے بھاری آلوں کو اونچا چڑھانا نہایت دشوار کام تھا۔ اس آلے میں

آٹھ پہیئے تھے اور سب پر لوہے کے ہال چڑھے تھے۔ مگر صبح سے یہ وقت آگیا تھا کہ ہزاروں آدمی زور لگا کر اسکو بند پر چڑھانے میں لگے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ پر پہاڑ کو چڑھا رہے ہیں۔

ہیلی پولس کے قاعدے سے ایک زبردست ٹکر دینے والا آلہ باہر کو نکلا تھا۔ ہیلی پولس کے دروازے تین طرف کے جو شہر کی طرف تھے کھول دئے گئے تو دیکھا گیا کہ اندر سپاہی زرہ بکتر لگائے اس طرح نظر آرہے ہیں جیسے لوہے کے ستون کھڑے ہوں۔ بہت سے سپاہی اُن زینوں پر اوپر چڑھتے اُترتے نظر آئے جو اِس آلے کے پہلوؤں میں ایک درجے سے دوسرے درجے میں جانے کے لئے بنے تھے۔ بعض اس انتظار میں تیار کھڑے تھے کہ فصیل کی طرف کے دروازے جب فصیل میں ٹکرائیں تو وہ فوراً حملہ کیلئے باہر دوڑ پڑیں بالسیتوں کے رستے لپیٹے اور کٹا پلٹوں کی بڑی چوبیں نیچی کی جاتی تھیں۔

اس وقت ہملکار بیکل ملک قرۃ کی چھت پر سیدھا کھڑا تھا۔ اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہیلی پولس ٹھیک اُس کی سیدھ میں فصیل کے اُس حصّے کے سامنے آکر لگے گا جو نہایت مستحکم ہے۔ اس لئے کسی پہرے والے کو وہاں نہیں بٹھایا تھا۔ کچھ عرصے سے دیکھا جاتا تھا کہ ہملکار کے غلام پانی کی مشکیں بھر بھر کر فصیل کے اُوپر لاتے ہیں اور یہاں مٹی کا ایک تھا نولا سا بنا کر اُس میں مشکیں چھوڑ دیتے ہیں۔ پانی رفتہ رفتہ فصیل میں جذب ہو کر فصیل کے پتھروں سے رس کر مستا جروں کے باندھے ہوئے بند میں اندر ہی اندر اثر کرتا ہے اور سب میں عجیب بات یہ ہے کہ ہملکار اس بات کی طرف مطلق متوجہ نہیں معلوم ہوتا۔

جب آلہ ہیلی پولس فصیل سے تقریباً تیس قدم رہ گیا تو ہملکار نے حکم دیا کہ گلیوں پر جو مکانات کے بیچ بیچ میں پڑتی ہیں اُن پر لکڑی کے تختے پاٹ کر پل سے

بنا دئے جائیں۔ اور یہ انتظام پانی کے حوضوں سے لیکر فصیل تک کیا جائے۔ اب جو کچھ دیکھنے میں آیا وہ یہ تھا کہ صدہا سپاہی اپنے فولادی خودوں یا گھڑوں میں پانی بھر بھر کر اس طرح لا رہے ہیں کہ ایک آدمی پانی بھر کر گھڑا یا خود دوسرے آدمی کو اور دوسرا تیسرے کو دیتا ہے حتیٰ کہ آخیر آدمی اس کا پانی فصیل پر جو تھالہ بنا ہے اس میں ڈال دیتا ہے۔ پانی کے اس طرح ضائع کرنے کا قرطاجنیوں کو افسوس ہوا۔ ہیلی پولس میں جو آلہ متصادم لگا تھا اس نے فصیل پر ٹکریں لگانی شروع کر دی تھیں۔ جہاں ٹکریں لگی تھیں وہاں فصیل کے پتھر کچھ جدا ہو چلے تھے۔ اس حالت میں دفعتاً دیکھا گیا کہ انہی پتھروں میں سے پانی کی ایک رو نیچے مٹی کے بند پر گرنے لگی۔ اب ہیلی پولس جو نو درجوں کا پیتل اور لوہے کا نہایت وزنی آلہ تھا اور جس کو اوپر چڑھانے میں اس وقت تین ہزار آدمی زور لگاتے تھے ایک جہاز کی طرح کسی قدر ڈگمگایا۔ حقیقت یہ تھی کہ پانی بند کی مٹی میں جذب ہو کر جو راستہ آلہ کو اوپر چڑھانے کا بنایا تھا اس میں اثر کرنے لگا تھا اور اس وجہ سے آلہ کے سامنے راستہ پانی نے توڑ دیا۔ اور ہیلی پولس کے پہیے کیچڑ میں دھنسنے لگے۔ اس آلے کے سب سے اونچے درجہ سے اسپنڈیوس کا سر چمڑے کے پردوں سے باہر نظر آیا۔ دیکھا گیا کہ وہ ہاتھی دانت کا ایک سنکھ ہاتھ میں لئے زور سے پھونک رہا ہے۔ یہ بھاری اور بے ڈھنگا آلہ جھٹکے لے لے کر دس قدم اور آگے بڑھا۔ مگر زمین نرم ہوتی گئی۔ اور کیچڑ پہیوں کے دھرے تک آگئی۔ اب یکایک ہیلی پولس ایک جھٹکا کھا کر راستے کے کنارے جم کر کھڑا ہو گیا۔ اس سے کٹاپلٹ جو ہیلی پولس میں نیچے لگا تھا وہ بھی جھک کر کنارے آگیا۔ اور جو بلی اس میں آگے کو نکلی تھی وہ اپنے بوجھ میں اتنی جھکی کہ کٹاپلٹ ہیلی پولس کے ان درجوں کو توڑتا ہوا جو اس سے متصل تھے زور سے نیچے گرا۔ سپاہی جو ان درجوں میں تھے وہ دروازوں سے نکل بلیوں میں لٹک گئے۔

ان کے بوجھ نے ہیلی پولس کو اور بھی ایک طرف کو جھکا دیا۔ جھکتے جھکتے آخر کار وہ نیچے گرا اور گر کر پاش پاش ہوگیا۔ جو حصے کچھ سالم بچے اُن میں بھی جا بجا دراڑیں پڑ گئیں۔ دھماکا سنتے ہی ہر طرف سے متاجر دوڑ کر ادھر آئے کہ کچھ مدد کریں۔ اس طرح تقریباً کل متاجر ایک جگہ ہو گئے۔ قرطاجنیوں نے عقب سے اُن پر یکلخت حملہ کیا اور خوب جی کھول کر اُن میں کُشت و خون کیا۔ لیکن لڑائی کے رتھ جن میں بڑے بڑے آرے اور درانتیاں لگی تھیں یہ کیفیت دیکھکر ادھر دوڑے! اور اس ہجوم کے گرد گشت لگانے لگے۔ قرطاجنی اُن کو دیکھکر پھر اپنی فصیلوں پر چڑھ گئے۔ رات جب ہوئی تو متاجر موقع سے ہٹ گئے۔

تمام میدان میں اب سوائے اسکے کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کوئی سیاہ چیز نیلگوں خلیج سے لیکر نمک کی سپید جھیل تک حرکت میں ہے اور کچھ دُور جہاں کُشت و خون ہوا تھا وہاں خلیج کا پانی لہو سے سُرخ ہو رہا تھا۔

بند جو متاجروں نے فصیل سے ملا ہوا باندھا تھا اُس پر لاشوں کی وہ کثرت تھی کہ اگر کوئی یہ کہتا کہ بند مٹی کا نہیں بلکہ لاشوں کا بنایا گیا ہے تو باور کیا جا سکتا تھا۔ بند کے نیچے بیچ میں ہیلی پولس کے بڑے بڑے ٹکڑے جُدا ہو کر زمین پر اس طرح گرتے تھے جیسے کسی بوسیدہ اور فرسودہ سنگین عمارت کے اجزا گرا کرتے ہیں۔ فصیلوں پر پگھلے ہوئے سیسے کے لمبے لمبے نشان پڑے تھے۔ کہیں کہیں چوبی بُرج جلے بُھلسے پڑے تھے۔ شہر کے مکانات جو اچھی طرح نظر نہ آتے تھے رومتہ الکبریٰ کے کسی پُرانے تماشہ گاہ کی شکستہ سیڑھیاں معلوم ہوتے تھے۔ دھوئیں کے ستون آسمان کی طرف اُٹھ رہے تھے! اور اس دھوئیں میں پتنگے اور شرارے کچھ دیر چمک کر فضا کی تاریکی میں غائب ہو جاتے تھے۔

اس زمانے میں قرطاجنہ کے رہنے والے پیاس کی شدت سے بیتاب تھے۔

پانی کے حوضوں کی طرف دوڑ دوڑ کر آتے مگر انکی تہ میں کیچڑ دیکھکر کہتے کہ "اب دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ وحشیوں کی تعداد کی انتہا نہیں ہے۔ جب وہ کچھ آرام کر چکیں گے تو پھر لڑنے آن موجود ہونگے"۔

رات کے وقت قرطاجنیوں نے چند جماعتیں قائم کیں اور چوراہوں پر بیٹھکر آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ بعض نے رائے دی کہ عورتیں بُڈھے اور بچے سب باہر بھیج دیے جائیں۔ بعض نے کہا کہ شہر چھوڑ کر کہیں دُور کوئی نو آبادی قائم کریں لیکن جہاز کہاں تھے جو شہر سے نکلیں۔ غرض اسی اُدھیڑ بُن میں رات ختم ہو گئی اور جب سُورج نکلا تو کسی بات کا فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔

آج لڑائی بند رہی۔ سب لوگ نہایت خستہ و ماندہ تھے۔ جو سو رہے تھے وہ معلوم ہوتا تھا کہ مُردے پڑے ہیں۔

اب قرطاجنی اپنے نقصانات کے اسباب و علل پر غور کرنے لگے تو یاد آیا کہ صور کے ملک قرۃ کو جو سالانہ نذر و نیاز پیش کرنے فلیقیہ بھیجی جاتی تھی اس سال وہ نہیں روانہ ہوئی۔ اتنا خیال آتے ہی وہ سب خوف سے نیم جان ہو گئے۔ اور سمجھے کہ آسمان کے خُدا قرطاجنہ کی ریاست سے قطعی ناراض ہو گئے ہیں۔ اور اس ناخوشی پر وہ اس سے انتقام لینے کے درپے ہیں۔

قرطاجنیوں کے خُدا اور معبود بڑے ظالم آقا اور مالک تھے جو پرستش سے خوش ہوتے اور رشوت میں نیاز و نذر قبول کرتی پسند کرتے تھے۔ اُنکا معبود مولخ جو آدمیوں کو جیتا نگل جاتا تھا ان کے باقی خداؤں کے مقابلے میں زبردست تھا مولخ ہی انسان کی جانوں اور اُن کے گوشت پوست کا مالک تھا۔ اور اس معبود کو خوش اور راضی رکھنے کیلیے وہ اپنی جان کا ایک حصہ ہمیشہ قربان کرتے رہتے تھے۔ اپنے بچوں کی پیشانی اور گدی پر اُون رکھکر داغا کرتے۔ چونکہ بعل کو

راضی رکھنے کی اس رسم سے کاہنوں کو بہت روپیہ ملتا تھا اس لئے وہ اس رسم کو زیادہ آسان اور رحمدلی کا طریقہ بتاتے۔ اور ہمیشہ اس رسم کی پابندی کی ہدایت کرتے۔

اب خود ریاست کی حالت پُر از خطر تھی۔ اور چونکہ ہر سُود و نفع کسی زیان اور نقصان کے اُٹھانے سے حاصل ہوا کرتا ہے اور اس نقصان کا اندازہ کمزور کی ضرورت اور زبردست کی طلب پر ہوتا ہے اسلئے خداؤں کو خوش رکھنے میں کوئی تکلیف بھی زیادہ تصور نہ کی جاتی تھی۔ بالخصوص جب وہ جانتے تھے کہ مولخ اس تکلیف کو سخت درد و عذاب کی شکل میں پسند کرتا ہے۔ اور سمجھتے تھے کہ قرطاجنہ کی سلامتی اب صرف مولخ کے رحم و کرم پر منحصر ہے۔ پس ضروری تھا کہ مولخ کو پورے طور پر خوش اور مسرور کریں۔ پہلے بھی جب کبھی قرطاجنہ پر کوئی بلا آسمان سے نازل ہوئی تھی تو اسی طرح رفع کرنے کی نظیریں موجود تھیں۔ علاوہ اسکے رائے قرار پائی کہ یہ قربانی آگ کے ذریعے سے کی جائے تاکہ شہر اپنی تکلیفوں سے پاک ہو۔ شہر کے لوگوں کے دلوں میں جن میں وحشت و درندگی بڑھی ہوئی تھی۔ یہ خیال جم گیا۔ علاوہ اسکے وہ سمجھے کہ اس قربانی کے لئے جو جانیں لی جائیں گی وہ صرف اُمرا کے خاندان والوں کی ہونگی۔

قدمائے قرطاجنہ کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اُس کا اجلاس بہت دیر تک رہا۔ حانو اس مجلس میں شریک تھا۔ چونکہ وہ بیٹھ نہ سکتا تھا اس لئے دروازے کے پاس ایک کوچ پر دیوار پوش کے حاشیے سے مُنہ چھپائے پڑا رہا۔ اور جب مولخ کے کاہن اعظم نے دریافت کیا کہ کیا حاضرین اپنے بچوں کو مولخ پر قربان کرنا پسند کرینگے؟ تو حانو کی کریہہ آواز اس طرح سُنائی دی جیسے کوئی خبیث دیو کسی غار میں سے چیخکر بولے۔ وہ کہنے لگا "افسوس خود میں کوئی اولاد نہیں رکھتا کہ اسکو قربانی کیلئے پیش کروں" اتنا کہکر اُس نے ہملکار کی طرف دیکھا جو اس وقت ایوان میں بالکل حانو کے مقابل بیٹھا تھا۔ حانو کی نگاہ کو اپنی طرف دیکھکر ہملکار پریشان

ہوا۔ حاضرین نے کاہن اعظم کے سوال کے جواب میں سر ہلایا گویا کہ یہ امر اُن کو منظور ہے۔ اور رسم کے مطابق ہملکار نے جواب دیا "ہاں ایسا ہی ہونا چاہیئے"۔ پس قدمائے ایک خاص جملہ زبان پر لاکر جیسا کہ مدت دراز سے دستور چلا آتا تھا بچوں کی قربانی کا حکم دیدیا۔ کیونکہ دُنیا میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کا کہنا مشکل مگر جن پر عمل کرنا آسان ہے۔

جونہی قدمار نے فیصلہ سُنایا کہ قربانی بچوں کی کی جائے گی تو تمام شہر میں یہ خبر جلد مشہور ہو کر گھر گھر کہرام مچنے لگا۔ عورتوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں اُن کے شوہر اُن کو سمجھاتے۔ بعض وقت اُن کے اس رونے پر اُن کو بُرا بھلا بھی کہتے مگر وہ کب سُنتی تھیں۔ اس کے تین گھنٹے کے بعد ایک عجیب خبر یہ مشہور ہوئی کہ ایک چٹان کی جڑ میں ہملکار کو ایک پانی کا چشمہ دریافت ہوا ہے۔ پیاسے اُدھر دوڑے۔ جو موقع بتایا گیا وہاں ریت ہٹائی تو پانی نکلنے لگا۔ لوگوں نے بہت سے گڑھے کھودے اور بعض آدمی وہاں لیٹ کر پیاس بُجھانے لگے۔

ہملکار کو علم نہ تھا کہ چشمے کا برآمد ہونا خدا کی طرف سے کوئی انعام ہے۔ یا وہ محض ایک راز تھا جو اُس کے باپ نے اُسکو کبھی بتایا تھا اور اب دفعتاً یاد آگیا۔ قدماسے رُخصت ہو کر ہملکار سمندر کے کنارے پہونچا۔ اور اپنے غلاموں کو کام پر لگا کر وہاں ریت اور کنکروں میں کھودنا شروع کیا۔

ہملکار نے محتاجوں کو کپڑے، جوتے اور شراب تقسیم کی۔ اور جسقدر گیہوں اُس کے کھتوں میں باقی رہ گیا وہ بھی شہر والوں کو دیدیا۔ شہر کے لوگوں کو اپنے محل میں آنے کی عام اجازت دی۔ اور اپنے مطبخ، گودام اور محل کے تمام کمرے اُن کے لئے کھلوا دئے۔ سلامبو کے کمرے میں البتہ کسی کو داخل ہونیکی اجازت نہ تھی۔

ہملکار نے اہلِ شہر کو اطلاع دی کہ چھ ہزار سپاہی اُجرت پر بھرتی ہو کر ملک گالیہ سے آنے والے ہیں۔ اور یہ کہ مقدونیہ کے بادشاہ نے فوجیں بھیجنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ لیکن دوسرے ہی دن جتنے چشمے برآمد ہوئے وہ خشک ہونے شروع ہوئے، اور تیسرے دن ان میں پانی مطلق نہ رہا۔ اب ہر شخص قدما کے حکم کا کہ بچّے قربان کئے جائیں، چرچا کرنے لگا۔ اور مولخ کے کاہنوں نے اسکے متعلق کام شروع کیا۔

لوگ سیاہ لباس پہنے گھر گھر پھرنے لگے اکثر مرد کسی کام کے بہانے گھروں سے نکل گئے۔ کسی نے کہا کہ ایک ضروری کام کو جانا ہے، کسی نے کہا کہ کوئی چیز خریدنی ہے۔ غرض ایسے موقعوں پر مولخ کے کارکن گھروں میں گھُس کر بچوں کو اُٹھا لے گئے۔ بعض لوگ کچھ ایسے ڈرے اور بدحواس ہوئے کہ انہوں نے خود اپنے بچّوں کو اپنے ہاتھوں سے ان کارکنوں کے حوالے کر دیا۔ کاہنات کو حکم تھا کہ جو بچے اُن کے سپرد ہوں اُن کو اچھی طرح کھلائیں پلائیں اور قربانی کے دن تک اُس کی بخوبی نگہداشت رکھیں۔

مولخ کے چار کارکن ایک دن یکایک ہملکار کے محل میں گھُسے۔ ہملکار اس وقت اپنے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ کارکنوں نے ہملکار سے کہا "آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہم کس کام کو آئے ہیں۔ اپنا فرزند عنایت کیجیے۔" انہوں نے یہ بھی کہا کہ "ہم نے اُس کو پچھلے مہینے ماپیلا کے محلّے میں دیکھا تھا۔ ایک بُڈھے آدمی کے ساتھ وہ جا رہا تھا۔"

پہلے تو ہملکار کو معلوم ہوا کہ کوئی چیز حلق میں اٹک گئی ہے اور آواز نکلنی مشکل ہے۔ لیکن فوراً یہ سمجھ کر کہ اس وقت انکار کرنا بے سود ہوگا ہملکار نے مولخ کے ان خادموں کو جھک کر تعظیم دی اور انکو فوراً کاروبار والے کمرے میں لے گیا۔ آقا کا اشارہ پاتے ہی غلام آئے تاکہ تمام چیزوں کو نظر میں رکھیں۔

ہملکار زار و پریشان سلامبو کے کمرے میں آیا۔ ایک ہاتھ سے اپنے فرزند حنی بعل کو اور دوسرے ہاتھ سے ایک کپڑے سے جو وہاں پڑا تھا کئی پٹیاں پھاڑیں کپڑے کی ایک پٹی سے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور کچھ کپڑا اُس کے مُنہ میں ٹھونسا۔ اور اس طرح اس کو تسموں والے پلنگ کے نیچے دیوار پوش جو زمین تک لٹکے تھے اُس پر ڈال دئے۔

ہملکار سخت پریشان حال اِدھر اُدھر ٹہلتا تھا۔ کبھی ہاتھ اُونچے کرتا کبھی ایڑیاں زمین پر رگڑتا، کبھی دانتوں سے ہونٹ چباتا۔ پھر ایک جگہ وہ کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں پھٹی تھیں اور سانس اس طرح لیتا تھا جیسے دَم نکلتا ہو۔

اب اُس نے تالی تین بار بجائی۔ جدی نیم حاضر ہوا۔

ہملکار نے فوراً حکم دیا۔ "جدی نیم جاؤ اور غلاموں میں سے کسی کا لڑکا جس کی عمر نو اور دس برس کے درمیان ہو فوراً اُٹھا لاؤ۔ بال اُسکے سیاہ ہوں، پیشانی چوڑی ہو۔ فوراً جاؤ اور اس کام کو انجام دو۔"

جدی نیم حکم سُنتے ہی باہر گیا اور ایک لڑکا جیسا بیان کیا گیا تھا اپنے ساتھ لایا۔ یہ نو عمر لڑکا تھا۔ بہت کمزور مگر ظاہر میں موٹا تازہ۔ جلد بھی اُسکی ایسے ہی میلے رنگ کی تھی جیسے میلے کچیلے بدبودار چیتھڑے اُس کی کمر کو لپیٹے تھے۔ گردن چھوٹی تھی اور سر اور چہرہ سینے میں دبا معلوم ہوتا تھا۔ ہتیلی کی پُشت سے آنکھیں ملتا تھا اور آنکھوں کو مکھیاں لپٹی تھیں۔

کسی دیکھنے والے کو خیال تک نہ گُزر سکتا تھا کہ یہ لڑکا حنی بعل ہے۔ لیکن اب دوسرے لڑکے کو تلاش کرنے کا وقت نہ تھا۔ ہملکار نے جدی نیم کی طرف اس طرح دیکھا کہ گویا اس کا گلا گھونٹنے کا قصد رکھتا ہے۔

فوراً چلا کر جدی نیم سے کہا۔ "دُور ہو!" اور اس طرح یہ غلاموں کا داروغہ

چلتا ہوا۔

غرض جس مُصیبت کا ایک مُدت سے ڈر لگا تھا وہ سر پر آن ہی پہونچی۔ اور اب نہایت غور و خوض سے اس مُصیبت کو ٹالنے کا فکر کرنے لگا۔

دفعتاً ابدل ہیم کی آواز دروازے سے باہر یہ کہتے سُنی کہ ہملکار کی ضرورت باہر ہے۔ موہنجو کے خدام بےصبر ہوئے جاتے ہیں۔

ہملکار کی زبان سے ایک چیخ ایسی نکلنے کو ہوئی جیسے کوئی گرم لوہا کسی کے جسم پر رکھدے۔ اور وہ دفعتاً چلا اُٹھے۔ مگر ہملکار نے طبیعت کو روکا اور ایک دیوانے کی طرح وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر کٹہرے کے قریب آکر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

سنگِ سماق کے حوض میں جہاں سلامبو مُنہ ہاتھ دھویا کرتی تھی تھوڑا سا پانی باقی تھا۔ باوجود تمام غرور اور تمکنت کے ہملکار نے خود اس لڑکے کو پانی میں غوطہ دیا۔ اور ایک بردہ فروش کی طرح اس لڑکے کو سجی اور سُرخ مٹی مل کر نہلانے لگا۔ پھر اُس نے کھڑکیوں کے پردوں سے تھوڑا سا سُرخ کپڑا اپھاڑ کر ایک ٹکڑا اس کی پُشت اور ایک سینے پر رکھکر کندھے کے پاس لاکر دونوں میں ایک الماس کا تکمہ لگایا۔ بہت سا عطر اس لڑکے کے سر پر ڈالا۔ اور ایک بڑا قیمتی نگینہ اس کے گلے میں لٹکایا۔ اور کفِ پائیوں میں جن کے حاشیے پر موتی ٹکے تھے اُس کے پاؤں ڈالے۔ لیکن شرم اور پریشانی سے ہملکار پاؤں زمین پر زور زور سے ملتا تھا۔ سلامبو اسوقت اس کام میں باپ کی بہت مدد کرتی تھی۔ باپ کی طرح بیٹی کا رنگ بھی زرد ہو رہا تھا۔ لڑکے نے جب یہ چمکیلی چیزیں اپنے بدن پر دیکھیں تو وہ ہنسنے لگا۔ اور پھر زیادہ بیباک ہو کر ناچنے اور تالیاں بجانے لگا۔ ہملکار لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اسکو گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔

ہملکار ڈر رہا تھا کہ کہیں لڑکا ہاتھ چُھڑا کر بھاگ نہ جائے! اسوجہ سے وہ لڑکے

کا ہاتھ مضبوط پکڑے رہا۔ لڑکا اس تکلیف سے کچھ رونے لگا۔ اور ہملکار کے ساتھ اُسکو دوڑنا پڑا۔

غلام خانے کے پاس ایک کھجور کے درخت کے نیچے ایک آدمی کی آواز نہایت رنج اور عاجزی کے ساتھ یہ کہتی سُنائی دی: "اے آقا۔ اے مالک" ہملکار نے مُڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک حد درجے کا مفلوک الحال آدمی جسکی گزر محل کے بچے کھچے کھانے پر ہوتی تھی اسکے قریب چلا آتا ہے۔

ہملکار نے اُس سے پوچھا: "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

اِس مفلس غلام نے ہکلا ہکلا کر کہا: "میں اس کا باپ ہوں" اور وہ اس طرح سر سے پاؤں تک کانپنے لگا کہ اسکی طرف دیکھنا مشکل تھا۔

ہملکار ٹھہرا نہیں۔ غلام اب گھٹنوں کے بل سر جھکائے اُسکے پیچھے چلا۔ اس آدمی کے چہرے سے سخت تکلیف اور الم ظاہر تھا۔ اس انتظار میں کہ ہملکار ٹھیرے اور اس غلام سے رحم کی درخواست سُنے غلام کی ایسی بُری حالت ہوئی کہ ہملکار آخر کار اسکی طرف متوجہ ہوا۔ غلام روتا اور سسکیوں کو روکتا تھا کہ سُنائی نہ دیں مگر اس میں اس کا دم گھٹا جاتا تھا۔ آخر کار قریب آکر بہت آہستہ سے اُس نے ہملکار کی کہنی پر اپنی اُنگلی لگائی اور کہا۔

"کیا آپ اس بچے کو ...." غلام میں اتنی طاقت نہ تھی کہ پوری بات کہتا۔ ہملکار اُس کی تکلیف اور رنج کی حالت کو دیکھکر ڈرا۔ اس غلام اور ہملکار میں اس درجہ فرق تھا کہ کبھی ہملکار کے خیال میں نہ آسکتا تھا کہ اس میں اور مجھ میں کوئی چیز مشترک ہو سکتی ہے اور اگر کوئی چیز مشترک ہوتی بھی تو ہملکار اُس کو اپنی توہین اور خفت سمجھتا۔ اور اپنے اختیارات میں اس چیز کو ایک کمی تصور کرتا۔ ہملکار نے اس غلام کی طرف ایسی نگاہ سے دیکھا جو سرد مہری اور ہلاکت میں

جلّاد کے تیشے سے کم نہ تھی۔ غُلام غش کھا کر زمین پر ہملکار کے قدموں میں گرا۔ ہملکار اس پر سے پھلانگ کر آگے بڑھا۔

محل کے بڑے کمرے میں سنگ مرمر کی گول نشست کے پاس موئخ کے تینوں کارندے سیاہ لباس پہنے کھڑے تھے۔ ہملکار نے کمرے میں قدم رکھتے ہی اپنے کپڑے پھاڑنے اور چیخیں مار مار کر فرش پر لوٹنا اور تڑپنا شروع کیا! اور اس حال میں رو رو کر کہتا تھا:-

"ہائے ہائے۔ میرے ننھے لعل۔ میرے لخت جگر۔ میرے دل کی ٹھنڈک۔ میری اُمید۔ میری جان۔ مجھے بھی مار ڈالو۔ مجھے بھی اس کے ساتھ لے چلو۔ ہائے ہائے!!" سارا چہرہ ناخنوں سے نوچ نوچ کر لہو لہان کر لیا۔ سر کے بال نوچ ڈالے اور اس طرح آہ و زاری کرنے لگا جیسے عورتیں میت کو اُٹھانے کے وقت کیا کرتی ہیں: "ہائے، کیا تم میرے بچے کو لے جاؤ گے۔ اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے بھی اسی طرح مار ڈالو جیسے اس بچے کی معصوم جان لینے والے ہو!" موئخ کے کارندے حیرت میں تھے اور تعجب کرتے تھے کہ ہملکار جیسا شجاع اور جری دل کا ایسا کمزور ہو جائے۔ ہملکار کا حال دیکھکر ان خادموں کے دل پر بھی اثر اور صدمہ ہوا۔

اتنے میں کسی کے ننگے پاؤں کی آواز آئی اور ایک آدمی سر سے پاؤں تک لرزتا۔ دم ایسا چڑھا ہوا جیسے کسی درندے کا سانس دوڑنے میں پھول جاتا ہو برآمدے کے فرش پر ہاتھی دانت کے دروازے میں کھڑا نظر آیا۔ رنگت اس کی زرد ہے اور نگاہوں میں ایسا غضب بھرا ہے کہ اُسکی طرف دیکھنا مشکل ہے۔ ہاتھ پھیلا کر چیختا ہے۔

"ہائے میرا بچہ!"

ہملکار ایک جست میں اُس پر آیا اور اس کے مُنہ پر اپنا ہاتھ رکھدیا اور خود اتنی آہ و زاری کی کہ اس کے شور میں اس آدمی کی چیخیں سُنائی دیں۔ ہملکار اب موئخ کے آدمیوں سے کہنے لگا۔

"یہی وہ بُڈھا ہے جس نے میرے بچے کو پرورش کیا تھا۔ وہ اس کو اپنا ہی بچہ سمجھتا تھا۔ جب یہ سُنے گا کہ بچہ کیوں لئے جاتے ہو تو وہ دیوانہ ہو جائیگا۔ ظلم و ستم کافی ہو چکا ہے" اتنا کہہ ہملکار نے کندھا مار تینوں کارندوں کو کمرے سے باہر کیا اور خود بھی اس کے ساتھ باہر آیا۔ اور پاؤں سے دروازہ زور سے بند کر کے آگے بڑھا۔

کچھ دیر تک ہملکار ڈرتا رہا کہ کہیں کاہن واپس نہ آجائیں۔ پھر خیال آیا کہ غلام کو بیچ سے چلتا کرے تاکہ وہ کوئی بات کہنے نہ پائے۔ لیکن یہ سوچکر کہ خطرہ ابھی باقی ہے اُس نے غلام کو جان سے مارنا مناسب نہ سمجھا۔ اور خیال کیا کہ اگر اس کی جان لی تو ممکن ہے آسمان کے خدا اُس سے ناراض ہو کر درپئے انتقام ہو جائیں۔ اور اُن کا غضب اس کے فرزند پر ٹوٹے۔ پس غلام کو جان سے ہلاک کرنے کا خیال ذہن سے دُور کیا۔ اور اپنے مطبخ سے عمدہ سے عمدہ کھانے تنعاخ دایہ سے منگوا کر جن میں کباب ایک قسم کی پھلیاں اور انار کا مُربہ تھا غلام کے سامنے رکھوایا۔ غلام جو کئی دن کا بھوکا تھا کھانے پر گرا۔ کھاتا جاتا تھا اور جس رکابی میں کھاتا تھا اس میں آنسو بھی گرتے جاتے تھے۔

آخر کار ہملکار سلامبو کے کمرے میں آیا۔ اور آتے ہی اُس نے کپڑے کی وہ پٹیاں جن میں اپنے فرزند کے ہاتھ پاؤں باندھے تھے کھولیں۔ لڑکا غصہ میں اپنے ہاتھ کو کاٹ رہا تھا۔ اور خون بہہ رہا تھا۔ ہملکار نے بیٹے کو پیار کر کے اس حرکت سے منع کیا۔

حنی لعل کو چُپ کرنے کے لئے سلامبو نے اُسے کافی ریٹی کی مشہور ساحرہ لامیا کی کہانی سُنائی۔ تاکہ وہ ڈر کر چپ ہو جائے۔ مگر کہانی سُنکر لڑکا بہن سے پوچھنے لگا کہ "وہ جادوگرنی کہاں ہے؟"

جب اس بچے سے کہا گیا کہ قزاق آ رہے ہیں کہ اُسکو پکڑ کر قید خانے میں ڈالدیں تو اُس نے کہا "آنے دو میں سب کو مار ڈالونگا۔"

پھر ہملکار نے سچا سچا واقعہ بیٹے سے کہا۔ اس بچے کو باپ پر غصہ آیا اور کہنے لگا "تم اس وقت قرطاجنہ کے مالک ہو۔ جتنے آدمی اس میں ہیں سب کو ایک دم قتل کر سکتے ہو۔"

اب حنی لعل مچلنے اور غصہ کرنے کے بعد یک تخت سو گیا۔ ایک سُرخ تکیہ اس کے سرہانے تھا۔ خواب میں باتیں کرتا سُنائی دیا۔ سر پیچھے کو تھا اور دونوں ہاتھ سیدھے پہلو میں پھیلے تھے گویا اس وقت بھی سالار فوج بنا سپاہ کو حکم احکام دے رہا تھا۔

جب رات زیادہ گئی تو ہملکار نے اُس کو بہت آہستہ سے گود میں اُٹھایا اور بغیر مشعل یا کسی قسم کی روشنی لئے بالاخانے کی سیڑھیاں اُتر کر وہ کاروبار والے کمرے میں آیا۔ یہاں سے پانی کی ایک صراحی اور انگور کے چند خوشے اُٹھائے۔ جب جواہرات والے کمرے میں پہونچا اور ایلیتیس کے بُت کے سامنے آیا تو حنی لعل کی آنکھ کھُل گئی۔ اور جو مُسکراہٹ بُت کے چہرے پر تھی وہی حنی لعل کے چہرے پر ظاہر ہوئی۔ باپ کی گود سے جواہرات کی چمک دمک دیکھکر ہنسنے لگا۔

یہاں پہونچکر ہملکار کو یقین ہوا کہ اب کوئی اس کو اسکے فرزند سے جدا نہ کر سکیگا۔ یہ مقام وہ تھا جہاں تک کوئی نہ پہونچ سکتا تھا۔ یہاں سے ایک زمین دوز راستہ سمندر کے کنارے تک گیا تھا۔ اور اس راستے کا حال سوائے ہملکار کے دوسرا نہ جانتا

تھا۔ بہلکار نے فرزند کی صورت دیکھکر ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور لڑکے کو ایک تپائی پر جسکے قریب بہت سی سونے کی ڈھالیں رکھی تھیں بٹھا دیا۔

یہاں کوئی دیکھنے والا نہ تھا اور کسی قسم کی احتیاط و نگہداشت کی ضرورت نہ تھی۔ اب ہملکار نے اپنے دل کی کیفیت ظاہر کی۔ اور اُس نے حنی بعل کو اپنے کلیجے سے اس طرح لگایا جیسے کسی ماں کا پہلوٹی کا بچہ گم ہونے کے بعد اُسے ملا ہو۔ بچے کو بار بار سینے سے لگاتا۔ کبھی روتا کبھی ہنستا۔ بڑے بڑے پیار کے ناموں سے بیٹے سے باتیں کرتا اور بار بار اُسکو پیار کرتا۔ باپ کی اس وحشتناک محبت کو دیکھکر حنی بعل چُپ ہو گیا۔

ہملکار دبے پاؤں دیواروں کو ٹٹولتا ہوا باہر آیا اور بڑے کمرے میں پہنچا۔ یہاں بُرج کے روشندان سے چاند کی روشنی آ رہی تھی۔ کمرے کے بیچ میں غلام مرمر کے فرش پر کھانا کھا کر غافل پڑا سوتا تھا۔ ہملکار اس کو غور سے دیکھتا رہا اور اسکے دل میں ایک کیفیت جو رحم سے مشابہ تھی پیدا ہوئی۔ اور جوتے کی نوک سے قالین کا ایک ٹکڑا کھسکا کر اُس کے سر کے نیچے رکھدیا۔ پھر نظر اونچی کر کے اُس نے چاند کی طرف دیکھا جو اسوقت ہلال کی شکل میں آسمان پر چمک رہا تھا۔ اب اس کا دل مضبوط ہوا اور تعلیم کی سے پروا نہ رہی۔

بچوں کو زندہ جلا کر مولخ پر سے تصدق اور قربانی کرنے کا بندوبست شروع ہو چکا تھا۔ ہیکل مولخ کی دیوار کا حصہ جو بت کی پُشت پر تھا۔ گرا دیا گیا تاکہ بُت کے سامنے قربانگاہ پر جو راکھ تھی اس میں فرق نہ آئے اور بُت کی طرف آسانی سے باہر نکال لیا جائے۔ غرض اس طرح مولخ کے آہنی بُت کو پیچھے دھکیلتے ہوئے خامون کے چوک کی طرف لے جانے لگے۔

بُت کی چوکی کے نیچے بہت سے بیلن لگائے تھے اور انہی پر پُشت کی طرف کھینچنے سے وہ کھسکتا تھا۔ بُت ایسا عظیم الشان تھا کہ اس کے شانے دیواروں کی

مُنڈیروں سے اُونچے تھے۔ جس وقت قرطاجنہ کے لوگوں نے اُسکو قریب آتے دیکھا تو وہ سب دوڑے کیونکہ اس بُت کا دیدار بلامضرت اُسی وقت ہو سکتا تھا جبکہ وہ حالتِ قہر و غضب میں ہو۔ دُھونیوں کے جلنے کی خوشبو سڑکوں اور رستوں میں آ رہی تھی۔ شہر کے تمام بُت خانوں کے دروازے کھولدئے گئے تھے۔ اِن دروازوں سے خیمے یا تو رتھوں پر رکھے ہوئے یا ڈولوں پر دھرے کاہنوں کے کندھوں پر باہر نکلے۔ ہر خیمے کے گوشوں پر سیمرغ کے پر لگے تھے اور اُن کی بُرجیوں پر سلاخوں کے سِروں پر سونے چاندی تانبے اور بلّور کے گولے نصب تھے۔ جو ہلنے میں آفتاب کی شعاعوں کو منعکس کرتے تھے۔

اِن خیموں میں کنعانی بعلیم کی مورتیاں رکھی تھیں۔ یہ بعلِ اعظم (آفتاب) کی اولاد سمجھے جاتے تھے۔ اور اسوقت گویا وہ اپنے خالقِ اوّل کی طرف مُراجعت کرتے تھے تاکہ اسکی قوت کے سامنے سرنگوں ہو کر اس کے جلال میں فنا ہو جائیں۔

ملک قرۃ کا خیمہ جس میں ایک شعلہ روشن تھا قرمزی رنگ کے باریک پارچے کا تھا۔ خامون کے خیمے میں جس کا رنگ سُنبل کا تھا ایک ہاتھی دانت کا فانُس رنگم رکھا تھا۔ اس کے گرد ایک حلقے میں جواہرات آراستہ تھے۔ عشمون کے خیمے کا رنگ آسمانی تھا۔ اس میں ایک اژدہا سر اور دُم کو حلقہ بنائے پڑا تھا۔ بُزرگانِ قرطاجنہ کے بُت بڑے بڑے بچوں کی طرح نہالچوں پر پڑے کاہنوں کی گود میں تھے اور اُن کے پاؤں زمین تک ٹپکتے تھے۔

اس کے بعد درجہ ادنیٰ کے خُداؤں کی باری آئی۔ ان میں بعل سمائیں یعنی آسمان اور ستاروں کا خدا بعل پوار مقدس پہاڑوں کا خدا۔ بعل زبوب یعنی خرابات کا خُدا۔ علاوہ ان کے متصلُ ملکوں اور ہم نسل قوموں کے خُدا بھی شریک تھے۔ یعنی کا ایر بال۔ کلدانیہ کا ادری ملک۔ اہلِ شام کا کیجون۔ اور ویرکتو نام کی ربۃ جس کا

چہرہ دوشیزہ کا سا تھا اور یہ اپنے چھوٹے چھوٹے پیروں کے بل چلتی تھی۔ اور تاموز کی لاش مشعلوں کی روشنی اور ریانوں کے ڈھیر میں تابوت پر پڑی تھی۔

اس خیال سے کہ افلاک کے کل بادشاہ آفتاب کے تحت سمجھے جائیں اور اُنکے تاثرات آفتاب سے کے عمل اور اثر میں مانع نہ ہوں۔ فلزات کے ستارے مختلف رنگوں کے بانسوں کے سروں پر لگا کر اُن کو پھراتے چلتے تھے اور سیاہ تے لوسے لیکر جو مریخ کی روح ہے کہ بہ صورت راحب تک جو برج حوت کے ستاروں کا مجموعہ ہے تمام ارباب فلک یہاں موجود تھے۔ آبادبر یعنی وہ پتھر جو کرۂ قمر سے زمین پر گرے تھے ان کو چاندی کے تاروں کے گوپھن میں رکھکر گردش دیتے تھے۔ دیبی سیر بیز کے کاہن بھی حاضر تھے۔ ان کے سروں پر چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں کلیجے جو جنس اناث کی شکل رکھتے تھے بھرے تھے۔ بعض لوگ اپنے پوجنے کے پتھر اور گلے کے تعویذ ساتھ لائے۔ ایسے بت بھی حاضر تھے جن کو سب بھول بسر گئے تھے۔ حتیٰ کہ جہاز کے سروں پر رموزِ مخفی کی جو جو شکلیں بنی تھیں اُن کو بھی اس جلوس میں نکالا تھا۔ گویا آج کل قرطاجنہ موت اور انہدام کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کئے تھا۔

ہر خیمے کے آگے ایک ایک آدمی سر پر ایک بڑا ظرف لئے۔ جس میں خوشبودار مصالحوں کے جلنے سے دھواں اٹھتا ہوتا تھا۔ دھوئیں کے بادل یہاں وہاں نظر آتے اور انہی گھٹا ٹوپ دھوئیں کے بادلوں میں سے لوگ ان مقدس خیموں میں جو کچھ تھا اُسی کو دیکھتے تھے۔ جلوس بہت آہستہ بڑھتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس میں جتنی چیزیں تھیں، وہ نہایت وزنی تھیں۔ کبھی کبھی رتھوں کے پہیے جن پر خیمے رکھے تھے چلتے چلتے اٹک جاتے۔ رتھوں کے رُکتے ہی خوش اعتقادوں کو موقع ملتا کہ تعلیم سی اپنی پوشاک کو مَس کریں۔ ایسی پوشاک کو تبرک سمجھ کر یہ لوگ اپنے پاس ہمیشہ حفاظت سے رکھتے تھے۔

موہنجو کا آہنی بُت خاموں کے چوک کی طرف بڑھتا رہا۔ شہر کے دولتمند ہاتھ میں فیروزوں جڑی موٹھ کے عصا لئے میگارا کی بیچ کی آبادی سے نکلے۔ قدما، شہر سروں پر تاج رکھے کینسدوں میں جمع ہوئے۔ خزانوں کے مہتمم، صوبوں کے حاکم، تاجر، سپاہی، ملاح اور وہ بڑا غول آدمیوں کا جو میت کی تجہیز و تکفین کے وقت حاضر ہو کر خدمت کرتا ہے اپنے اپنے پیشوں کے نشانات لگاتے اور اوزار ہاتھ میں لئے مقدس خیموں کی طرف حصار قرطاجنہ کے نیچے کاہنوں کے دار المجامع کے بیچ سے گذرتے ہوئے جا رہے تھے۔

موہنجو کی تعظیم و احترام کی غرض سے قیمتی لباس اور جواہرات سے آراستہ تھے۔ سیاہ قباؤں پر ہیرے چمکتے تھے لیکن انگوٹھیاں اتنی بڑی پہنے تھے کہ وہ ان کی دُبلی سوکھی انگلیوں سے نکل نکل پڑتی تھیں۔ اِس خاموش جلوس اور ہجوم سے زیادہ افسُردہ کرنے والا منظر آج تک دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ چلنے میں اُن کے کانوں کے بالے زرد مُردنی چھائے چہروں پر ہلتے تھے۔ فکر اور مایوسی نے انکی بھنووں میں بل ڈالکر سر کے تاجوں کو اُن تک ڈھلکا دیا تھا۔ یہ تاج بہت بوجھل تھے۔

غرض موہنجو کا بُت چوک خاموں کے ٹھیک بیچ میں پہونچ گیا۔ بُت جہاں ٹھہرا وہیں اس کے گرد کاہنوں نے فوراً ایک جالی اِس غرض سے کھڑی کر دی کہ خلقت بُت کے قریب نہ آسکے۔ خاموں کے کاہن بھورے رنگ کی اُونی عبائیں پہنے تھے۔ یہ لوگ صف باندھے ہیکل کے سامنے جو دالان تھا اُن کے دروں میں کھڑے تھے۔ عشموں کے کاہنوں کے لباس سوتی تھے۔ اور اُن کے رنگ ہُدہُد پرندے کی کلغیوں کے سے تھے۔ سروں پر اُن کے رنگین تاج تھے۔ وہ سب حصار قرطاجنہ کی سیڑھیوں پر صف باندھے کھڑے تھے۔ ملک قرۃ کے کاہن بنفشہ کے رنگ کی عبائیں پہنے مغربی سیڑھیوں پر تھے اور اباد یر کے کاہنوں کے لباس ملک فریگیا

کے پادریوں کے تھے یہ مشرق کی سمت میں تھے۔ ماتم کرنے والوں کی قباؤں میں پیوند
لگے تھے۔ یہ نجات سست کے تھے تمام مقام کا ہن جو مُردوں کی ہڈیاں منہ میں رکھکر آئندہ
کا حال بتاتے تھے حصارِ تنطابند کی چوٹی سیڑھیوں پر تھے۔ ان کو یدوتیم کہتے تھے
ان ہی کے ساتھ ساحر اور جادوگر جن کا تمام جسم گدا ہوا تھا بیٹھے تھے۔ دیوی سیریز کے
کاہن نیلے رنگ کی عبائیں پہنے بزار سنت سبب سے احتیاطاً ٹھہر گئے اور بہت
دھیمے سروں میں مختلف راتیں بندی کے جلالِ ظاہری کی تعریفیں گاتے تھے۔

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مادر زاد ننگے مردوں کی صفیں اس شکل میں آتیں
کہ ایک آدمی اپنا ہاتھ تانے دوسرے کے کندھے پر اور دوسرا تیسرے کے کندھے
پر رکھے تھا۔ ان میں ہر شخص اپنے سینے سے ایک کریہہ آواز جیسے کوئی غار میں بولتا ہو
نکالتا تھا۔ گردو غبار میں بھی اُن کی آنکھیں چمکتی دکھائی دیتیں اور سب اپنی نگاہیں
مولخ کے آہنی بُت کی طرف جمائے تھے۔ پھر انکی صفیں ایک ہی وقت میں ادھر سے
اُدھر جھومتیں۔ جھومتے جھومتے وہ ایسے وارفتہ ہوتے کہ خدامِ ہیکل اپنے عصاؤں اور
بلموں سے مار مار کر جالی کے پاس انکو چت لٹا دیتے۔

اب چوک کے سامنے کے رُخ سے ایک آدمی سپید لباس پہنے آیا۔ جب وہ بھیڑ
میں سے آہستہ قدم جاتا تھا تو لوگوں نے پہچانا کہ وہ ربۃ تانیت کا کاہنِ اعظم شاہابریم
ہے اس کو دیکھتے ہی سب نے آوازے کسنے شروع کئے۔ وجہ یہ تھی کہ آج ہر شخص
کے ضمیر میں غلبۂ ذکور کا احساس بڑھا ہوا تھا اور ربۃ تانیت کو سب اس قدر
بھول گئے تھے کہ اس کے کاہنِ اعظم کی موجودگی کا کسی کو خیال تک نہ آیا تھا لیکن
جب شاہابریم جالی کا دروازہ کھول کر بُت کے قریب جانے لگا اور یہ دروازہ وہ
تھا جس سے قربانی چڑھانے والے بُت کے قریب جاتے تھے تو مولخ کے کاہن سمجھے
کہ شاہابریم کا قصد مولخ کی شان میں بے ادبی اور توہین کا ہے۔ پس وہ غضبناک

ہوکر شاہابریم کو جالی سے باہر کردینے کو اُٹھے۔ موتیخ کے کاہن جو سوختنی قربانیوں کا گوشت کھاکر اور شہریاروں کا قرمزی لباس پہن کر اور سہ گوشہ تاج سروں پر رکھکر اس وقت اپنے کو سب میں ممتاز سمجھ رہے تھے۔ اس زرد صورت کے خنثے کو دیکھکر جو نفس کشی سے کمزور و ناتواں ہو رہا تھا سخت متنفر ہوتے۔ اور جب غصہ میں اگر وہ ہنسے تو اُن کی سیاہ ڈاڑھیاں اُن کے سینوں پر ہلنے لگیں۔ شاہابریم نے ان کے کلمات توہین آمیز کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور آگے بڑھا چلا گیا۔ اور بُت کے گرد ایک مرتبہ پھر کر وہ بت کے دونوں قدموں کے بیچ میں آکھڑا ہوا۔ اور دونوں ہاتھ پھیلا کر بُت کے دونوں قدموں کو باری باری سے بوسہ دیا۔ یہ تعظیم اور احترام ظاہر کرنے کا معمولی طریقہ تھا۔ ربۃ تانیت نے اپنے اس کاہن کو ایک مدت سے رنج و عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اب چونکہ شاہابریم کے لئے کوئی معبود نہ رہا تھا پس اپنے قلب کے اطمینان کے لئے اُس نے موتیخ کے پرستاروں میں اپنے تئیں شامل کر لیا۔

اس تبدیل طریقت پر تمام مجمع کو سخت برہمی ہوئی۔ اور وہ سمجھے کہ شاہابریم کی یہ حرکت انکے تعلق کو جو ایک رحمدل معبودہ کے ساتھ وہ رکھتے ہیں منقطع کرتی ہے۔

شاہابریم چونکہ خنثہ تھا اس لئے وہ بعل موتیخ کی کسی رسم میں شریک نہ ہو سکتا تھا پس موتیخ کے سُرخ لباس والے خادموں نے اُسکو جالی سے باہر نکال جالی کا دروازہ بند کر دیا۔ شاہابریم جب جالی سے باہر ہوا تو وہ باری باری سب کاہنوں کی تمام جماعتوں میں گیا۔ اور تانیت کا کاہن جب اپنے معبود سے محروم ہوا تو وہ خلقت کے ہجوم میں غائب ہوگیا۔ جدھر سے اس کا گذر ہوتا آدمی ہٹ جاتے۔

اس اثنا میں بُت کی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں عود، سرو اور شجر الغار کی لکڑیاں رکھ کر ان میں آگ لگائی گئی۔ بُت کے آہنی پر جو شانوں سے نیچے تک آتے تھے اب

ان کے سر سے آگ کے شعلوں میں آ گئے۔ عطریات جو بُت کے جسم پر ملے گئے تھے اب وہ اُسکے آہنی بدن پر پسینے کی طرح بہتے ہوئے قدموں تک آئے۔ بچوں کو سیاہ کپڑوں میں لپیٹ کر اس گول پتھر کے گرد جس پر بُت کھڑا تھا حلقہ بنا کر ڈال دیا تھا۔ بُت کے ہاتھ چونکہ بہت لمبے تھے اسلئے اسکی ہتھیلیاں بچوں کے اس حلقے تک پہونچتی تھیں۔ گویا مولخ بچوں کے اس حلقے کو سر کا تاج بنا کر آسمان پر لیجانیوالا ہے۔

قرطاجنہ کے دولتمند، وہاں کے قدما، عورتیں اور تمام خلقت یا تو کاہنوں کی صفوں کے پیچھے کھڑی ہو کر یا گھروں کی چھتوں پر چڑھی یہ کل تماشہ دیکھتی تھی۔ بڑے بڑے ستارے جن کو بانسوں پر لگا کر گردش دیتے تھے جب وہ بند ہوئی تو خیمے رتھوں اور ڈولوں پر سے اُتار کر نیچے رکھدئے گئے۔ جن ظروف میں عود وا گر روشن تھا انکا دھواں اُونچے درختوں کی طرح بلند ہوا اور وہاں انکی ہلکی نیلگوں شاخیں آسمان کے گہرے لاجوردی رنگ میں نظر آئیں۔

بہت لوگوں کو غش آ گیا۔ بہت بالکل بحیس ہو کر جہاں کھڑے تھے وہیں پتھر کی مورتیں بنے کھڑے رہے۔ دیکھنے والوں پر ایک عجیب غم اور صدمہ تھا آخر کار چیخیں بند ہوئیں۔ قرطاجنہ کے لوگ سب دم بند کئے کھڑے تھے۔ خوف و بیم کے انتظار میں کہ دیکھیے اب کیا دیکھنے میں آتا ہے انکو کسی بات کا ہوش نہ تھا۔

اب مولخ کے کاہنوں نے ایک ایک کپڑے میں جن میں بچے لپٹے پڑے تھے ہاتھ ڈالا۔ ہر بچہ کے سر سے ایک مٹھی بالوں کی کاٹی۔ پھر بچے کو اٹھا آگ میں جھونک دیا۔ اور وہ کاہن جو سرخ عبائیں پہنے تھے انہوں نے ایک دعا پڑھی جس کا مضمون تھا کہ:۔

" اے آفتاب طاعت و بندگی تیرے ہی لئے ہے۔ تو ہی دونوں جہاں کا بادشاہ ہے، تو ہی خالق ہے جس نے خود اپنے کو مخلوق کیا۔ تو ہی باپ ہے اور

تُو ہی ماں ہے، تُو ہی باپ ہے اور تُو ہی فرزند ہے۔ تُو ہی معبود ہے اور تُو ہی معبودہ؛ یا معبود! یا معبودہ!"

یک لخت باجوں اور سازوں کا شور اُٹھا اور کاہنوں کی آواز اب اس شور میں نہ سُنائی دی۔ باجے اور ستار سب ایک دم اس زور سے بجنے لگے کہ بچے جو قربانی کیے جاتے تھے اُن کی چیخیں نہ سُنائی دیں۔ باجوں میں سیمی نیتھ جن میں آٹھ تار تھے اور کینور جس میں دس اور نیبل جس میں بارہ تار تھے بجنے لگے۔ کسی سے ناگوار آواز کسی سے سیٹیاں، کسی سے بادل کی گرج سُنائی دیتی بڑی بڑی شکلیں جن میں بانسریاں لگی تھیں اُن سے نہایت تیز گھٹتی بڑھتی صدائیں پیدا ہوئیں۔ طبلوں و طنبوروں نے جن پر بجانے والے پوری قوت سے ہاتھ مارتے تھے گمک پیدا کی اور بوق و نفیر کی آوازوں سے بلند سلسلیم کی آواز تھی جو جھینگر کے بولنے کی طرح برابر آواز دیے جاتا تھا۔

مولخ کے آہنی قوی ہیکل بُت کے کھوکلے شکم اور سینے میں سات خانے یا درجے بنے تھے۔ پہلے درجے میں آٹا۔ دوسرے میں قمریوں کا ایک جوڑا تیسرے میں ایک بندر چوتھے میں ایک مینڈھا۔ پانچویں میں ایک بھیڑ بند کی۔ چھٹے درجے میں بند کرنے کے لیے ایک سانڈ کی ضرورت تھی۔ لیکن جب سانڈ نہ ملا تو حرم میں جاکر وہاں سے ایک بیل کی کھال اُٹھا لائے اور اسکو چھٹے درجے میں رکھ دیا۔ ساتواں درجہ خالی چھوڑ دیا گیا۔

قربانی کی رسم سے پہلے بُت کے ہاتھوں کی آزمائش کی گئی کہ وہ ٹھیک طور پر چلتے ہیں یا نہیں۔ بُت کی ہر انگلی سے پتلی پتلی زنجیریں کندھوں پر سے ہوتی ہوئی پُشت کی طرف لٹکی تھیں۔ یہاں چند آدمی جب ان زنجیروں کو کھینچتے تھے تو بُت کے دونوں کھلے ہوئے ہاتھ مع کہنی کے بازوؤں سے لگ جاتے۔ یہ زنجیریں اس طرح

بھی کھینچی جاتی تھیں کہ دونوں ہاتھ مع کہنیوں ایک دوسرے کے قریب آتے آتے ایک جھٹکے کے ساتھ پیٹ پر آتے ہی مل جائیں۔ یہ دونوں قسم کی حرکتیں بُت کے پیچھے جو لوگ بیٹھے تھے اُنہوں نے بار بار دکھائیں۔ باجے بجنے بند ہوئے آگ کے دہکنے کا شور سُنائی دیا۔

موہنجو کے کاہن اس پتھر پر ٹہل ٹہل کر جس پر بُت کھڑا تھا خلقت کی طرف دیکھتے۔ اب ضرورت یہ تھی کہ کوئی شخص خود آئے اور قربانی پیش کرے۔ یعنی کوئی شخص خود اپنی خواہش اور مرضی سے مجبور ہو کر بُت پر بلیدان کرے۔ اور وہ دوسروں کے لئے مثال ہے۔ مگر اس کام کے لئے کوئی متنفس آگے نہ بڑھا۔ جس احاطے میں خلقت کھڑی تھی وہاں سے سات راستے بُت تک بنے تھے۔ اِن راستوں میں کوئی شخص بھی بُت کی طرف آتا نظر نہ آتا۔ اب کاہنوں نے لوگوں میں جوش پیدا کرنے کیلئے اپنی کمر سے خنجر نکالے اور اپنے چہروں کو اُن سے زخمی کیا۔

جو آدمی جالی کے پاس پڑے تھے اُن کو اندر آنے دیا۔ جب وہ اندر آ گئے تو ایک تھیلا جس میں جسمانی اذیت کے لئے طرح طرح کی چیزیں بھری تھیں جال کے اندر ڈال دیا گیا۔ تھیلے کو دیکھتے ہی ہر شخص نے جو چیز اپنی اذیت کے لئے پسند کی نکالی۔ لمبی لمبی کیلیں اپنے سینوں میں بھونکیں۔ چہرے زخمی کئے۔ سروں پر کانٹوں کے تاج رکھے۔ پھر اُنہوں نے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالیں اور کپڑوں میں لپٹے بچوں کا جو حلقہ بنا تھا اس کے گرد اپنا بڑا حلقہ قائم کیا۔ یہ حلقہ کبھی بڑھتا کبھی سمٹتا تھا۔ کبھی وہ کٹہرے کے قریب آ جاتا کبھی اُس سے کچھ دُور ہو جاتا۔ غرض اُن کی یہ مسلسل و متواتر حرکت اور پھر اُنکے جسم سے خُون کے فواروں کا نکلنا اور ہر طرف کی چیخیں ایسی چیزیں تھیں کہ خلقت اُنکی طرف بڑھنے لگی۔

اب کچھ کچھ لوگ ان راستوں پر نظر آئے جو بُت تک بنے تھے۔ آگ کے پاس آتے

ہی انہوں نے موتی، سونے کے ظروف، پیالے، شمعدان، خلاصہ یہ کہ جو کچھ اُن کے پاس قیمتی تھا بُت کو صدقے میں چڑھا دیا۔ اور یہ نذریں قیمت اور عمدگی میں برابر بڑھتی چلی گئیں۔ آخر کار ایک زرد صورت کا آدمی خوف سے بدحال گرتا پڑتا آگ کے پاس آیا۔ اور اُس نے ایک بچے کو سپرد آتش کیا۔ بُت کے ہاتھ پر کوئی کالی سی چیز نظر آئی۔ اور پھر وہ اس کے سینے کے ساتویں درجے میں پہونچکر غائب ہو گئی۔ کاہن اِس پتھر پر جس پر بُت کھڑا تھا اور پھر سب نے مل کر ایک نئی مناجات پڑھنی شروع کی۔ جس میں موت کی مسرتیں اور عالم ازلی میں نئے جنم کی خوشیاں بیان کیں۔

غرض اس طرح قربانی کے بچے بُت کی ہتیلی پر آکر اُس کے سینے کے ساتویں خانے میں پہونچکر غائب ہونے لگے چونکہ اُنکے گرتے ہی ایک دُھواں اُٹھتا تھا اس لئے دُور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک بادل میں جاکر نظر سے محو ہو جاتے ہیں۔ کسی بچے نے حرکت نہ کی۔ اس کی کلائیاں اور پاؤں مضبوط بندھے تھے۔ اور سیاہ کپڑا جس میں وہ لپٹے تھے ایسا تھا کہ جس میں سے نہ خود وہ کچھ دیکھ سکتے تھے اور نہ کوئی دوسرا اُن کو پہچان سکتا تھا۔

ہملکار اس وقت کاہنوں کا سُرخ لباس پہنے بعل (موہنجو کے بُت) کے داہنے پاؤں کے انگوٹھے کے سامنے کھڑا تھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے تھا۔ نظریں نیچی تھیں۔ اس حال میں وہ دیر سے کھڑا رہا۔ جب چودھواں بچہ آگ میں ڈالنے کو لایا گیا تو سب نے دیکھا کہ ہملکار کے چہرے سے سخت خوف اور پریشانی ظاہر ہوئی لیکن جلد وہ اپنی پہلی حالت میں آگیا۔ اور اُسی طرح سینے پر ہاتھ باندھے نظریں نیچی کئے نظر آیا۔ بُت کے دوسری طرف موہنجو کا کاہنِ اعظم سر پر آشوری تاج رکھے سینے پر سونے کی ایک تختی لٹکتی جس میں جواہرات جڑے تھے اور جس سے مستقبل کے حالات دریافت ہوتے تھے کھڑا ہے۔ گلے کی تختی میں شعلوں کا عکس پڑتا ہے۔ یہ کاہن سر جھکائے

تھا اور خوف سے اُس کا چہرہ زرد تھا۔ ہمکار نے بھی سر جھکایا اور اب کاہن اور ہمکار دونوں بڑھکر آگ سے اتنے قریب ہو گئے کہ اُنکے دامن شعلوں کو چھونے لگے۔

بُت کے ہاتھوں کی حرکت بہت تیز ہو گئی۔ ہاتھوں کو اب قرار نہ تھا۔ جب کوئی بچہ اُس کی ہتیلی پر پہونچتا تو موہنجو کے کاہن ہاتھ پھیلاتے گویا اہلِ قرطاجنہ کے گناہوں کا اقرار کرتے اور کہتے کہ "وہ بَیل ہیں بَیل" پھر خلقت چیختی "سچ ہے وہ بَیل ہیں بَیل" پھر موہنجو کے کاہن کہتے "مالک اُن کو کھائے" پروسپیرائن کے کاہن قرطاجنہ کی ضرورتوں کا خیال کر کے خوف سے جھکے۔ اور پھر یہ کلمہ زبان پر لاتے "اب کرم کر اُنپر اپنا مینہ برسا دے۔ برسا دے"

جب کوئی بچہ بُت کی ہتیلی سے اُس کے سینے کے ساتویں طبقے میں پہونچتا تھا تو وہ اس طرح غائب ہو جاتا تھا جیسے جلتے توے پر پانی کی بُوند اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا سپید بادل تیز سُرخ روشنی میں اُٹھتا نظر آتا۔

لیکن موہنجو کی اشتہا کسی طرح سیر نہ ہوتی تھی۔ وہ برابر غذا مانگتا رہا۔ اور اسی خیال سے زیادہ تعداد بچوں کی اُس کے ہاتھ پر رکھی گئی۔ بچے جو اُس کی ہتیلی پر ڈالے گئے ان کو وہیں ایک زنجیر سے روکے رکھا کہ وہ نیچے نہ گرنے پائیں۔ شروع میں بعض معتقدوں نے بچوں کو شمار کرنے کی کوشش کی تاکہ معلوم ہو کہ جو بچے نذرِ آتش کیے گئے ہیں اُن کی تعداد شمسی سال کے دنوں تک پہونچ گئی ہے یا نہیں۔ لیکن اب اور بچے موہنجو کی ہتیلی پر رکھے گئے۔ اور اب بُت کے ہاتھوں کی حرکت اس قدر تیز ہوئی کہ اُس کا شمار کرنا غیر ممکن ہوا۔ دونوں ہاتھ اس تیزی سے پیٹ پر آتے تھے کہ دیکھکر لوگوں کو غش پر غش آنے لگے۔ ہاتھوں کی حرکت شام تک برابر ایک حالت سے جاری رہی۔ بُت کے سینے میں جو سات خانے تھے وہ سُرخ آگ ہو گئے تھے۔ گو جلتا دکھائی دیا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ انہوں نے بچوں کے ہاتھ پاؤں جلتے دیکھے

اور بعض نے کہا کہ ہم نے اُنکی شکل بھی پہچانی۔

دن کی روشنی زائل ہوئی۔ موہنجو کے سر پر بادل گھر کر آئے۔ آگ اب بجھنے لگی۔ اور راکھ کا ڈھیر بُت کے گھٹنوں تک نظر آیا۔ یہ آہنی بُت ایک مہیب دیو معلوم ہوتا تھا جس پر سوائے خون کے داغوں کے اور کچھ نہ تھا۔ سر اس کا پیچھے کو ہٹا معلوم ہوتا تھا جس سے لوگ سمجھتے تھے کہ خون کے نشے میں موہنجو اس وقت مگن ہے۔

کاہنوں نے جس قدر اپنے کام میں عجلت کی خلقت میں جوش و خروش بڑھا۔ جب قربانی کے بچے کم ہونے لگے تو بعض نے کہا کہ جو زندہ باقی ہیں اُن کو نہ جلایا جائے۔ لیکن بعض نے کہا نہیں قربانی اور کی جائے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ خلقت کے شور میں درد و تکلیف کی چیخیں اور اُس کے ساتھ مسرت اور خوشی کے نعرے جن کا بھید نہ کھلتا تھا کہ وہ کس بات پر ہیں، اس غضب کے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ شہر کی دیواریں اب شق ہوا چاہتی ہیں۔ اب موہنجو کے چند پرستار راستوں پر اپنے بچوں کو گھسیٹتے ہوئے نظر آئے۔ بچے اُن کے گھٹنوں کو چمٹے جاتے تھے اور وہ اُن کو مار مار کر اپنے پاس سے ہٹاتے اور آخر کار اُن کو سُرخ لباس والے کاہنوں کے حوالے کرتے۔ بعض وقت سازندے اور گانے والے اتنا تھک جاتے کہ وہ گانا بجانا بند کر دیتے۔ پھر ماؤں کی جگر ریش چیخیں اور چربی کے چٹخنے کی آواز جب وہ جلتی لکڑیوں پر پڑ کر آتی سُنائی دیتی۔ حنا کے پینے والے چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے اور شیروں کی طرح دھاڑتے بُت کا طواف کرتے۔ یدونیم جس قدر وہاں تھے وہ آئندہ کی خبریں سنانے میں مصروف تھے۔ متعصب اپنے کٹے ہونٹوں سے دُعائیں پڑھتے۔ غرض جالی جو رتھ کے گرد کھنچی تھی ٹوٹ گئی۔ اب ہر شخص کی تمنا تھی کہ خود بھی قربان ہو جائے۔ اور ایسے باپ جنکے بچے آج کے واقعہ سے پہلے مر چکے تھے انہوں نے اُن کی شکل کے پتلے بنائے۔ اور کھلونے جس سے وہ کھیلا کرتے تھے یا بچوں کی ہڈیاں جو والدین نے اپنے پاس

رکھ لی تھیں۔ ان سب کو آگ میں جھونک دیا۔ بعض لوگ جن کے پاس چھرے اور خنجر تھے اُنہوں نے دوسروں کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ یا خود اپنے تئیں ہلاک کیا۔ خدام ہیکل سونے کے چمچے اُٹھا اُس پتھر کے کناروں سے راکھ سمیٹنے لگے جس پر بُت کھڑا تھا۔ اِس راکھ کو پھر اُنہوں نے ہوا میں اُڑا دیا۔ تاکہ کُل شہر اپنے بچوں کی قربانی سے جن کو زندہ جلا کر راکھ بنایا تھا مستفید ہو۔

شہر میں اِس غل اور شور نے باہر کے مستاجروں کو بھی متوجہ کیا۔ وہ سب فصیل کے قریب آئے اور بعض پولس جو ٹوٹا پڑا تھا اُس پر چڑھ کر اس منظر کو دیکھنے لگے۔

باب (۱۴)

تیشے والی گھاٹی

قرطاجنی ابھی اپنے گھروں تک نہ پہونچے تھے کہ سروں پر گہرے بادل گھر کر آئے اور جب انہوں نے مڑکر مولخ کے بلند قامت بت کو دیکھنے کیلئے سر اونچا کیا تو اُن کی پیشانی پر مینہ کی بڑی بڑی بوندیں پڑیں اور اب مینہ برسنا شروع ہو گیا۔

تمام رات مینہ موسلا دھار برستا رہا۔ بادل بھی شدت سے گرجے۔ بادلوں کی گرج مولخ کی آواز تھی۔ مولخ نے تانیت پر غلبہ پاکر تانیت کو بارآور کیا تھا اور جب تانیت بارآور ہوئی تو اُس نے عرش کی بلندی سے دودھ کی دھاریں دُنیا پر برسائیں۔ فضا میں جہاں جگہ صاف تھی وہاں دیکھا گیا کہ ربہ تانیت بادلوں کے تکئے لگائے لیٹی ہے۔ جب بادل پھر تاریکی پیدا کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تانیت ابھی تک کمزور ہے اور استراحت میں رہنا چاہتی ہے۔ قرطاجنہ کے لوگوں کا بالعموم اعتقاد تھا کہ پانی نے چاند سے جنم پایا ہے اور اُس کے اِس دردو تکلیف کو آسان کرنے کے لئے وہ غل مچاتے تھے۔

گھروں کی چھتوں پر مینہ کے کوڑے اور سانٹے پڑنے لگے۔ پرنالوں نے گھر کے صحنوں کو جھیلیں اور تالاب بنایا۔ زینے آبشار بن گئے اور گلیوں کے گوشوں پر

پانی کا وہ زور ہوا کہ بھنور پڑنے لگے۔ ہر عمارت کے گوشے سے پانی ٹکریں مارتا کف اُٹھاتا نظر آیا۔ دیواروں پر معلوم ہوتا کہ کسی نے سپید چادریں لٹکا رکھی ہیں اور ہیکلوں کی دُھلی دُھلائی چھتیں سیاہ نظر آئیں۔ قرطاجنہ کے بلند قلعہ سے صدہا سمتوں میں پانی کی رَو گر رہی تھی۔ یکایک مکانات گرنے شروع ہوئے کڑیوں کے ٹکڑے پرانا چونا گھروں کا سامان بہتا نظر آیا۔ سڑک کی نالیوں میں پانی بڑے زور شور سے بہنے لگا۔ لوگوں نے لگن لگنیاں، تھال، کونڈے اور کپڑے تک مینہ میں ڈالے تاکہ بارش کا پانی جمع کرلیں۔ مشعلیں سب گل ہو چکی تھیں اُن کی جگہ لوگوں نے مولخ کی چتا سے جلتے چیلے اُٹھائے اور قرطاجنہ والوں نے گردنیں پیچھے کو ڈال کر مُنہ کھولے تاکہ مینہ کا پانی پئیں۔ بہت لوگ جہاں گندہ پانی کھڑا تھا اُس میں جا کودے۔ پانی کندھوں تک آیا۔ یہی پانی اتنا پیا کہ بھینسوں کی طرح اُگلنے لگے۔ رفتہ رفتہ ہوا میں خنکی پیدا ہوئی اور ٹھنڈی ہوا میں کسی نے انگڑائیاں لیں اور کوئی اُچھلا کودا۔ بارانِ رحمت کی خوشی میں سب کے دل میں بڑی بڑی اُمیدیں پیدا ہوئیں، مصیبتیں جتنی پڑیں تھیں دل سے دُور ہوئیں اور ایسا معلوم ہوا کہ مُلک اور قوم نے نیا جنم لیا ہے۔

اب قرطاجنیوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ قہر و غضب جو اپنے اُوپر ٹوٹنے سے بچا ہے اس کو دوسروں پر توڑیں۔ جیسی کچھ قربانی اسوقت انہوں نے کی ہے وہ فضول اور بیکار نہیں جا سکتی۔ انکو کسی قسم کی پشیمانی یا قلق نہ تھا ان پر اسوقت وہ طیش و غضب حاوی تھا جو ایسے جرائم میں شرکت سے محسوس ہوتا ہے جسکی تلافی غیر ممکن ہو۔

ہملکار نے اب خود ہی ہانو سے ملاقات کی اور اپنے اختیارات سے جو پورے طور سے اُس کو حاصل تھے اُس نے فوج کی سپہ سالاری ہانو کے سپرد کی۔ شروع میں ہانو کچھ تو ہملکار سے پرانی عداوت کے خیال سے اور کچھ اس بات کے خیال سے

کہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں کچھ دیر تک ڈانواں ڈول رہا مگر آخر کار اس نے سپہ سالاری قبول کر لی۔

اسکے بعد ہملکار نے ایک جنگی کشتی جس کے دونوں سِروں پر منجنیق لگے تھے باہر نکلوائی اور اُس نے اس کشتی کو خلیج میں بیڑے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور پھر بیڑے سے جہاز نکلوا کر اپنی سب سے مضبوط فوجوں کو ان پر سوار کر کے انہیں روانہ کیا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ راہِ فرار اختیار کرنے والا ہے۔ غرض ہملکار شمال کی طرف ان جہازوں کو لے گیا اور پھر غبار میں سب کی نظر سے اوجھل ہوا۔

تین دن کے بعد جبکہ مستاجر پھر حملہ کرنے کو ہوتے تو ساحلِ لیبیہ سے آدمیوں کا ایک غول یہ کہتا ہوا آیا کہ برقہ نے انکے ملک پر یورش کی ہے وہ ہر جگہ رسد کا سامان جبراً حاصل کر کے ملک پر قبضہ کرتا جاتا ہے۔

یہ خبر سُنکر مستاجروں کو ہملکار پر ایسا غصہ آیا جیسے کسی خیر خواہ کے باغی ہو جانے میں آئے۔ مستاجروں میں جو لوگ قرطاجنہ کا محاصرہ کرتے کرتے تھک گئے تھے بالخصوص گالیہ کے لوگ انہوں نے بلا تامل فصیل قرطاجنہ کو بحالِ خود چھوڑ کر ہملکار کے مقابلے پر جانا چاہا۔ اسپندیوس اس فکر میں تھا کہ ہیلی پولس کو پھر از سرِ نو تیار کرے۔ ماتو نے قسم کھائی تھی کہ اپنے خیمے سے لیکر میگارا تک ایک راستہ قائم کرے لیکن مستاجروں میں سے ایک شخص بھی اس کام پر آمادہ نہ ہوا۔ لیکن جو لوگ آتارتیوس کے زیر فرمان تھے وہ فصیلِ قرطاجنہ سے ہٹ کر چلتے بنے۔ اس وقت لشکر مستاجر پر کچھ ایسی غفلت چھائی تھی کہ اُن کی جگہ دوسروں کو انہوں نے نہ بھیجا۔

نرہیواس دُور سے پہاڑوں میں بیٹھا ان کو دیکھ رہا تھا جب رات ہوئی تو اس نے اپنی کُل فوجوں کو نمک کی جھیل کی طرف جو سمندر کے جانب تھی روانہ کیا۔ اور

خود شہر قرطاجنہ میں داخل ہو کر اپنے کو شہر کا مخلص اور نجات دہندہ باور کرایا۔ اسکے ہمراہ چھ ہزار فوج تھی ہر سپاہی اپنے خفتان میں آٹے کی ایک تھیلی چھپائے تھا۔ چالیس ہاتھی بھی اسکے ہمراہ تھے جن پر چارا اور خشک کیا ہوا گوشت بار تھا۔ شہر کی خلقت جلد ان ہاتھیوں کے گرد جمع ہو گئی اور ہر ہاتھی کا ایک ایک نام رکھنے لگی۔ ہاتھی جن کو بعل کے جانور سمجھ کر متبرک خیال کرتے تھے ان کو دیکھ کر قرطاجنہ کے لوگ اسقدر خوش ہوئے کہ نرہیواس کی فوجی کمک پر اتنے خوش نہ ہوئے تھے یہ ہاتھی خدا کی مہربانیوں کے ضامن اور اس بات کا ثبوت تھے کہ اب خدا خود اس جنگ میں ان کی امداد کو شریک ہونے والا ہے۔

قدمار ریاست کا خیر مقدم خاطر مدارات قبول کر کے نرہیواس سلامبو کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ سلامبو سے آخری ملاقات ہملکار کے خیمے میں اس وقت ہوئی تھی جبکہ پانچوں لشکر وہاں موجود تھے اور سلامبو سے مصافحہ کرنے میں نرہیواس نے اُسکے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی نزاکت محسوس کی تھی۔ عقد کے ابتدائی مراسم کے بعد ہی سلامبو قرطاجنہ چلی آئی تھی۔ نرہیواس اس اُمید میں تھا کہ اب وہ اپنے حقوق سے اس طور پر مستفیض ہو گا کہ سلامبو سے شادی کر کے اُسکو اپنی بیوی بنائیگا۔

سلامبو کی اب تک سمجھ میں نہ آیا تھا کہ یہ نوجوان اس کا مالک اور شوہر کیونکر ہو گیا۔ اور گو ربۃ تانیت سے وہ روز ماتو کے مرنے کی دعائیں مانگا کرتی تھی لیکن اب ماتو کا وہ خوف جو پہلے دل میں رہتا تھا باقی نہ تھا۔ سلامبو کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماتو جس نفرت عداوت کے ساتھ اُس کی جان کا لاگو ہو رہا ہے اس میں بھی کوئی مذہبی معمہ پوشیدہ ہے۔ اور جو واقعہ جبر و زیادتی کا پیش آ چکا تھا اب وہ ایک لطف کے ساتھ یاد آنے لگا۔ اور نرہیواس کی ذات میں اس واقعہ کی تکرار کا تصور بنا رہا۔ وہ چاہتی تھی کہ نرہیواس سے زیادہ واقفیت پیدا ہو لیکن اسکے سامنے آنے کے وہ خیال سے پریشان ہوتی تھی خلاصہ

یہ کہ اُس نے کہلا بھیجا کہ میں اسوقت نہیں مل سکتی۔

علاوہ اسکے ہملکار نے بھی اپنے ملازموں کو حکم دے رکھا تھا کہ سلامبو اور نومیدیا کے بادشاہ سے ملاقات نہ ہونے دی جائے۔ ہملکار نے سوچ رکھا تھا کہ نرہیوا اس کی خدمات کا صلہ جنگ کے خاتمہ تک ملتوی رکھا جائیگا۔ غرض نرہیوا اس کو ہملکار کا اسقدر خوف اور لحاظ تھا کہ وہ محل سے چلا گیا۔

باوجود خاطر و مدارات کے جو صدر ارکانِ مجلس کی طرف سے ہوئی تھی۔ نرہیوا آر نے ان ارکان کے ساتھ برتاؤ اچھا نہ کیا۔ ان کے بہت سے انتظاموں میں ردّ و بدل کیا۔ اپنے آدمیوں کے لئے خاص مراعات منظور کرائے اور متعدد عہدوں پر انکو مامور کیا۔ چنانچہ جب فصیل کے برجوں اور مورچوں پر متاجروں نے نومیدی افسروں کو کھڑا دیکھا تو اُن کو تعجب ہوا۔

اب ایک پُرانے جہاز میں چار سو قرطاجنی سپاہی جن کو جزیرہ صقلیہ کی لڑائیوں میں رومانیوں نے قید کر لیا تھا۔ قرطاجنہ میں واپس آئے۔ یہاں کے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ واقعہ یہ تھا کہ صورمی شہر کی بغاوت سے پیشتر ہملکار نے لاطینی جہازوں کے جن ملاحوں کو نظر بند کیا تھا اُن کو روما واپس کر دیا۔ اب رومانیوں نے اس احسان کا بدلہ اس طرح کیا کہ قرطاجنی اسیروں کو قرطاجنہ واپس کیا۔ قرطاجنہ کے اُجرتی سپاہی جو جزیرہ سارڈینیہ میں تھے انہوں نے جو کچھ پیغام رومانیوں کو بھیجا تھا اسے رومانیوں نے نامنظور کر دیا اور عتیقہ کے لوگوں نے جب لکھا کہ وہ روما کی رعایا بننا چاہتے ہیں تو رومانیوں نے انکی یہ درخواست نامنظور کر دی۔

ہایرو حاکم سرقوصہ نے بھی روما کی مثال کا اتباع کیا۔ اس حاکم کے صوبوں میں حفاظت اور سلامتی کی اغرض سے سرقوصہ اور قرطاجنہ میں توازنِ قوت کا قائم رہنا ضروریات سے تھا۔ کنعانیوں کی خیر و سلامتی میں اس کا بھی فائدہ تھا۔ پس قرطاجنہ کے ساتھ اپنی دوستی

اور نیکخواہی کا ثبوت اُس نے اس طرح دیا کہ بارہ سو مویشی اور ترپن ہزار بتال خالص گیہوں کے اُس نے قرطاجنہ روانہ کئے۔

ہمسایہ قوموں کو قرطاجنہ کی مدد کرنے کی ضرورت کی وجہ ایک اور بھی تھی۔ یہ ہمسایہ قومیں اور ریاستیں سمجھتی تھیں کہ اگر مستاجروں کا قبضہ قرطاجنہ پر ہو گیا تو پھر ادنی سے ادنیٰ درجے کا سپاہی اور ذلیل سے ذلیل درجہ کا وہ آدمی بھی جس کا کام برتنوں کا دھونا ہو بغاوت اور سرکشی کرے گا۔ اور پھر کوئی سرکار کوئی حکومت یا سربرآوردہ خاندان اس بغاوت کو نہ روک سکے گا۔

اس زمانے میں ہملکار قرطاجنہ سے جو ملک مشرق میں پڑتا تھا ادھر گشت لگا رہا تھا۔ گالیہ کے لوگوں کو اُس نے اُن کے وطن کی طرف چلتا کیا۔ اب مستاجروں کو معلوم ہوا کہ وہ خود محصور ہیں۔ ہملکار نے اُن کو ستانا اور پریشان کرنا شروع کیا۔ کبھی اُن کے قریب آجاتا۔ کبھی اُن سے دور چلا جاتا۔ اس نقل و حرکت کی تکرار سے مستاجر مجبور ہوتے کہ وہ بھی اپنی لشکرگاہوں کو چھوڑ کر دور چلے جائیں۔ اسپندیوس بھی اُن کے ہمراہ دور چلے جانے پر مجبور ہوا۔ آخرکار ماتو کو سب کا ساتھ دینا پڑا۔

ماتو تونس پہونچکر وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ شہر سے باہر نہ نکلنے پر جو کچھ اصرار اُس کو تھا وہ بڑی عقل کی بات تھی۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصے کے بعد نرہیواس کو دیکھا گیا کہ وہ قرطاجنہ کے باب خاموں سے مع ہاتھیوں اور سپاہ کے باہر آیا ہے۔ ہملکار نرہیواس کو اپنے پاس بلا رہا تھا۔ ماتو کے ساتھیوں کے علاوہ جس قدر مستاجر تھے وہ ہملکار کے تعاقب میں مصروف تھے۔

کلائی پیا میں گالیہ کے تین ہزار آدمی ہملکار کے پاس آگئے تھے۔ اُن کے لئے گھوڑے کاپی ہیدیکا اور ہتھیار برویتیم سے منگوا لئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اب مستاجروں سے جنگ از سرِ نو شروع ہو گئی۔

ہملکار کی قوتِ اختراع اور حربی کمالات کبھی اُس زور پر نہ آئے تھے جیسے کہ اس وقت ظاہر ہوئے۔ پانچ مہینے تک اُس نے متاجروں کو اپنے تعاقب میں مصروف رکھا۔ اُس کے ذہن میں کوئی خاص مقام تھا جس طرف متاجروں کو ہانک کر وہ لانا چاہتا تھا۔

شروع میں متاجروں نے کوشش کی کہ چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کی مدد سے ہملکار کو کہیں گھیر لیں لیکن ہملکار ہمیشہ اُن کی زد سے بچکر نکل گیا۔ اب اُنہوں نے اپنی ترکیب بدل دی اور اپنی فوجوں کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم نہ کیا۔ اس وقت بھی اُن کی کُل فوجوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ کئی مرتبہ انہوں نے قرطاجنیوں کو اپنے سامنے سے بھاگتے بھی دیکھا تھا۔

لیکن جس چیز نے فی الواقع متاجروں کو پریشان کر رکھا تھا وہ نرہیوا اس کی مرکب سوار فوج تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دن میں گرمی کے وقت متاجروں کی فوجیں تھکی ہاری کچھ سوتی کچھ جاگتی میدان میں سے جاتی ہوتیں اور یکلخت سامنے سے خاک اور گرد کے بادل اُٹھتے نظر آتے۔ اور ساتھ ہی ایک بوچھاڑ تیروں کی آتی! اور نومیڈیا کے یہ سوار سپید لباس پہنے اپنے بے قرار اور مُنہ زور گھوڑوں کو ران کے نیچے دبائے غُل مچا مچا کر ہاتھ اُونچے کر کے دفعتاً رُخ بدل میدان سے کافور ہو جاتے۔ ان سواروں کے ساتھ ساتھ چند اُونٹ ہوتے تھے جن پر جاولن بار ہوتے تھے۔ جب سوار ان اُونٹوں کے پاس جا کر پلٹتے تھے تو اور بھی شور کرتے ہوئے خونخوار بھیڑیوں کی طرح آتے اور پھر کرگسوں کی مثل متاجروں میں نوچ پھاڑ اور کشت وخون کرتے۔ اور پھر پتہ نہ چلتا کہ کدھر گئے۔ فوجی صفوں سے باہر جو متاجر پہروں پر مقرر تھے وہ سب یک ایک کر کے مارے گئے تھے۔ یہی حال شام تک رہا۔ اسوقت البتہ پہاڑوں میں گھُسکر انہوں نے پناہ لینے کی کوشش کی۔

گو ہاتھیوں کی جان کو اس میں بہت خطرہ تھا مگر ہملکار اُن میں گھس پڑا اور پہاڑوں کے اس طول طویل سلسلے کو جو راس ہر میوم سے جبلِ زغوان کی چوٹی تک گیا ہے طے کرنے لگا۔ متاجروں نے سوچا کہ یہ ہملکار کی ترکیب ہے تاکہ اپنی فوج کی تعداد کی کمی دوسرے کی نظر سے پوشیدہ رہے۔ لیکن ہملکار کی ترکیبیں جو متاجروں کو ہمیشہ شش و پنج میں رکھتی تھیں آخر کار انہوں نے اُن کو اتنا پریشان کیا کہ شکست کی حالت میں بھی وہ ایسے پریشان نہ ہوئے تھے۔ پھر بھی متاجروں نے ہمت نہ ہاری اور ہملکار کے پیچھے پیچھے برابر کوچ کرتے۔

آخر کار ایک دن شام کے وقت چاندی اور سیسے والے پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی کے دہن پر بڑے بڑے چٹانوں میں قرطاجنی سپاہ کے ایک دستے کو جنکے پاس ہلکے ہتیار تھے اچانک آن گھیرا۔ قرطاجنیوں کا باقی لشکر بلاشبہ اس دستہ فوج کے آگے جا رہا تھا۔ کیونکہ طبل اور قرنا کی آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیتی تھیں متاجر سمجھے کہ قرطاجنی فوجیں تیزی سے گھاٹی میں سے گذر رہی ہیں۔ گھاٹی کے دہن کے بعد کچھ نشیب میں ایک میدان شروع ہوتا تھا۔ جس کی شکل تیشے یا تبر کے پھل سے مشابہ تھی۔ اس میدان کے گرد اونچے اونچے پہاڑ جن میں گگریں نکلی ہوئی تھیں کھڑے تھے۔ اس میدان میں متاجر اس اُمید میں گھس پڑے تھے کہ قرطاجنی فوج کے دستے کو پکڑ لیں گے۔ میدان کے سامنے کے سرے پر بھاگتے ہوئے مویشیوں میں چند قرطاجنی بے ترتیب بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ متاجروں نے دور سے ایک آدمی کو سرخ لباس پہنے دیکھا۔ اُسکو دیکھتے ہی متاجروں نے چیخنا شروع کیا۔ "یہی تو ہے ہملکار"۔ پھر کیا تھا متاجروں کے جوش و خروش کی انتہا نہ رہی۔ اُن میں جو لوگ کاہل وجود تھے یا جان کا خوف رکھتے تھے وہ گھاٹی کے دہن کے قریب میدان سے باہر ٹہر گئے تھے۔ لیکن پہلو میں ایک جنگل تھا۔ وہاں سے سواروں کا

رسالہ نکلا اور اُس نے برچھے اور بھالے مار مار کر اُن کو بھی جو گھاٹی سے باہر کھڑے تھے اندر ہانک دیا۔ غرض بہت جلد جس قدر متاجر تھے وہ اِس میدان میں آ گئے جس کی شکل شیشے یا تبر کے پھل کی سی تھی۔

کچھ دیر تک متاجروں کا یہ دل بادل جو میدان میں چلا آیا تھا کبھی آگے بڑھتا کبھی پیچھے ہٹتا۔ آخر کار وہ ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ مگر کسی کو میدان سے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا۔

جو لوگ میدان میں گھاٹی کے دہن سے قریب تھے اُنہوں نے باہر نکلنا چاہا مگر دیکھا کہ جس راستے سے وہ میدان میں گھسے تھے اُس کا کہیں نام و نشان نہیں۔ اُنہوں نے آگے کی صفوں میں جو لوگ تھے اُنکو آواز دی کہ آگے بڑھیں تاکہ وہ بھی جنبش کر سکیں۔ اسوقت وہ پہاڑوں میں پیچھے کھڑے ہیں۔ اب اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا کہ وہ باہر نکلنے کا راستہ کیوں معلوم نہیں کرتے۔

واقعہ یہ تھا کہ جونہی متاجر گھاٹی سے اُتر کر میدان میں آئے تو گھاٹی کے دہن کے اوپر جو بڑے بڑے چٹان تھے اُنکے پیچھے قرطاجنی چھُپے بیٹھے تھے۔ جب کُل متاجر اندر آ گئے تو ان قرطاجنیوں نے بڑے بڑے شہتیروں سے چٹانوں کو دھکیل کر گھاٹی کے دہن میں گرا دیا۔ ڈھلان چونکہ تیز تھا ان چٹانوں نے نیچے آ کر گھاٹی کا راستہ بالکل بند کر دیا۔

میدان کے دوسری طرف اسی راستے کے مقابل جس کو قرطاجنیوں نے بند کیا تھا باہر نکلنے کا ایک قدرتی راستہ تھا۔ یہ راستہ ایک لمبا پہاڑی درہ تھا جس میں بہت جگہ شگاف اور درزیں تھیں۔ یہ درہ ایک نالے میں آتا تھا اور نالے سے آگے ایک اونچی ہموار زمین شروع ہو جاتی تھی۔ اسی ارضِ مرتفع پر قرطاجنی لشکر اسوقت اُترا ہوا تھا۔ قرطاجنیوں نے پہلے سے اس درے کے شگافوں اور درزوں میں سیڑھیاں

لگا رکھی تھیں۔ ہلکے ہتھیار رکھنے والے قرطاجنی پیشتر اس سے کہ مستاجر اُن کو گرفتار کر لیں درے کے شگافوں اور درزوں کی آڑ میں دونوں طرف کے اونچے پہاڑوں پر جو دیوار کی طرح سیدھے کھڑے تھے سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہونچ گئے تھے۔ ان میں سے بعض درے کے دوسرے سِرے پر پہونچ گئے۔ وہاں رسّوں کے ذریعے سے اُن کو اُوپر گھسیٹ لیا گیا۔ یہاں پہاڑوں کے ڈھال پر ریت اس کثرت سے تھا اور ڈھال بھی ایسا تیز تھا کہ کوئی چاروں ہاتھ پاؤں سے بھی اُوپر چڑھنا چاہتا تو نہ چڑھ سکتا۔ ایک لمحے کے بعد مستاجر بھی وہاں پہونچ گئے۔ ہملکار نے پہلے ہی سے مضبوط شہتیروں کا ایک دروازہ جو اُوپر سے نیچے کو گرتا ہوا تھا اور بالکل پہاڑوں کے دہن کے مطابق چوڑا تھا تیار کرا کر درے کے اُوپر رکھ چھوڑا تھا۔ جونہی مستاجر درے میں آئے یہ دروازہ اُوپر سے نیچے اس طرح گرا جیسے آسمان سے کوئی دیوار گر کر حائل ہو جائے۔

اب ہملکار کو اپنی تدبیروں میں پوری کامیابی ہو گئی۔ مستاجروں میں کوئی شخص بھی ان پہاڑوں سے واقف نہ تھا۔ چٹان جن کی جڑیں پتلی تھیں بغیر وقت کے کھسکا کر درے میں گرا دیے گئے۔ ہلکے ہتھیار رکھنے والے قرطاجنی جو درے کے اندر تھے اُن کا مرنا اب یقینی تھا۔ اس وقت اُنکی تعداد مرتے مرتے آدھی رہ گئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اب ہملکار کو اپنے ان سپاہیوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا تھا لیکن ایسی مہم میں جیسی کہ اسوقت درپیش تھی اگر ان سپاہیوں کی تعداد بیس گنی بھی ہوتی تو انکے مارے جانے کی ہملکار کو مطلق پروا نہ ہوتی۔

جب تک دن کی روشنی ہو مستاجر میدان میں اپنی صفیں پاس پاس کرتے رہے۔ پہاڑوں کو ہاتھوں سے ٹٹولتے کہ کہیں باہر جانے کا راستہ ملے۔

آخر کار دن نکلا اور اب اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے گرد سپید سنگین دیواریں

سیدھی کھڑی ہیں۔ یہاں سے نکلنا نہ اتفاقیہ ممکن ہو اور نہ مخلصی کی کوئی اُمید کی جا سکتی ہے۔ یہ میدان متاجروں کے حق میں ایک دام سخت تھا۔ دو قدرتی راستے جو یہاں سے نکلنے کے تھے اس میں ایک تو شہتیروں والے پردے یا دروازے سے بند کر دیا گیا تھا۔ اور دوسرے میں اُوپر سے چٹان گرا کر راستہ مسدود کیا تھا۔

اب ایک متاجر دوسرے متاجر کی صورت بغیر زبان سے کچھ کہے دیکھ رہا تھا اب جہاں وہ کھڑے تھے وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ ٹانگوں میں ایک سردی سی اور آنکھوں میں بھاری پن محسوس ہوا۔

پھر وہ کود کود اُٹھے اور پہاڑوں سے جو چاروں طرف دیواروں کی مثل کھڑے تھے ٹکریں مارنے لگے۔ پہاڑوں کے کونے کھدرے پکڑ پکڑ کر اُوپر چڑھنا چاہا۔ لیکن گرفت ممکن نہ ہوئی اور نیچے گرے۔ دونوں دروں کے قریب آکر اُنہوں نے پہاڑ کو توڑنا چاہا۔ مگر جن اوزاروں سے یہ کام شروع کیا تھا اُن کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ جسقدر خیمے ساتھ تھے ان کی چوبیں جمع کر کے پہاڑ میں آگ لگانی چاہی۔ مگر پہاڑ میں آگ کب لگتی تھی۔

اب وہ شہتیروں والے دروازے کے پاس آئے۔ دیکھا تو اس میں تیز نوک کی کیلیں تنی جڑی ہیں کہ کسی ساہی کی پشت پر بھی اتنے کانٹے نہ ہونگے اور پھر یہ کیلیں اتنی پاس پاس تھیں جیسے کنگھی کے دندانے۔ مگر متاجروں پر وہ جنون سوار تھا کہ اُنہوں نے اس دروازے پر بھی ٹکریں لگائیں۔ جو آگے تھے اُنہوں نے دروازے کو اچھل اچھل کر دھکے دئے۔ مگر سب نیچے گرے اور میخوں کے سروں پر گوشت کی بوٹیاں و خون اور سروں کے بال لگے دکھائی دئے۔

جب اس بیتابانہ حالت میں کسی قدر افاقہ ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ کھانے پینے کی چیزیں کس قدر پاس ہیں۔ رسد کا سامان جسقدر تھا وہ راستہ میں غارت

ہو چکا تھا۔ اس وقت مشکل سے دو دن کا آذوقہ پاس تھا۔ مستاجروں کے علاوہ جسقدر ساتھی تھے اُن کے پاس ایک دانہ تک کھانے کو نہ تھا کیونکہ جس وقت اس میدان میں اُنھوں نے قدم رکھا تھا اُسی وقت اُن کو انتظار تھا کہ جنوبی مواضع سے اُن کے کھانے پینے کا سامان آتا ہوگا۔ کچھ بیل میدان میں اب تک بھاگتے دوڑتے نظر آرہے تھے۔ ان کو برچھوں سے مار کر اُن کا گوشت کھایا۔ جب پیٹ بھرا تو خیالات کی حدت کم ہوئی۔

دوسرے دن جس قدر خچر پاس تھے اُن کو کاٹ کر کھایا۔ یہ تعداد میں صرف چالیس تھے۔ خچروں کو مارنے کے بعد اُنھوں نے اُن کی کھال کھرچی۔ انتیں نکال کر اُبالیں۔ گودے کے لیے ہڈیاں توڑیں۔ وہ ابھی تک مطلق مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اتنی آس باقی تھی کہ تونس میں جو لشکر ہے اُسکو ان کے حال کی خبر ہو گئی ہو گی اور وہ اُن کی کمک پر آتا ہوگا۔

لیکن جب اس حال میں پانچویں دن کی شام آئی تو بھوک کے مارے اُن کا بُرا حال ہوا۔ نوبت یہانتک پہونچی کہ کوئی تلوار کا قبضہ چاٹنے لگا۔ کسی نے قبضے کے اندر پہنچے کی جو گوٹ لگی تھی اس پر مُنہ مارا۔

چالیس ہزار مستاجر اس وقت پہاڑوں کے اس چکر میں مقید تھا۔ بعض شہتیروں والے دروازے کے قریب اور بعض دوسری طرف جہاں چٹانوں کو اُوپر سے گرا کر وادی کا دہن بند کیا تھا کھڑے رہے۔ باقی جسقدر تھے وہ میدان میں کچھ یہاں کچھ وہاں زدہ حال بیٹھے یا کھڑے تھے۔ جو قوی اور مضبوط تھے وہ دوسرے قوی اور مضبوط آدمیوں سے بچتے تھے۔ جو کمزور تھے وہ مضبوط آدمیوں کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ مگر اُن میں بھی اتنا دم نہ تھا کہ وہ کمزوروں کو بچا لیتے۔ ہلکے ہتیاروں والے قرطاجنی سپاہی جو مارے گئے تھے اُن کی لاشیں جلدی میں دفن کی گئی تھیں۔ اب یہ لاشیں سڑنے

لگیں۔ جہاں وہ دفن کئے گئے تھے اب اُس مقام کا پتہ بھی نہ چلتا تھا۔

مستاجروں میں جو وحشی تھے وہ نہایت مصیبت کی حالت میں زمین پر پڑے تھے۔ جب کبھی کوئی پرانا آزمودہ کار مرد میدان اُدھر سے نکلتا تو وہ سب ہملکار اور قرطاجنیوں کو گالیاں دیتے۔ ماتو کو بھی سخت سُست کہتے۔ حالانکہ جس مصیبت میں وہ اسوقت مُبتلا تھے اس کا باعث ماتو ہرگز نہ تھا۔ اُن کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر اور بھی ان کی طرح مصیبت میں مُبتلا ہوتے تو شاید اُن کی مصیبت اتنی سخت نہ رہتی۔ کبھی وہ آہیں بھرتے اور کبھی چھوٹے بچوں کی طرح چیخیں مار مار کر رونے لگتے۔

بعض وقت وہ اپنے افسروں کے پاس آتے اور اُن سے منتیں کرکے کہتے کہ اُن کی تکلیف کو کم کرنے کی کوئی صورت پیدا کریں۔ وہ کچھ جواب نہ دیتے یا اگر غصہ آتا تو پتھر اُٹھا کر اُن کو مارتے۔

افسروں میں بہتوں کے پاس کھانے کو کچھ تھا۔ زمین میں گڑھا کھود کر اس میں چُھپا رکھا تھا۔ مگر وہ کھانے کی چیزیں ہی ایسی کون سی بہت تھیں۔ کچھ آٹا تھا اور چند مٹھیاں کھجوروں کی تھیں۔ جب رات ہوتی تو جتبے اوڑھکر اُن میں چُھپا کر وہ یہ چیزیں کھاتے۔ تلواریں اُن کے پاس تھیں۔ جب کھاتے تو تلوار کھول کر سامنے رکھ لیتے۔ جن کے مزاج میں زیادہ بدگمانی تھی وہ پہاڑ سے پیٹھ لگا کر کھڑے کھڑے جو کچھ کھانا ہوتا کھاتے۔

اب انھوں نے اپنے افسروں کو یہ کہکر دھمکانا شروع کیا کہ یہ آفت اور مصیبت سب اُنہی کے ہاتھوں اُن پر آئی ہے۔ ہٹ اور اصرار جو وحشیوں کی طبیعت کا خاصہ ہوتا ہے وہ آنارتیوں کو مجبور کرتا تھا کہ دن میں بیس بیس پھیرے وہ اُن چٹانوں کے گرے جن سے راستہ بند کیا گیا تھا۔ اس طرح اُسکے بار بار جانے سے اُسکے ہموطنوں کو وہ قصہ یاد آتا تھا کہ ایک ریچھ روزانہ اپنے بھٹ سے یہ دیکھنے نکلا کرتا تھا کہ برف ابھی تک

پگھلی یا نہیں۔ اسی طرح گالیہ کا یہ بہادر، بار بار چٹانوں کے پاس آکر دیکھتا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹے یا نہیں۔

اسپندیوس یونانیوں کے گروہ کے ساتھ پہاڑ کے ایک شگاف میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس پر خوف طاری تھا اور اس نے اپنے مرنے کی خبر بھی مشہور کر دی تھی۔

اب مستاجروں اور وحشیوں کی ناتوانی اور لاغری دیکھی نہ جاتی تھی۔ ان کی جلد پر نیلے نیلے داغ پڑنے شروع ہو گئے تھے۔ نویں دن کی شام کو تین آدمی آئی بیری قوم کے مر گئے انکے ساتھ والے ڈر کر مردے چھوڑ کر چلے گئے۔ ان مردوں کے کپڑے اتار کر سپید سپید لاشوں کو دھوپ میں یونہی چھوڑ دیا گیا۔

گارامنتی قوم کے چند آدمی ان لاشوں کے پاس چپکے چپکے آئے۔ یہ لوگ وطن میں صحرائی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں جو سب میں پرانا آدمی تھا اس نے کسی بات کا اشارہ کیا۔ باقی جسقدر گارامنتی تھے انہوں نے کمر سے چاقو کھولے اور لاشوں پر جھکے۔ مردوں کا گوشت کاٹا۔ اور وہیں زمین پر اکڑوں بیٹھ کر کھانے لگے۔ دور سے لوگ انکو دیکھتے اور ان سے سخت نفرت اور کراہت ظاہر کرتے۔ مردوں کا گوشت کھانے پر دل ان کا بھی للچاتا تھا۔ اور جو گوشت کھا رہے تھے ان کی ہمت پر رشک آتا تھا۔

جن لوگوں کی یہ حالت تھی وہ آدھی رات کو جمع ہوئے اور گارامنتیوں سے کہنے لگے کہ ایک آدھ بوٹی ہم کو بھی دو کہ گوشت کا مزا تو چکھ لیں۔ ان میں جو زیادہ ہمت والے تھے وہ بڑھے اور اب ان بڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ جب گوشت کی بوٹیاں انکو دی گئیں تو تقریباً سب نے ان ٹھنڈی بوٹیوں کو منہ سے لگا کر پھینکدیا لیکن بہت سے ایسے بھی تھے جو گوشت کھا گئے۔

جنہوں نے آدمی کا گوشت اس طرح کھالیا تھا انہوں نے دوسروں کو اپنی مثال کی پیروی کیلئے آمادہ کیا۔ اب جنہوں نے پہلے گوشت کھانے سے انکار کیا تھا وہ

گارامنتیوں کے پاس گئے۔ مگر پھر کسی نے اُن کو واپس آتے نہ دیکھا۔ گوشت کے ٹکڑے تلوار کی نوک پر لگا کر اُن کو آگ پر بھونتے اور جب وہ بھُن جاتے تو نمک کی جگہ خاک کی چٹکی اُن پر چھڑکتے۔ اور گوشت کے جو حصے بہترین ہوتے اُن پر لڑ بیٹھتے۔ جب ان تین آئی بیریوں کی لاشیں کھا کر ختم کر لیں تو اب اور مُردوں کی تلاش میں میدان میں نظر دوڑانے لگے۔

اب یاد آیا کہ آخری حملہ جب کیا تھا تو بیس قرطاجنی قید کر لئے تھے۔ اب تک سب اُن کو بھُولے بیٹھے تھے۔ اب اُنہوں نے ان بیس قیدیوں کو کھا کر ختم کیا۔ انکے کھانے میں علاوہ ذائقہ کے انتقام کا لُطف بھی تھا۔ چونکہ جب تک انسان کی زندگی ہے اُس وقت تک جینا ضروری ہے اور اب آدمی کا گوشت کھانے کا مزہ بھی پڑ گیا تھا۔ اُنہوں نے فوج میں جس قدر سقے اور سائیس اور مستاجروں کے نوکر تھے ان سب کو مار کر کھانا شروع کیا۔ روز کھانے کے لئے آدمی ذبح کئے جاتے تھے۔ بعض لوگ آدمی کا گوشت خوب رغبت سے کھانے لگے۔ جب طاقت آئی تو افسردگی اور پژمردگی اُن سے دُور ہوئی۔ جب ان آدمیوں کو بھی کھا چکے تو اب بیماروں اور زخمیوں پر نیت لپکی۔ بیماروں اور زخمیوں کو سمجھے کہ اب وہ شفا نہ پائیں گے اس لئے اُن کی تکلیف سے اُن کو نجات دینی مناسب ہے۔ جہاں کوئی آدمی غش کھا کر گرا تو سب چلا اُٹھتے کہ اب اسے مرا سمجھنا چاہیئے۔ اور وہ دوسروں کی جان بچانے کے لئے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ بڑی بڑی تدبیریں کی گئیں کہ بیمار اور زخمی جلد مریں۔ یہ ناپاک غذا جو بیماروں اور زخموں کے پاس ہوتی اُسکو بھی چرا لیتے یا ان بیماروں اور زخمیوں کو بظاہر نادانستہ کچل ڈالتے۔ ایسے بیمار جو مرنے کو ہوتے وہ بھی اپنے کو بھلا چنگا ظاہر کرنے کے لئے کبھی ہاتھ پھیلاتے۔ کبھی کھڑے ہو جاتے۔ کبھی ہنستے تھے۔ ایسے لوگ جو بیہوش پڑے رہتے جہاں آری کے دندانے ہاتھ یا پاؤں کاٹتے

کیلئے اُنکے بدن کو لگے وہ فوراً ہوش میں آجاتے۔ محض ظلم وسفاکی کی وجہ سے جلاد اپنے کام پر اسوقت بھی اصرار کرتے جبکہ انکی کچھ ضرورت نہ ہوتی۔

چودھویں دن گہرا اور گرم کہر جیسا کہ اکثر اُن ملکوں میں جاڑے کے اختتام پر ہوا کرتا ہے لشکر پر پڑنے لگا۔ موسم کی اس تبدیلی سے اموات کی کثرت ہوئی۔ گرم اور مرطوب ہوا جو چاروں طرف سے پہاڑوں میں بند تھی اُس نے مُردوں کو سڑانا شروع کیا۔ کہر جس سے پانی کی بوندیں ٹپکتی تھیں۔ اُس نے لاشوں کو نرم کیا اور چند گھنٹوں میں تمام میدان سڑی ہوئی لاشوں کی کوٹھری بن گیا۔ سپید سپید بخارات تمام میدان پر چھائے نظر آئے۔ جن کے سونگھنے سے نتھنوں میں جلن ہوتی۔ یہ گندے بخارات زندوں کی جلد میں جذب ہوتے چلے جاتے تھے۔ آنکھیں اندھی ہوئی جاتی تھیں۔ وحشیوں کو اس بات کا یقین ہوا کہ یہ بخارات انکے ساتھیوں کے دم ہیں کہ نکل رہے ہیں اور انکے اس دم واپسیں کے ساتھ اُنکی اپنی روحیں بھی پرواز کر رہی ہیں۔ عفونت اور بدبو کی وہ شدت ہوئی کہ برداشت کرنا ممکن نہ تھا اور اب انہوں نے اس جینے پر مرنے کو ترجیح دی۔

دو دن کے بعد ہوا کچھ صاف ہوئی۔ اب جو زندہ تھے اُن کو بھوک نے ستایا۔ بعض وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ پیٹ میں سنسیاں گھسیٹ کر کوئی بوٹیاں کاٹ رہا ہے۔ پھر وہ درد اور تشنج کی تکلیف میں زمین پر لوٹتے اور تڑپتے۔ مٹی اُٹھا اُٹھا کر مُنہ میں بھرتے۔ کبھی اپنے بازوؤں کو کاٹتے۔ کبھی دیوانوں کی طرح ہنسنے لگتے۔

پیاس کی کیفیت بھوک کی اذیت سے بھی بڑھکر تھی۔ پانی کی ایک بوند بھی اب کسی کے پاس نہ تھی۔ نویں دن کے بعد سے جسقدر مشکیں اور پکھالیں تھیں اُنکا پانی صرف ہوکر وہ خشک پڑی تھیں۔ پیاس کی شدت کو دُور کرنے کے لئے کبھی وہ اپنی

پیٹیوں کے پُرزوں کو چاٹتے تھے یا تلواروں کے قبضے جو ہاتھی دانت یا سونے چاندی کے ہوتے اُنکو منہ میں لیتے۔ بعض کنکر منہ میں رکھکر اُنکو چوستے رہتے۔ لوہے کی ٹوپیوں میں پیشاب کر کے اُسکو ٹھنڈا کر کے پیتے۔

اس کُل زمانے میں تونس سے فوجوں کے آنے کا انتظار رہا۔ جتنا زیادہ زمانہ اِس انتظار میں گزرتا گیا وہ سمجھتے رہے کہ اب اسکے آنے میں دیر نہیں ہے۔ علاوہ اسکے وہ جانتے تھے کہ ماتو اپنے ارادے اور قصد میں فولاد سے زیادہ سخت ہے۔ وہ کبھی اپنی فوجوں کو اس حالت بیکسی و بے بسی میں نہ چھوڑے رکھیگا۔ وہ کہتے تھے کہ بس کل ماتو فوجیں لیکر آجائیگا۔ مگر یہ کل بھی ختم ہو جاتی اور کمک نہ آتی۔

شروع میں وہ خدا سے دعائیں مانگتے۔ منتیں مانتے۔ اور ملکر خدا کی تعریفیں گاتے لیکن اب اپنے خداؤں کی طرف سے اُنکے دل میں سوائے بغض و عناد کے اور کچھ نہ تھا۔ اور خداؤں کے منکر بنکر اُن کے درپئے انتقام ہو گئے تھے۔

جو وحشی زیادہ غیظ و غضب والے تھے وہ پہلے ہی مر چکے تھے۔ ان گالیہ کے باشندوں سے افریقہ والے زیادہ سخت جان تھے۔ زارازاس اپنے بلیاری ہموطنوں میں بیحس و حرکت چت پڑا رہا۔ اسپندیوس کو ایک درخت مل گیا تھا جس کے پتے خوب چوڑے اور رسیلے تھے۔ دوسروں کو اس درخت سے علیحدہ رکھنے کے لئے اُس نے کہہ رکھا تھا کہ یہ درخت زہریلا ہے۔ اُسی کے پتوں کو چوس چوس اسپندیوس ابتک زندہ تھا۔ مستاجروں میں اب اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ جیبوں کوّوں کو پتھر مار کر گرا سکتے۔ کبھی کوئی مُردہ خور پرندہ کسی لاش پر بیٹھکر دیر تک چیر پھاڑ کرتا تو کوئی مستاجر منہ میں جاوُلن دبائے چپکے چپکے اُس کے قریب جاتا اور ایک ہاتھ زمین پر ٹیک کر بڑی احتیاط سے نشانہ باندھتا اور پھر جاوُلن اسکی طرف پھینکتا۔ آواز سنکر وہ مُردہ خور کھاتے کھاتے رکتا اور چٹان کی چوٹی سے جیسے کوئی بگدھ دیکھکر پھر

زرد چونچ شکار میں ڈال نوچ نوچ کر کھانا شروع کرتا۔ اور آدمی جو اُسکو مارنے چلا تھا پھر مایوس ہو کر زمین پر چت پڑ جاتا۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے سانپ اور گرگٹ مار مار کر کھائے۔ جس چیز نے ابتک اُن کو زندہ رکھا تھا وہ صرف زندہ رہنے کی خواہش تھی۔ صرف اسی خواہش پر اُنہوں نے اپنی جان اور روح کو متوجہ اور مرکوز کر رکھا تھا۔ صرف ارادے اور منشا کی قوت سے اُنہوں نے اپنی جان سلامت رکھی تھی۔ میدان کے مُردوں میں آدمیوں کے غول جا بجا اپنے جتھوں میں لیٹے لپٹائے افسُردہ دل افسُردہ خاطر بیٹھے نظر آتے۔ جو لوگ ان میں شہروں میں چلے تھے وہ بازار کی چہل پہل۔ شراب خانوں اور تماشہ گھروں کا غل شور یاد کرتے۔ کبھی ان کو حمام اور حجاموں کی دُکانیں یاد آتیں۔ کچھ ایسے تھے جن کو گاؤں کے کھیت اور سبزہ زار یاد آتے۔ غروب کے وقت پکے اناج کے کھیتوں کا سُنہری رنگ آنکھوں میں پھرتا۔ اور ہوا میں اُن کا لہرانا یاد آتا۔ اور دیکھتے کہ بڑے بڑے بیل کندھوں پر جُوا رکھے پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ جن لوگوں نے سیر و سفر زیادہ کیا تھا وہ حوض دیکھتے کہ پانی اُن میں پڑا چھلک رہا ہے۔ جو شکاری تھے وہ اپنے خیال میں جنگل دیکھتے۔ جو پُرانے لڑنے والے تھے وہ اپنے کو لڑائیوں میں مصروف پاتے۔ غرض اُن کی اس سوتی جاگتی حالت میں خیالات کا ہجوم ہوتا۔ اور یہ خیالات ایسی سُرعت اور اصلی رنگ میں نظر آتے جیسے خواب نظر آتے ہوں اور وہ اپنے اسی خواب و خیال کی حالت میں میدان سے نکلنے کا راستہ بھی ڈھونڈتے کہ کسی طرح اس میں سے نکل کر باہر چلے جائیں۔ بعض ایسے تھے جو اپنے خیال میں سمندر پر ایک طوفان میں گھرے کھڑے تھے اور جہاز کے انتظام کے متعلق طرح طرح کے حکم احکام دے رہے تھے۔ کبھی آسمان پر بادلوں میں وہ قرطاجنی فوجوں کے دستوں کو دیکھکر ڈرتے اور پیچھے ہٹنے لگتے۔ بعض ان میں ایسے بھی تھے جو سمجھتے تھے کہ وہ ایک بڑی ضیافت میں خوش

نوش بیٹھے گاتے ہیں۔

بہت ایسے تھے جو ایک خاص قسم کے جنون سے متاثر ہو کر صرف ایک ہی لفظ بار بار زبان پر لاتے تھے یا ایک ہی سی صورت بنائے ہمیشہ بیٹھے نظر آتے۔ اگر اتفاق سے ایک کی نگاہ دوسرے پر پڑتی تو وہ اس کی صورت کو دیکھکر کہ وہ کیسی بگڑ گئی ہے رونے لگتا۔ بعض ایسے تھے جن کی تکلیفیں حد سے تجاوز کر چکی تھیں۔ اور دفع الوقتی کیلئے وہ اپنے ان خطروں کو بیان کرتے جن سے وہ صحیح سلامت نکل آئے تھے۔

ان سب کے لئے اب موت کا جلد آنا ضروری تھا۔ بار بار انہوں نے اس میدان سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کیا تھا۔ رہا یہ امر کہ وہ ہملکار سے درخواست کرتے کہ شرائط صلح وہ بیان کرے۔ سو یہ درخواست وہ کیونکر کرتے اسلئے کہ ان کو علم نہ تھا کہ ہملکار کہاں ہے۔

اب نالے کی طرف سے ہوا چلنی شروع ہوئی۔ شہتیروں والے دروازے سے جو درے کے دہن پر اوپر سے گرایا گیا تھا اس کی درزوں سے ریت اڑتی ہوئی میدان میں آنی شروع ہوئی۔ ریت اس کثرت سے آئی کہ متاجروں اور وحشیوں کے کپڑے اور بال ریت میں ایسے آلودہ ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ریت جمتے جمتے انکو زمین میں دفن کر دیگا۔ کسی چیز میں کسی قسم کی تبدیلی نظر نہ آتی تھی اور متاجروں کو وہ پہاڑ جو میدان کے گرد تھے روز بروز زیادہ اونچے ہوتے ہوتے معلوم ہونے لگے۔

کبھی کبھی پرندوں کے جھنڈ نیلے آسمان پر اڑتے اور انکے سروں پر سے گذرتے نظر آتے۔ جب وہ ان کو دیکھتے کہ فضا میں وہ کیسے آزاد اور خوش ہیں تو آنکھیں بند کر لیتے تاکہ انکو دیکھکر اپنی حالت زار کا خیال پیدا نہ ہو۔

پہلے کانوں میں کوئی چیز بھن بھن کرتی سنائی دی۔ ناخن سیاہ ہو گئے اور سینہ اور شکم سرد ہو گیا۔ کروٹ لی اور بغیر منہ سے آہ نکلے جان دیدی۔

انیسویں دن تک مستاجروں اور وحشیوں میں سے دو ہزار آدمی مجمع الجزائر والوں میں سے ڈیڑھ ہزار لیبیہ والوں میں سے آٹھ ہزار آدمی مر چکے تھے۔ نوجوان مستاجروں اور خاص ملکیوں میں سے غول کے غول ختم ہو چکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ بیس ہزار آدمی یعنی کل لشکر کی آدھی تعداد اس گھاٹی میں موت کے حوالے ہو چکی تھی۔

اتارتیوس جس کے ساتھی گالیہ کے باشندے تھے اب انکی تعداد پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ اتارتیوس اپنے ساتھیوں سے کہتا تھا کہ مجھے مار کر ختم کر دو۔ لیکن اسی وقت سامنے کے پہاڑ پر وہ سمجھا کہ ایک آدمی کھڑا ہے۔

جس بلندی پر یہ آدمی کھڑا تھا وہاں سے وہ ایک بالشتیے کی برابر معلوم ہوتا تھا۔ باوجود اس کے اتارتیوس نے دیکھا کہ اس آدمی کے بائیں شانے پر ایک تین پرت کی ڈھال لگی ہے۔ اتارتیوس نے چلّا کر کہا: دیکھو پہاڑ پر ایک قرطاجنی کھڑا معلوم ہوتا ہے۔ اب جس قدر وحشی شہتیروں والی دیوار کی طرف یا دوسرے سرے پر چٹانوں کے پاس تھے سب کھڑے ہو گئے۔ یہ سپاہی جو اتارتیوس کو نظر آیا تھا پہاڑ کی اونچی چوٹی پر چل رہا تھا۔ مستاجر اور وحشی سب اس کو نیچے سے دیکھتے تھے۔

اسپندیوس نے فوراً ایک بیل کا سر لیا اور دو چار کمر کی پیٹیاں لیکر ان کا ایک تاج سا بنایا۔ پھر اس تاج کو اس نے بیل کے سینگوں پر رکھکر بیل کے سر کو بانس میں لگا کر اونچا کیا۔ تاکہ قرطاجنیوں کو معلوم ہو کہ اب وہ لڑنا نہیں چاہتے۔ قرطاجنی سپاہی جو پہاڑ پر نظر آیا تھا اب غائب ہو گیا۔ مستاجر اور وحشی جو میدان میں تھے اب جواب کے منتظر ہو ئے۔

آخر کار شام ہوئی تو ایک پیٹی اور پرتلہ مستاجروں میں اس طرح گرا جیسے آسمان سے ٹوٹ کر کوئی پتھر گرتا ہو۔ پرتلہ سرخ رنگ کا تھا۔ اور اس پر سونے چاندی کا کام تھا

اور تین ستارے ہیروں کے اُس پر بنے تھے۔ بیچ میں قرطاجنہ کی مجلس عظمیٰ کی مُہر تھی۔ مُہر میں ایک گھوڑا درخت کے سائے میں کھڑا تھا۔ یہ جواب تھا کہ ہملکار کی طرف سے انکو بہ سلامتی باہر جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

اب اُن کو کسی بات کا خوف نہ تھا۔ اس وقت حالت میں انقلاب کے معنی یہی تھے کہ اُن کو موجودہ مصیبتوں سے نجات ملے۔ اور اب خوشی میں وہ ایک دوسرے سے گلے ملکر روتے تھے۔ اسپندیوس، اتاریتوس، زارازاس اور چار یونانیوں نے جو اٹالیہ کی یونانی نوآبادیوں کے رہنے والے تھے کُل متاجروں کی طرف سے وکیل بننا قبول کیا۔ انکی وکالت ہملکار نے منظور کرلی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اس میدان سے باہر وہ کیونکر نکلیں۔ اس کا ان کو کچھ علم نہ تھا۔

اب اُنہوں نے گھاٹی کے اُس دہن پر جہاں چٹان پڑے تھے کسی چیز کے چٹخنے کی آواز سُنی۔ اور چوٹی والا چٹان اس طرح پھرا جیسے کوئی کواڑ چول پر پھر جائے۔ اور پھر وہ چوٹی سے لڑکتا ہوا زمین پر آیا۔ واقعہ یہ تھا کہ جس رُخ متاجر تھے اُس رُخ یہ چٹان مضبوطی سے قائم تھے کیونکہ وہ ایک بلندی سے نیچے گرائے گئے تھے۔ علاوہ اس کے دہن کے تنگ ہونے سے چٹان کے اوپر چٹان آیا ہوا تھا۔ لیکن دوسری طرف یہ کیفیت نہ تھی۔ اس طرف چٹان کو ہلکا سا دھکا دینا اس بات کے لئے کافی تھا کہ وہ لڑکتا ہوا نیچے آن پڑے۔ جب دن نکلا تو یہ چٹان جن کو ایک کے اُوپر ایک گرا کر راستہ بند کیا تھا میدان میں اس طرح پڑے تھے جیسے کسی عظیم الشان عمارت کی ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں ہوں۔

وحشی اس قابل نہ تھے کہ ان چٹانوں پر چڑھکر دوسری طرف آتے۔ ان کی مدد کے لئے چٹانوں پر سیڑھیاں لگائی گئیں۔ سب نے دوڑ کر ان سیڑھیوں پر آنا چاہا۔ فوراً منجنیق سے ایک پتھر آیا۔ اور یہ بھیڑ پیچھے ہٹی۔ صرف دس آدمی منتخب

کر کے لئے گئے۔

یہ دس آدمی کلی باری سواروں میں سے گذرے۔ یہ اسوقت اپنے گھوڑوں کی کاٹھیوں پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے۔

اب مستاجروں اور وحشیوں کی وہ خوشی جو اُن کو پہلے ہوئی تھی ختم ہوگئی! اب ان کو دوسری فکر دامنگیر ہوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ ہملکار کی شرائط بڑے ظلم اور سنگدلی کے ہوں گے۔ مگر اسپنڈیوس نے اُن کو تسلی تشفی دی اور بڑے زعم سے کہا کہ "لشکر کی حفاظت و سلامتی کے لئے ہملکار سے میں خود گفتگو کرونگا" جب یہ دسوں آدمی آگے بڑھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہر جھاڑی کی اوٹ میں ایک قرطاجنی چھپا بیٹھا ہے۔ اسپنڈیوکر پر تلہ اپنے سر پر رکھے تھا۔ جو شخص اُسکو دیکھتا فوراً تعظیم دینے جھک جاتا۔ جب یہ دس آدمی قرطاجنی لشکر میں آئے تو اُس کے گرد آدمیوں کا ہجوم ہونے لگا۔ مستاجروں نے ہنسیوں اور سرگوشیوں کی آواز کچھ کچھ سُنی۔ اب ایک خیمے کا دروازہ کُھلا۔

خیمے کے دوسرے سرے پر ہملکار ایک تپائی پر بیٹھا نظر آیا۔ سامنے اُسکے ایک چھوٹی سی میز پر ننگی تلوار رکھی تھی اور گرد چند فوجی افسر کھڑے تھے۔ صرف ہملکار بیٹھا تھا باقی سب سرو قد کھڑے تھے۔

مستاجروں اور وحشیوں کو دیکھکر وہ چونکا۔ پھر ایک ایک کو جھک کر اُسنے دیکھا۔

ان دسوں مستاجروں کے دیدوں میں سپیدی کے بیچ کی سیاہی کچھ عجیب طرح پھیل گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد ایک سیاہ حلقہ بنکر کانوں کی لو تک بڑھا چلا گیا تھا۔ انکی ناکیں پتلی ہو کر کلوں کے گڑھوں میں اُبھری معلوم ہوتی تھیں۔ اور اُنپر جھریاں پڑی تھیں۔ بدن کی کھال اعصاب پر بہت ڈھیلی ہوگئی تھی۔ اور اُس پر سیاہ رنگ کی میل جمی تھی۔ ہونٹ اُن کے دانتوں پر چپکے معلوم ہوتے تھے اور اُنکے

وہاں سے سخت تعفن پیدا تھی۔ غرض یہ سب کچھ کھلی کچھ بند قبروں کے سڑے اور اُبسے مُردے معلوم ہو رہے تھے۔

خیمے کے بیچ میں ایک چٹائی پر جہاں افسرانِ فوج بیٹھنے والے تھے ایک بڑی قاب میں گرم گرم کدو اُبلے ہوئے رکھے تھے۔ وحشی جو سر سے پاؤں تک کانپ رہے تھے اس قاب کی طرف نظر جمائے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر اس پر بھی وہ اپنی طبیعت کو روکے رہے۔

ہملکار کسی سے بات کرنے کو مڑا۔ اس کے مڑتے ہی جسقدر وحشی تھے وہ قاب کی طرف دوڑ کر آئے اور چٹائی پر لیٹ کر قاب میں منہ ڈال جو کچھ اس میں تھا اس کو نگلنے لگے۔ نگلنے کی آواز خوشی سے رونے کی آوازوں میں شامل تھی۔ رحم نہیں بلکہ فریب نے اجازت دی کہ قاب میں جو کچھ ہے اسکو یہ بھوکے ختم کر لیں۔ جب یہ لوگ کھا کر اُٹھے تو ہملکار نے اشارے سے کہا کہ جس آدمی کے پاس پرتلہ ہے اسکو بات کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اسپندیوس ڈر کر ہکلانے لگا۔

ہملکار جس وقت اسپندیوس کی تقریر سنتا تھا تو وہ اپنی انگوٹھی کو انگلی میں پھراتا جاتا تھا۔ اسی انگوٹھی سے پرتلے پر اُس نے مجلسِ قرطاجنہ کی مُہر کی تھی۔ رفتہ رفتہ ہملکار نے انگوٹھی زمین پر گرا دی۔ اسپندیوس نے فوراً انگوٹھی اٹھا کر ہملکار کو دی۔ پُرانے آقا کی حضور میں اس کی غلامانہ عادتیں پھر عود کر آئیں۔ اسپندیوس کے ساتھی اس کے اس کمینہ پن پر غصے سے کانپنے لگے۔

اب اسپندیوس نے تقریر میں آواز بلند کی۔ اور دیر تک تقریر کرتا رہا۔ مگر تقریر کے انداز میں عجلت، پیچیدگی بلکہ سختی اور غصہ تک ظاہر ہونے لگا۔ حانو کے جرائم بیان کئے، یہ وہ جانتا تھا کہ حانو ہملکار کا پرانا دشمن ہے۔ اور سمجھتا تھا کہ اس قسم کی باتوں سے ممکن ہے کہ ہملکار کو مستاجروں کی گذشتہ خدمات کا خیال

آکر اُن پر رحم آجائے۔ آخر کار اسپندیوس اپنے خیالات کی رو میں ایسا وارفتہ ہوا کہ اپنے آپ کو بھول گیا۔

ہملکار نے جواب دیا کہ "میں تمہارے عذرات کو تسلیم کرتا ہوں۔ پس اب باہم مصالحت کی جاتی ہے۔ اور یہ مصالحت اس جنگ کا آخری واقعہ ہوگی۔" لیکن ہملکار نے ساتھ ہی یہ شرط بھی بیان کی کہ "مناجروں کو اپنے دس آدمی ہمارے حوالے کرنے ہوں گے۔ اور ان دس آدمیوں کے پاس نہ تو ہتھیار ہونے چاہئیں اور نہ قبائیں۔"

یہ لوگ جو ہملکار کے سامنے آئے تھے انکو ہملکار سے اتنے رحم کی توقع نہ تھی اسپندیوس نے کہا "حضور دس کیسے اگر حضور بیس چاہیں تو موجود ہیں۔"

ہملکار نے آہستہ سے کہا "نہیں دس آدمی کافی ہونگے۔"

اب اُن کو خیمے کے باہر لایا گیا کہ وہ آپس میں بھی مشورہ کر لیں۔ جونہی یہ لوگ تنہا ہوئے تو آپس میں اعتراض کرنے لگے کہ اپنے ساتھیوں کو کیوں مصیبت میں ڈالا جائے۔ زارازاس نے اسپندیوس سے پوچھا کہ "تم نے ہملکار کو قتل کیوں نہیں کیا۔ اسکی ننگی تلوار تمہارے پاس ہی رکھی تھی۔"

اسپندیوس بولا "کیا خوب قتل کرتا اور وہ بھی ہملکار کو۔" یہ جملہ بار بار اسپندیوس کی زبان سے نکلا۔ گویا ہملکار کو قتل کرنا ایک غیر ممکن بات تھی۔ گویا ہملکار ایک غیر فانی ہستی تھا۔

ان دسوں آدمیوں پر کچھ ایسی غفلت اور سستی چھائی کہ انکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ معاملہ کا فیصلہ کس شکل میں کریں۔ زمین پر سب چپت لیٹے رہے۔

اسپندیوس نے ان کو سمجھایا کہ ہملکار جو کچھ کہتا ہو اسکو منظور کر لو۔ آخر کار انہوں نے اسپندیوس کا کہنا مان لیا اور سب ہملکار کے خیمے میں واپس آئے۔

اب ہملکار نے ہر مستاجر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور مستاجروں کے انگوٹھے کو دبایا اور پھر اپنے دامن پر اُنکے انگوٹھے رگڑے۔ مستاجروں کے سرد اور مُردہ ہاتھوں کو چھونے میں ہملکار کو گندگی اور کراہت کا ایسا احساس ہوا کہ اُسکے جسم کے روئیں کھڑے ہو گئے۔

اسکے بعد ہملکار نے اُن سے کہا۔

"تم سب درحقیقت مستاجروں اور وحشیوں کے سردار ہو۔ اس وقت تم نے اُن کی طرف سے حلف لیا ہے؟"

سب بولے "درست ہے"

"تم نے دل سے سلامتی رائے کے ساتھ اور اس قصد سے کہ اپنا قول اور وعدہ ایفا بھی کرو گے ایسا کیا ہے؟"

سب نے ہملکار کو یقین دلایا کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے۔ اور یہ کہ اب وہ واپس جاکر اپنے ساتھیوں کو بھی اسی قول و قرار کو پورا کرنے کیلئے ہدایت کرینگے۔

ہملکار بولا "پس اس اقرار کی رُو سے جو مجھ میں یعنی برقہ اور تم میں یعنی وکلاء مستاجرین میں اس وقت ہوا میں اپنے پاس حراست میں رکھنے کے لئے تم دس آدمیوں کو منتخب کرتا ہوں۔"

اتنا سنتے ہی اسپندیوس غش کھاکر چٹائی پر گرا۔ باقی مستاجر اسپندیوس سے کچھ دُور پاس پاس کھڑے ہو گئے۔ سب پر سکوت کا عالم تھا۔

باقی لوگ جو اپنے ساتھیوں کے انتظار میں میدان میں تھے سمجھے کہ دھوکا دیا گیا اور جو لوگ اُنکے ہملکار کے پاس گئے تھے وہ ہملکار سے مل گئے۔

دو دن تک ان لوگوں نے اور انتظار کیا۔ اور تیسرے دن صبح جو کچھ اُن کو کرنا تھا اُس پر پختہ ارادہ کر لیا۔ رسیوں میں تیروں کو چھڑوں سے اس طرح باندھکر جیسے سیڑھیوں میں ڈنڈے ہوتے ہیں۔ اور کُدالوں کی مدد سے وہ چٹانوں پر چڑھے۔ جو

ساتھی بہت کمزور تھے اور جن کی تعداد تین ہزار تھی اُنکو وہیں چھوڑا۔ اور اب اُنہوں نے تونس کا قصد کر کے کوچ شروع کیا تاکہ وہاں کے لشکر سے جا ملیں۔

درے کے دہن سے باہر آنے کے بعد ایک قطعہ گھانس کا جس میں کہیں کہیں جھاڑیاں تھیں اُنکو ملا۔ وحشیوں نے جھاڑیوں میں جس قدر شاخیں تھیں اور ہری ہری گھانس کو کھالیا۔ پھر پھلیوں کا ایک کھیت ملا۔ اُسکو بھی اس طرح صاف کیا گویا ٹڈیوں کا وہاں سے گذر ہوا ہے۔ تین گھنٹے کے بعد وہ ایک دوسری بلند زمین پر پہونچے۔ اسکے گرد سرسبز پہاڑیوں کا ایک حلقہ سا تھا۔

ان پہاڑیوں کی گولائی سے کچھ دور چاندی کی طرح چمکتی ہوئی اناج کی بالیں تھوڑے تھوڑے فرق سے نظر آئیں۔ دھوپ کی چمک وحشیوں کو ناگوار تھی۔ اچھی طرح دکھائی تو دیا نہیں سمجھے کہ ان پہاڑیوں کے نیچے بڑے بڑے کالے چٹان ہیں اب یہ کالی کالی چیزیں اوپر کو اٹھیں اور اس طرح پھیلیں جیسے پھول کھلتے ہوں۔ یہ برچھے اور نیزے تھے جو ہاتھیوں کی عماریوں سے باہر کو نکلے تھے۔ ہاتھی نہایت مہیب قطع کی آہنی پوششیں رکھتے تھے اور عماریاں اُنکی پشت پر کسی تھیں۔

ہاتھیوں کے سینہ بند سے تیز پھلوں کے برچھے باہر کو نکلے تھے۔ گھٹنوں کے غلافوں اور کچلیوں پر تیز نوک کے بھالے لگے تھے۔ دونوں طرف برنجی زرہ کی جھول پڑی تھی۔ گھٹنوں کے چمڑوں پر کٹاریں اور دشنے لگے تھے۔ سونڈوں کے سروں پر ایک تسمے کے حلقے میں شمشیر کے قبضے پھنسے تھے۔ لڑائی کے یہ ہاتھی میدان کے ایک سرے سے ایک دم اٹھکر ایک ہی وقت میں آگے بڑھے اور دونوں طرف سے قطاریں باندھکر چلے۔

ہاتھیوں کی قطاریں آتے دیکھکر وحشیوں کی خوف سے وہ بری کیفیت ہوئی کہ وہ سر سے پاؤں تک سرد پڑ گئے۔ بھاگنے کی کوشش نہ کر سکے۔ کیونکہ اب ہاتھیوں نے انکے

گر د ایک حلقہ باندھ لیا تھا۔

وحشیوں کے اس ہجوم میں سے جنگی ہاتھیوں نے اپنا رستہ نکالا۔ ہاتھیوں کے سینے پر جو تیز برچھے اور بھالے لگے تھے اُنہوں نے اس انبوہ کے دو حصے کر دیئے۔ کچلیوں میں جو نیزے اور خنجر لگے تھے اُنہوں نے اس اژدہام کو اس طرح چیرا جیسے ہل زمین کو چیرتا ہو۔ سونڈیں پھرا پھرا کر جو شمشیر اور خنجر اُن کے سروں پر لگے تھے اُن سے آدمیوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ عماریوں اور ہودجوں سے خدنگ اندازوں اور آگ کے تیر برسانے والوں نے وہ کیفیت کی کہ عماریاں اور ہودج چلتے پھرتے جوالہ مُکھی پہاڑ معلوم ہونے لگے۔ اب میدان میں سوائے کالے کالے تودوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ان تودوں میں آدمیوں کا گوشت پتیل کے ٹکڑے کہیں چمکتے کہیں مٹیالے داغ کہیں خون کی لکیریں بناتے تھے۔ اور یہ ہیبت ناک ہاتھی اس خون خرابے میں چل پھر کے لکیریں پیدا کرتے تھے۔ سب سے خونخوار اور زبردست ہاتھی پر ایک نومیدی بیٹھا تھا۔ اسکے سر پر پروں کا تاج تھا اور ہاتھی پر بیٹھا وہ جاولن تاک تاک کر لوگوں کو مارتا۔ اور تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد نہایت تیز سیٹی بجاتا تھا۔ ہاتھی کتوں کی طرح سدھے تھے۔ کشت و خون میں ان کی آنکھیں اپنے اسی ہانکنے والے کی طرف لگی تھیں کہ دیکھیے کیا حکم دیتا ہے۔

اب ہاتھیوں نے جو حلقہ باندھا تھا وہ رفتہ رفتہ تنگ ہونا شروع ہوا۔ وحشی اب اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ دشمن کے مقابلے کی طاقت اب اُن میں نہ تھی۔ ہاتھی اب جلد میدان کے وسط میں آ گئے۔ حلقہ اتنا تنگ ہو گیا کہ ہاتھیوں کیلئے چاروں ہاتھ پاؤں پر کھڑے رہنے کی گنجائش نہ رہی۔ اسلئے وہ اپنے دونوں پاؤں پر کھڑے ہوتے۔ کچلیوں سے کچلیاں بھڑ گئیں۔ دفعتاً نرہیوا اس آن پہونچا اور اُس نے ہاتھیوں کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ اور مُڑ کر وہ سب کے سب پہاڑیوں کی طرف چلے گئے۔

وحشیوں کے دو فوجی دستوں نے جنہوں نے زمین کے نشیب میں پناہ لے رکھی تھی اپنے ہتھیار پھینک دئے اور قرطاجنیوں کے خیموں کے سامنے آکر اپنی پیشانیاں زمین پر رکھکر رحم کی درخواست کی۔

قرطاجنیوں نے ان سب کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو پاس پاس زمین پر چت لٹا دیا اور ہاتھی واپس لائے گئے۔

جب ہاتھی اُن پر سے گذرے تو اُن کے سینوں کے چٹخنے کی آواز ایسی آئی جیسے صندوق کسی بوجھ کے پڑنے سے ٹوٹتے ہوں۔ ہر قدم پر دو دو آدمی کچلے گئے۔ وحشیوں کے گوشت میں جب پاؤں دھنستے تو ہاتھیوں کے پٹھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لنگ کرتے چلتے ہیں۔ لیکن جب تک میدان کے ایک سرے سے دوسرے تک آدمیوں کو کچلتے ہوئے نہیں پہونچے وہ بیچ میں رُکے نہیں۔

اب میدان کی سطح پر سکوت کا عالم چھایا۔ رات ہوگئی۔ ہملکار اس انتقام کشی کے منظر کو دیکھکر خوش ہوتا تھا۔ لیکن دفعتًا وہ آگے بڑھا۔

ہملکار نے اور تمام قرطاجنیوں نے دیکھا کہ چھ سو قدم بائیں ہاتھ کو پہاڑ کی ایک چوٹی پر بہت سے وحشی اور مستاجر موجود ہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ ایٹرسکی اور لبیانی اور اسپارٹی مستاجر جو بہت طاقتور تھے گھاٹی سے خلاصی پاتے ہی پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے۔ تعداد میں یہ سب چار سو تھے۔ یہاں یہ اس شش و پنج میں تھے کہ کیا کریں۔ جب اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کو ہلاک ہوتے دیکھا تو ارادہ کیا کہ قرطاجنیوں میں سے راستہ کرتے ہوئے نکل جائیں۔ چنانچہ وہ صفوں میں آراستہ بڑی دہشتناک اور مہیب شکل میں پہاڑ سے اترتے نظر آئے۔

قرطاجنیوں میں سے ایک قاصد اُن کی طرف دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے کہا کہ ہملکار کو سپاہیوں کی ضرورت ہے اور بلا کسی ناگوار شرط کے وہ اُن کو ملازم رکھ لیگا

اس وقت جو ہمت و شجاعت تم نے ظاہر کی ہے اُس پر اُس کو سخت حیرت ہے۔" اسی قاصد نے یہ بھی کہا: "تم قرطاجنیوں کے ذرا قریب آجاؤ۔" اور ایک جگہ بتائی کہ جہاں اُنکو کھانے پینے کی چیزیں ملیں گی۔

مستاجر اور وحشی سب اُسی طرف دوڑ پڑے اور ساری رات کھانے پینے میں بسر کی۔ قرطاجنیوں نے ہملکار کی شکایتیں شروع کیں کہ وہ اس حال میں بھی مستاجروں کا دوست ہی۔ اور اُن کی طرفداری کرتا ہی۔

سوال یہ تھا کہ واقعی ہملکار مستاجروں کی دشمنی اور عداوت سے عاجز آکر سرنگوں ہوتا ہی یا یہ بھی کوئی دھوکا یا نازک قسم کا جال پھیلا رہا ہی۔

دوسرے دن ہملکار بغیر تلوار کے کلینی بیری سواروں کو ساتھ لئے اُن چار سو وحشیوں میں آیا اور کہنے لگا: "آدمی میرے پاس بہت ہو گئے ہیں جن کا کھلانا پلانا مشکل ہو رہا ہے پس زیادہ آدمیوں کو وہ اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن آدمیوں کی پھر ضرورت ہوگی اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کو منتخب کرے کس کو نہ کرے اس لئے مناسب ہی کہ تم سب آپس میں لڑو۔ حتیٰ کہ مد مقابل جان سے مارا جائے۔ اسکے بعد جو اپنے حریف کو مار کر زندہ بچے گا میں اس کو اپنی فوج محافظ میں جگہ دونگا۔ اس طرح کی موت اور قسم کی موتوں سے بہتر ہوگی۔" اسکے بعد ہملکار نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ "وہ مستاجروں کے سامنے سے ہٹ جائیں۔" جونہی یہ فوجیں ہٹیں تو دیکھا کہ نرہیوا اس کے ایک سو بانوے مسلح ہاتھی صف باندھے کھڑے ہیں۔ ہملکار نے فوج کے جھنڈے اس طرح نصب کرائے تھے کہ یہ ہاتھی ابتک نظر سے پوشیدہ رہے تھے۔ ہاتھی سونڈیں پھراتے تھے اور سونڈوں کے سروں پر چوڑی چوڑی کٹاریں اور تلواریں لگی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے دیو ہاتھوں میں تبر لئے مستاجروں کے سروں پر کھڑے ہیں۔

وحشی اسوقت بُت بنے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے تھے۔ چہروں پر زردی کھنڈی تھی۔ مگر یہ زردی موت کے ڈر کی نہ تھی بلکہ یہ حالت اُس ہیبت اور وحشت کی تھی جس میں وہ اپنے تئیں اسوقت دیکھ رہے تھے۔

یہ لوگ مدتہائے دراز سے آپس میں شیر وشکر ہوکر رہتے چلے آئے تھے آپس میں بڑے دوستانہ تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ لشکرگاہ اس کا وطن ہوگیا تھا چونکہ اپنے گھروں سے اُن کو کوئی تعلق نہ رہا تھا اس لئے انس اور محبت کا جس قدر جوش تھا وہ اپنے ساتھیوں پر صرف ہوتا تھا۔ راتوں میں جبکہ آسمان پر ستارے کھلے ہوتے تھے وہ ایک ہی کمبل اوڑھکر مل کر سوتے تھے۔ پھر اس آئے دن کی پریشان گردی میں جس میں کوئی ملک باقی نہ تھا جس میں اُن کا گذر نہ ہوا ہو ہمیشہ ساتھ رہا تھا ہر حال میں ساتھ جینا اور ساتھ مرنا تھا۔ ایک عجیب قسم کی محبت اور تعلق اُن میں پیدا ہو چکا تھا۔ یہ محبت اور تعلق ایسا تھا کہ جس سے لڑائیوں میں زبردست کمزور کی مدد کرتا ہے۔ اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتا تھا جب ایک بیمار پڑتا تو دوسرا اُس کا پسینہ پونچھتا۔ ایک بھوکا ہوتا تو دوسرا کہیں سے روٹی چرا لاتا کہ بھوکے کا پیٹ بھرے۔ ممکن ہو کہ کمزور کو کسی سڑک کے کنارے بیچہ سا پڑا دیکھکر اُٹھا لیا ہو۔ اور پھر مستاجر بنا ہو۔ اور پھر اُسی بچے نے جوان ہو کر اپنے محسن کے ساتھ ہزاروں احسان کئے ہوں۔ اب انہوں نے وہ گلے کے ہار اور کانوں کے بالے جو کسی زمانے میں بڑے بڑے خطرے جھیل کر یا حالت سکر میں ایک دوسرے کو دئے تھے واپس کرنے لگے۔ سب کہتے تھے کہ ہمیں مار ڈالو مگر کسی کا ہاتھ نہ اُٹھتا تھا۔ کبھی دیکھا جاتا تھا کہ ایک نوجوان ایک ڈاڑھی والے بڈھے سے کہتا ہے "نہیں نہیں تم مضبوط ہو۔ مجھے مار کر بدلہ لو" بڈھا کہتا کہ "میری زندگی کے دن اب تھوڑے ہیں۔ میرے دل میں خنجر بھونکو اور پھر میرا خیال تک دل پر نہ لانا" بھائی بھائی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑا ہے اور رخصت چاہتا ہے۔ دوست

دوست کو الوداع کہہ رہا ہے اور ایک دوسرے کے کندھے پر سر رکھے زار و قطار روتا ہے۔

انہوں نے اپنی زرہ کے کرتے اتار دیئے تاکہ تلوار بھونکنے میں دقت نہ ہو۔ کرتے اتارے تو اُن کے جسم پر اُن زخموں کے داغ نظر آئے جو انہوں نے قرطاجنیوں کی طرف سے لڑنے میں کبھی کھائے تھے۔ یہ داغ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ پتھروں کے ستون پر عبارتیں کندہ ہیں۔

چار صفیں قائم کر کے دو دو صفیں آمنے سامنے کھڑی ہوئیں۔ یہ روما کے شمشیر بازوں کا طریقہ تھا اور انہوں نے اب خفیف طور پر لڑنا شروع کیا۔ بعض ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ لیں تھیں۔ ان کی تلواریں ہلکے ہلکے جیسے اندھے اپنی لاٹھیاں پھرائیں پڑتی نظر آتیں۔ قرطاجنیوں نے آوازے کسے کہ وہ نامرد اور بزدل ہیں۔ وحشیوں میں اب جوش پیدا ہوا۔ اور ان میں کشت و خون شدت سے ہونے لگا۔

بعض وقت ایسا ہوتا کہ دو آدمی سر سے پاؤں تک لہو میں نہائے لڑتے لڑتے رک جاتے اور بغلگیر ہوتے اور ایک دوسرے کو پیار کرتے ہوئے مرتے مگر لڑنے میں کوئی پیچھے نہ ہٹا۔ سستی تلواروں پر دہ جا پڑتے۔ اور اُن کا غیظ و غضب ایسا مجنونانہ تھا کہ دور سے قرطاجنی بھی اُسے دیکھکر ڈرے جاتے تھے۔

آخر کار یہ لڑائی بند ہوئی۔ زخمیوں کے سینوں سے ایک آواز پیدا تھی۔ اُن کے لمبے لمبے بالوں میں سے آنکھوں کے دیدے دکھائی دیتے۔ بال ایسے سُرخ تھے کہ معلوم ہوتا تھا جن کے وہ بال ہیں وہ خون میں تر ہیں۔ بعض چیتوں کی طرح سر میں زخم کھا کر زمین پر لوٹتے اور تڑپتے۔ بعض چُپ کھڑے قدموں میں لاش کو پڑا دیکھتے تھے۔ پھر یکایک وہ اپنے چہرے کو ناخنوں سے نوچتے۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار اُٹھا کر اپنے جسم پر

پھونک دیتے۔

بہرکیف ان چار سو آدمیوں میں سے ساٹھ آدمی زندہ رہے۔ انہوں نے پینے کو پانی مانگا۔ پانی اُن کو دیا گیا۔ جب وہ پانی پینے کو ہوئے اور برتنوں میں اُن کا منہ چھپا تو ساتھ ہی قرطاجنی پیچھے سے اُن پر گرے اور اُن کی پشت میں خنجر مار کر سب کو ہلاک کر دیا۔

ہملکار نے یہ جو کچھ کیا تھا اپنے لشکر کو خوش کرنے کیلئے تھا۔ اور اس فریب سے چاہا تھا کہ قرطاجنی اور اسکی ذات کے ساتھ وابستہ ہو جائیں۔

غرض اس طرح لڑائی کا خاتمہ ہوا یا کم سے کم ہملکار کا ایسا ہی خیال تھا۔ ماتو مقابلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہملکار نے جلدی میں فوجوں کو کوچ کا حکم دیا۔

ہملکار کے ہرکارے اُسکے پاس آئے اور خبر دی کہ سیسے والے پہاڑوں کی طرف کچھ سپاہ جاتی دیکھی گئی ہے۔ ہملکار نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر مستاجر غارت ہو گئے تو خانہ بدوش قومیں جو اُن کے ساتھ ہو گئی ہیں وہ کچھ تکلیف نہ دے سکینگی۔ اب جو سب سے بڑی بات کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کسی طرح تونس کے شہر پر اپنا قبضہ ہو۔ پس لمبی لمبی منزلیں طے کر کے ہملکار نے تونس پہونچنا چاہا۔

نرہیواس کو مژدہ فتح لیکر ہملکار نے قرطاجنہ روانہ کیا۔ بادشاہ نومیدیا اس فتح پر ناز کرتا سلامبو کے محل کے دروازے پر آیا۔

سلامبو نے نرہیواس سے اپنے باغ میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے ملاقات کی۔ سلامبو کمر میں زرد چمڑے کی پیٹی لگائے بیٹھی تھی۔ قریب ہی اُس کی دایہ تعناخ کھڑی تھی۔ سر پر ایک سپید نقاب اس طرح پڑی تھی کہ پیشانی رخسار اور دہن اس میں چھپے تھے۔ صرف آنکھیں کھلی تھیں۔ لیکن یہ نقاب اتنی باریک تھی کہ لبوں کی سُرخی اُس میں سے جھلک رہی تھی۔ اور یہ جھلک ایسی ہی تھی جیسے انگلیوں پر انگوٹھیوں کے جواہرات

کی چمک دمک تھی کیونکہ سلامبو اسوقت اپنے دونوں ہاتھوں کو ملائے بیٹھی تھی۔ اس ملاقات میں جس طرح پہلے بیٹھی تھی اسی طرح بیٹھی رہی۔

نرہیواس نے فتح کی خبر سناکر دشمن کی شکست کا حال سنایا۔ سلامبو نے ان خدمات کا جو نرہیواس نے اُسکے باپ ہملکار کی کی تھیں بہت شکریہ ادا کیا۔ اب نرہیواس نے لڑائی کے کل حالات بیان کرنے شروع کئے۔

کھجور کے درختوں میں اب قمریوں نے ہلکی ہلکی کوکو کی صدا شروع کی۔ اور پرندے گھاس پر اُڑتے اور پھدکتے نظر آئے۔ باغ جس کی درستی مدت سے نہیں ہوئی تھی اُس میں گھاس پھونس بہت اُگ آیا تھا۔ گلاب کے تختے میں جنگلی درخت کھڑے ہو گئے تھے۔ درخت کچھ اس طرح بڑھے تھے کہ جابجا ان کی شاخوں سے محرابیں اور تنہائی کے گوشے بن گئے تھے۔ گویا یہ پرتکلف باغ اب ایک جنگل ہو گیا تھا۔ اور یہاں بھی آفتاب کی ترچھی شعاعیں ایک ایک پتے کا عکس زمین پر ڈالتی تھیں۔ پلے ہوئے جانور بھی اب وحشی ہو گئے تھے اور آدمی کی آواز سنتے ہی بھاگ جاتے تھے۔ مور کے پر جابجا بکھرے پڑے تھے اور بعض وقت کسی غزالے کو دیکھا جاتا تھا کہ چوکڑیاں بھرنے میں اُس کے سیاہ کھر کی جھری میں مور کا پر اٹکا ہے۔ موجوں کے شور میں شہر کی آوازیں جو دور پڑتا تھا نہ سنائی دیتی تھیں۔ آسمان نیلگوں تھا۔ اور سمندر کی سطح پر کسی کشتی یا جہاز کا بادبان نظر نہ آتا تھا۔

نرہیواس باتیں کرتے کرتے خاموش ہوا۔ سلامبو منہ سے کچھ نہ بولی مگر اسکی صورت دیکھتی رہی۔ نرہیواس اس وقت کتان کا لباس پہنے تھا جس پر گل بوٹے کڑھے تھے۔ دامنوں کا حاشیہ سنہری تھا۔ سر کے گندھے بال کانوں کے قریب لاکر چاندی کے تیروں میں بندھے تھے۔ داہنے ہاتھ میں ایک عصا تھا جس میں ایلکٹرم کے چھلے اور بہت سے مال لگے تھے۔ اسی عصا پر وہ سہارا لئے کھڑا تھا۔

سلامبو جب نرہیواس کی صورت دیکھتی تو دل میں عجیب وغریب خیال آتے تھے. نرہیواس کی آواز نازک اور صورت عورتوں کی سی تھی۔ اُسکے حسن نے دیر تک سلامبو کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ رکھا. اور وہ سمجھتی تھی کہ تعلیم نے اسکی نگہداشت اور حفاظت کے لئے ایک بڑی بہن کو بھیجدیا ہے۔ دفعتاً ماتو کا خیال سلامبو کے ذہن میں آیا. بہت ضبط کیا مگر نہ ہوسکا. نرہیواس سے اسکا حال پوچھنے لگی۔

نرہیواس نے کہا کہ "قرطاجنی فوجیں اس وقت تونس کی طرف کوچ کر رہی ہیں تاکہ ماتو کو وہ گرفتار کریں" جس وقت نرہیواس نے قرطاجنیوں کی کامیابی کی اُمید اور ماتو کی کمزوری بیان کی تو سلامبو کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑی اُمید کے پورا ہونے کا لطف اُٹھا رہی ہے۔

اُس کے لبوں کو جنبش ہوئی اور سینہ اُبھرا۔ نرہیواس نے آخر کار وعدہ کیا کہ میں ماتو کو اپنے ہاتھ سے قتل کرونگا۔

سلامبو کہنے لگی "ہاں اُسکو قتل کرو۔ اُسکو قتل ہونا چاہیئے"

نرہیواس نے کہا "مجھے بھی ماتو کے قتل کرنیکا بیحد ارمان ہے. کیونکہ اس لڑائی کے ختم ہونے پر مجھے آپکا شوہر بننا پڑیگا"

سلامبو یہ فقرہ سنکر چونک پڑی اور سر نیچا کر لیا۔

نرہیواس نے اپنے انتظار کو ان پھولوں سے تشبیہ دی جو بارش کے بغیر سر جھکا کر لٹک جاتے ہیں یا اُن گم کردہ راہ مسافروں کی مثل بتایا جو سورج نکلنے کے انتظار میں ہوتے ہیں. سلامبو سے اُس نے یہ بھی کہا کہ تم ماہتاب سے بڑھکر حسین ہو اور تمہارا حسن وجمال ایک مہمان کے چہرے اور نسیم سحرگاہی کے جھونکوں سے زیادہ مبارک ہے. میں تمہارے لئے ملک حبش سے ایسی چیزیں منگواؤں گا جنہیں قرطاجنہ میں آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا. اور جس محل میں ہم رہیں گے اس میں سونے

کے ذرّے بکھر کے جائیں گے۔

شام ہونے کو تھی۔ خوشبوؤں نے اپنا عطر کھینچکر ہوا کو مشکبار کیا تھا۔ دیر تک ایک دوسرے کی صورت کو چپ بیٹھا دیکھتا رہا۔ آفتاب غروب ہونے سے پہلے نرہیوار سلامبو کے پاس چلا گیا۔

جب وہ قرطاجنہ سے روانہ ہو گیا۔ تو قدمار شہر کے دلوں پر سے ایک بوجھ سا اُٹھ گیا۔ شہر کی عام رعایا نے رخصت کے وقت ایسے بلند نعرے لگائے کہ خیر مقدم کے وقت بھی وہ اتنے تیز نہ تھے۔ قدمار سوچتے تھے کہ اگر ہملکار اور نومیدیا کا یہ بادشاہ بلا امدادِ غیرے مستاجروں پر غالب آگیا تو پھر ان دونوں سے پناہ ملنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ پس انہوں نے ہملکار کا زور توڑنے کے لئے سوچا کہ ریاست کو اس وقت جو دشمن سے نجات ملی ہے اس میں کچھ حصّہ بڈھے حانو کو بھی ملے جسکے وہ حامی اور طرفدار چلے آتے تھے۔

چنانچہ حانو فوراً مغربی صوبوں کی طرف روانہ کیا گیا تاکہ ان نواح میں جہاں جہاں اُس کی توہین اور بے عزتی ہوئی تھی وہاں پہونچکر وہ انتقام لے لیکن اب وہاں کے باشندے اور وحشی جنہوں نے توہین کی تھی سب مر چکے تھے۔ جب آدمی نہ ملے تو ملک پر اپنا غصّہ اتارا۔ کھنڈروں اور شکستہ عمارتوں میں آگ لگائی۔ جب آگے بڑھتا تو پیچھے ایک درخت یا گھاس کا پتّا تک سلامت نہ چھوڑتا۔ اگر کچھ لنگڑے لولے آدمی یا بچّے ملتے تو اُن کو بھی طرح طرح اذیتیں دیتا۔ عورتوں کو قتل کرنے سے پہلے اپنے ساتھیوں کے حوالے کرتا۔ جو کچھ حسین ہوتیں اُن کو اپنے حرم میں داخل کرتا کیونکہ جو سخت مرض اسکو تھا اُس نے اُس میں قوت حیوانی کو بہت تیز کر دیا تھا اور وہ ایک ناعاقبت اندیش کی طرح اپنی ہوا و ہوس کو بڑے ذوق شوق سے پورا کیا کرتا تھا۔

پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اب اکثر سیاہ خیمے اس طرح اکھڑتے دکھائی دیے کہ ہوا کے زور سے گر رہے ہیں۔ اور چوڑے چوڑے چکڑے جن کے کنارے چمکتے ہوتے اور جو جنگی رتھوں کے پہیے ہوتے تھے آہستہ آہستہ گھاٹی میں اترتے دکھائی دیتے۔ ان پہیوں سے دردناک آوازیں نکلتی ہوتیں۔ قبائل جنہوں نے قرطاجنہ کا محاصرہ ترک کیا تھا وہ اس طرح قرطاجنہ کے صوبوں میں آوارہ گرد تھے موقع کے منتظر نظر آتے تھے۔ موقع بھی یہی کہ مستاجروں کو اگر فتح ہو جائے تو وہ واپس چلے آئیں لیکن یا تو محض خوف سے یا فاقہ کشی سے مجبور ہو کر ان سب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی اور وہ غائب ہو گئے۔

حانو کی کامیابی پر ہملکار کو رشک نہ ہوا۔ ہملکار کی بڑی خواہش یہی تھی کہ جو کام اسکے ذمے ہے اس کو کسی طرح ختم کرے۔ ہملکار نے حانو کو تونس جانے کا حکم دیا۔ حانو جسے اپنے ملک سے بے انتہا عشق تھا اسی روز جو تونس پہونچنے کا بتایا گیا تھا وہاں پہونچ گیا۔ اور شہر کی فصیل کے نیچے اتر پڑا۔

تونس میں جو فوج شہر کو قرطاجنیوں سے بچا رہی تھی اس میں کچھ خاص وہیں کے لوگ تھے۔ علاوہ ان کے بارہ سو مستاجر اور تمام وہ لوگ شامل تھے جو ناپاک چیزوں کے کھانے والے تھے۔ ماتو کی طرح یہ لوگ بھی قرطاجنہ کے قرب کو ترک نہ کر سکے تھے۔ یہ جب قرطاجنہ کی فصیل کی طرف دیکھتے تھے تو سمجھتے تھے کہ خدا جانے کتنی دولت اور عیش و نشاط ان فصیلوں کی پشت پر موجود ہے چونکہ دونوں کو قرطاجنہ سے ایک ہی سی عداوت تھی اس لئے جلد اپنی حفاظت کیلئے فوجیں درست کیں۔ پانی کی مشکوں کو کاٹ کاٹ کر ان کی ٹوپیاں بنائیں۔ باغوں میں درخت کاٹنے کے برچھوں اور بھالوں کی لکڑیاں بنیں۔ زمین کھود کر حوض اور تالاب تیار کئے۔ کھانے کیلئے جھیل سے بڑی بڑی سپید مچھلیاں پکڑیں جو مردے اور غلاظت کھاتی تھیں۔ قرطاجنہ کی عداوت کی وجہ سے تونس کی فصیل شکستہ حالت میں تھی۔

یہ اتنی بوسیدہ تھی کہ اگر کوئی زور سے اپنا کندھا مارتا تو وہیں سے گر پڑتی۔ فصیل میں جہاں جہاں سوراخ ہو گئے تھے ماتو نے ٹوٹے مکانوں سے پتھر اٹھوا کر ان کو بند کروا دیا تھا۔ اب جو لڑائی ہونے والی تھی وہ اس طول طویل جنگ کی آخری کشمکش تھی۔ ماتو کو فتح کی امید نہ تھی۔ مگر یہی کہتا تھا کہ قسمت کا حال کسے معلوم ہے۔ گھڑی پر کچھ ہے گھڑی میں کچھ۔

قرطاجنی فوجیں حانو کی سرکردگی میں جب قریب پہونچیں تو انہوں نے فصیل کے قریب ایک آدمی اتنے لمبے قد کا دیکھا کہ فصیل کے کنگرے صرف اس کی کمر تک آتے تھے۔ تیر جو سن سن کرتے اس کے پاس سے گزرتے تو وہ ان کی اتنی حقیقت بھی نہ سمجھتا جتنی کہ ابابیلوں کے اڑنے کی کوئی کرے! اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ ایک تیر بھی اسکے نہ لگتا تھا۔

ہملکار نے اپنا لشکر جنوب کی طرف ڈالا تھا۔ نرہیواس اسکے دائیں طرف تھا اسکی فوجیں حادرس کے میدان میں آراستہ تھیں۔ حانو جھیل کے کنارے تھا۔ ان تینوں فوجی سرداروں کیلئے لازمی تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر مضبوطی سے قائم رہیں تاکہ ایک ہی وقت میں تونس کے استحکامات پر حملہ کر سکیں۔

لیکن پہلی بات جو ہملکار نے متاجروں پر ظاہر کرنی چاہی وہ یہ کہ وہ متاجروں کو اپنے غلاموں کی طرح سزا دے سکتا ہے۔ متاجروں کے دس وکیل جو اس وقت زیر حراست تھے ان کے سامنے اس نے دس صلیبیں پاس پاس نصب کرائیں۔ اور ایک ٹیلے پر جو شہر کے سامنے تھا ان کو مصلوب کر دیا۔ تونس میں جو لوگ محصور تھے اور فصیلوں پر چڑھے یہ ماجرا دیکھتے تھے وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ ماتو اپنے دل میں کہتا تھا کہ نومیدی فوجوں کے نکلنے سے پہلے اگر وہ کسی طرح فصیل اور نرہیواس کے خیموں کے درمیان پہونچ جائے تو پھر قرطاجنی فوجوں کے عقب

میں پہونچکر اُنکا تہس نہس کر دے۔ اُس وقت یہ قرطاجنی پیدل فوجیں اپنے کو ماتو کی فوجوں اور اُن فوجوں کے درمیان پاتیں جو فصیل کے اندر بھری تھیں۔ چنانچہ ماتو چند آزمودہ کار سپاہیوں کو ہمراہ لیئے اسی قصد سے چل پڑا۔

نرہیو اس نے اسکو دیکھ لیا۔ اور جھیل کے کنارے پہونچکر اس نے حانو سے کہا کہ اپنی فوجیں ہملکار کی کمک پر فوراً روانہ کرے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا نرہیو اس ہملکار کی فوج کو مستاجروں کے مقابلے میں کمزور سمجھتا تھا۔ یا حانو سے اُس کی یہ فرمائش محض ایک فریب یا حماقت تھی۔ اس کا حال کسی پر نہ کھلا۔ حانو نے اپنے حریفِ مقابل یعنی ہملکار کو خفیف کرنے کیلیئے فوج کی روانگی میں بالکل تذبذب نہ کیا اور حکم دیا کہ نفیر بجاکر فوج کی روانگی کا حکم دیا جائے۔ حانو کی فوجوں نے اب وحشیوں پر دھاوا کیا۔ وحشیوں نے مُڑکر قرطاجنیوں میں کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ زخمیوں کو پاؤوں سے کچلا۔ اور اُن کو آگے بھگاتے ہوئے وحشی حانو کے خیمے تک پہونچ گئے۔ حانو اس وقت خیمے میں تھا اور تین معزز ارکان مجلس اُس کے پاس تھے۔ یہ قدیم بڑے عالی مرتبہ لوگ تھے۔ وحشی مستاجروں کی اس بیباکی پر حانو ششدر رہ گیا۔ اپنے افسروں کو اُس نے آواز دی لیکن وحشی سامنے کھڑے برابر اس کو گالیاں دیتے رہے۔ گھونسے بنابناکر حانو کو دکھاتے۔ حانو کے گرد جو ہجوم ہوا اُس میں پچھلوں نے آگے والوں کو دھکے دیئے۔ جن لوگوں نے حانو کو پکڑ رکھا تھا اُن پر مشکل یہ بنی تھی کہ اُن کا ہاتھ کہیں جمتا نہ تھا۔ حانو برابر ان لوگوں کے کانوں میں کہتا تھا:۔ جو کچھ مانگوگے میں تمہیں دونگا۔ میرے پاس دولت بہت ہے کسی طرح میری جان بچادو:۔ مگر جنہوں نے اسکو پکڑ رکھا تھا وہ اُسے اُٹھاکر آگے بڑھے۔ حانو بہت بھاری بھرکم تھا مگر وحشیوں نے اُس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکنے دیئے۔ تین معزز اراکین مجلس کو وہ پکڑ کر لے گئے۔ حانو کا خوف دوچند ہوگیا۔ وہ کہنے لگا کہ تم نے مجھے شکست

دی ہے اور میں تمہارا اسیر ہوں۔ سنو دوستو جو زرِ فدیہ کہو گے ادا کرونگا۔ اب وحشیوں کے ایک غول نے حانو کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ انکے کندھوں سے حانو کی پسلیاں چھلنے لگیں۔ حانو بار بار کہتا تھا: "آخر تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے کسی بات میں عذر نہیں ہے چنانچہ تم دیکھ لوگے کہ میں ہمیشہ رحمدل ثابت ہوا ہوں۔"

دروازے پر ایک بڑی بھاری صلیب نصب کر رکھی تھی۔ وحشیوں نے چلاّ کر کہا: "یہاں، یہاں۔" مگر حانو نے ان سے بھی زیادہ چیخ کر اور ان کو ان کے خداؤں کا واسطہ دیکر کہا کہ "تم مجھے اپنے سپہ سالار کے پاس لے چلو۔ مجھے اس سے ایک بات کہنی ہے اور وہ ایسی ہے کہ تمہاری سلامتی اسی میں ہے۔"

وحشی ٹھہر گئے اور ان میں سے بعض نے کہا: "بہتر ہے کہ ماتو کو بلالیا جائے۔" چنانچہ کچھ لوگ ان میں سے اسے بلانے گئے۔

حانو بیہوش ہوکر گھاس پر گرا۔ اب اس نے پاس ہی اور صلیبیں بھی کھڑی دیکھیں گویا جس اذیت سے وہ مرنے والا تھا اسکو پہلے ہی سے دہ چند کرنا چاہا۔ اس نے کوشش کی کہ وہ اور صلیبوں کا دیکھنا اپنی نظر کی غلطی سمجھے اور یہی خیال کرے کہ صلیب صرف ایک ہے۔ بلکہ یہاں تک خیال کرنا چاہا کہ صلیب کوئی بھی نصب نہیں ہے۔ آخر کار وحشیوں نے اسکو اٹھایا۔ اتنے میں ماتو بھی آگیا اور اس نے کہا۔

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

حانو نے ماتو سے کہا کہ "میں ہملکار کی حقیقت تم پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایسی ہوگی کہ تم قرطاجنہ میں داخل ہوکر وہاں بادشاہ ہوجاؤگے۔"

ماتو وحشیوں کو اشارہ کرکے کہ اب دیر نہ کرو۔ وہاں سے چلاگیا۔ ماتو سمجھا کہ حانو نے صرف وقت حاصل کرنے کیلئے یہ حیلہ اختیار کیا تھا۔

ماتو کا یہ خیال غلط تھا۔ دراصل حانو کی حالت ایسی زبوں تھی کہ وہ کسی بات

کی بھلائی برائی میں تمیز نہ کرسکتا تھا۔ اور ہملکار سے اسکو نفرت اور عداوت اس درجہ تھی کہ اگر جان بچنے کی خفیف سی خفیف توقع ہوتی تو وہ ہملکار اور اسکی فوجوں کو غارت کرنے میں مطلق تامل نہ کرتا۔

تیس صلیبوں کے نیچے آتے ہی قدما یعنی ارکان مجلس قرطاجنہ زمین پر پڑے تھے۔ خوف سے بدحال تھے۔ اُن کی بغلوں میں رسیاں پڑ چکی تھیں۔ یہ دیکھکر حانو رونیلگا اور سمجھا کہ اب موت یقینی ہے۔

وحشیوں نے حانو کے بدن پر جتنے کپڑے رہ گئے تھے وہ بھی نوچ پھینکے۔ اب حانو کا برہنہ جسم سب دیکھنے لگے۔ سارے تن بدن پر کثرت سے پھنسیاں پھوڑے تھے۔ پاؤں پر اتنی سوجن چڑھی تھی کہ انگلیوں کے ناخن نظر نہ آتے تھے۔ ناخنوں کی جگہ ہرے ہرے کھرنڈ تھے۔ اور آنسو جو چہرے پر پھوڑے پھنسیوں میں سے ہو کر آتے تھے انہوں نے چہرے کو اور بھی کریہہ اور مہیب بنا دیا تھا۔ اور چہرہ بہت بڑا معلوم ہوتا تھا۔ سر کا تاج شاہی سر سے علیحدہ ہو کر سپید بالوں میں اُلجھا ہوا خاک پر گھسٹتا تھا۔

وحشیوں کو خیال ہوا کہ کوئی رسّی اُن کے پاس اتنی مضبوط نہیں ہے کہ اُسکے سہارے حانو کو اُٹھا کر صلیب کی چوٹی تک پہونچائیں۔ پس قرطاجنی طریقے کے مطابق صلیب کو پاس لاکر حانو کے ہاتھ صلیب پر رکھ کر اس میں کیلیں ٹھونکیں اور پھر صلیب کو اُٹھا کر کھڑا کیا۔ لیکن جب حانو کی تکلیف بڑھی تو طبیعت نخوت و غرور نے غلبہ پایا اور اُس نے متاجروں کو نہایت سخت و سست کہنا شروع کیا۔ حانو اس بحری جانور کی طرح غصے اور تکلیف میں تڑپتا تھا جسکو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا جائے۔ وہ متاجروں سے کہتا تھا کہ "ظالموں، تم پر اس سے بھی بُرا اور اذیت کا وقت آنیوالا ہے میرے خون کا انتقام تم سے ضرور لیا جائیگا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی۔ اب تونس کے شہر سے یکلخت شعلے اور دھواں اُٹھنا

شروع ہوا۔ دوسری طرف نظر اُٹھائی تو مستاجروں کے دس وکیل موت کے کرب میں مبتلا دکھائی دیئے۔

ان میں بعض جو پہلے بیہوش ہو گئے تھے وہ ٹھنڈی ہوا کے چلنے سے ہوش میں آ گئے۔ اُن کے سر سینوں پر جھکے تھے۔ اور اُن کے جسم باوجودیکہ ہاتھوں میں کیلیں سر سے اُونچی ٹھکی تھیں مگر وہ نیچے پھسل آئے تھے۔ ہاتھوں اور پاؤں سے خون کے قطرے اس طرح ٹپکتے تھے جیسے پکے پھل پیڑ کی شاخوں سے ٹپکیں۔ اور اُن کو قرطاجنہ، اُس کی خلیج، پہاڑ اور میدان سب اس طرح گردش کرتے معلوم ہوتے جیسے کوئی زبردست پہیا پھر تا ہو۔ بعض وقت زمین سے گرد و غبار کا بادل اُٹھتا اور خاک میں اُنکو لپیٹ لیتا۔ شدت کی پیاس سے اُنکے حلق خشک تھے۔ زبانیں سُوکھ کر دہن کے اندر گھس گئی تھیں۔ اور اُنکے جسم پر جب اُنکی روحیں پرواز کرنے لگیں برف کی مثل پسینے کی لڑیاں بہتی تھیں۔

اس اثنا میں اپنے سے نیچے بڑی گہرائی میں اُنہوں نے بازاروں اور کوچ کرتے سپاہیوں کے قدموں کی آواز سُنی۔ تلواروں کی چمک دیکھی۔ اور لڑائی کا شور ہلکا ہلکا اُن کے کانوں تک پہونچا۔ یہ شور وہ اس طرح سُنتے تھے جیسے طوفان خوردہ ملاح اپنے جہاز کے مستولوں پر جان کنی کی حالت میں سمندر کی موجوں کا شور سُنیں۔ یونانی جو ایطالیہ کی نوآبادیوں کے رہنے والے تھے۔ وہ دوسروں سے زیادہ سخت جان تھے۔ وہ ابھی تک تکلیف میں چیخیں مارتے تھے۔ اسپارٹا والے آنکھیں بند کئے تھے۔ اُن کے مُنہ سے مطلق آواز نہ نکلتی تھی۔ زارازاس جو کسی زمانے میں بڑا تنگڑا اور مضبوط آدمی تھا اب وہ ایک ٹوٹے ہوئے سرکنڈے کی طرح جُھکا تھا۔ حبشی اپنے سر صلیب کی بیچ کی لکڑی سے نیچے ڈالے تھے۔ آتارتیوس بے حس و حرکت تھا مگر آنکھیں حلقۂ چشم میں پھرتی تھیں۔ اسکے بڑے

بڑے بال لکڑی کی ایک درز میں اٹک کر پیشانی سے سیدھے اٹھے نظر آتے تھے۔ اور دم توڑنے کی آواز حلق سے ایسی نکلتی تھی جیسے غصہ وغضب میں کوئی چیختا ہو۔ اسپندیوس میں صلیب پر لٹکتے ہی کچھ عجیب ہمت پیدا ہوگئی۔ چونکہ اُسکو پورا یقین تھا کہ قیدِ حیات سے ہمیشہ کو آزادی ملتی ہے اس لئے اُس نے اِس دُنیا کی زندگی کو بالکل حقیر سمجھا۔ اور موت کا منتظر بغیر آہ وزاری کے ہوگیا۔ صلیب پر جتنے آدمی لٹکائے گئے تھے ان سب کی حالت نیم بیہوشی کی تھی۔ پھر بھی اُن کے لبوں کو کسی کے پر لگتے معلوم ہوتے تھے۔ پروں کی پرچھائیاں اُن کو اپنے گرد وپیش نظر آتی تھیں۔ اور مُردہ خور پرندوں کی آواز وہ کچھ کچھ سُنتے تھے۔ چونکہ اسپندیوس کی صلیب سب سے اونچی تھی۔ اسلئے پہلا گِدھ اسی کی صلیب پر آن کر بیٹھا۔ اسپندیوس نے اپنا چہرہ اتاریتوس کی طرف پھیر کر کہا: "وہ شیر بھی یاد ہیں جو سکہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھے تھے" اتاریتوس اتنا کہکر کہ "وہ ہمارے بھائی برادر تھے" ختم ہوگیا۔

اِس اثنا میں ہملکار تونس کی فصیل میں ایک جگہ سوراخ کرکے شہر کے قلعہ میں داخل ہوگیا تھا۔ ہوا کے ایک جھونکے نے دھوئیں کو ہٹادیا اور قرطاجنہ فصیلوں تک فضا میں صاف نظر آنے لگا۔ ہملکار سمجھا کہ ہیکلِ عشمون کی چھت پر جو پاسبان کھڑے ہیں وہ تک اسکو نظر آرہے ہیں۔ جب نگاہ دوسری طرف پھری تو دیکھا کہ جھیل کے کنارے بائیں ہاتھ تیس بڑی بڑی صلیبیں بہت بلند کھڑی کی گئی ہیں۔ اُن کی صورت کو زیادہ ہیبت ناک بنانے کے لئے یہ کیا ہے کہ خیموں کی چوبوں کو لیکر ایک چوب کے سرے کو دوسری چوب کے سرے میں باندھ کر اونچا کیا ہے اور ان میں قرطاجنہ کے عمائد اور ارکان زمین سے بہت اونچے لٹک رہے ہیں اور انکے سینوں پر سپید سپید تیتریاں سی لگی ہیں۔ یہ دراصل تیروں کے پَر تھے جو نیچے سے اُن پر اُنکے سینوں پر مارے تھے۔

سب سے اُونچے صلیب پر ایک سُنہری کپڑا لگا تھا۔ پہلے یہ کپڑا اُس شخص کے شانے پر لگا تھا جو اسوقت صلیب پر لٹکا تھا۔ اُسی طرف کا ایک ہاتھ غائب تھا۔ ہملکار نے مشکل سے پہچانا کہ وہ ماتو ہے۔ اس کی ہڈیاں جو پہلے ہی سے نرم تھیں کیلوں کے ٹھکنے سے ٹوٹ گئی تھیں۔ ہاتھ پاؤں اور اُن کے ٹکڑے نیچے گرے پڑے تھے! اور اب صلیب پر سوائے ایک گوشت کے لوتھڑے کے جیسے کسی شکاری کے دروازے پر کوئی کھال اُترا جانور لٹکا ہو اور کچھ نہ تھا۔

ہملکار کو ان لوگوں کے مصلوب ہو جانے کا حال کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ وہ شہر میں تھا اور نہ مکانات کی وجہ سے آگے پیچھے کی سب چیزیں اُس کی نظر سے پوشیدہ تھیں اور فوجی افسر جن کو حانو اور نرہیوا اس کے پاس ہملکار نے بھیجا تھا وہ ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔ اب کچھ موٹے سپاہی بھاگتے ہوئے آئے اور اُنہوں نے شکست کا حال بیان کیا۔ قرطاجنی فوجیں چلتے چلتے ٹھہر گئیں۔ حالت فتح میں ایسی ناکامی کی خبر سُن کر قرطاجنیوں کے اوسان خطا ہوئے۔ اب وہ ہملکار کا حکم نہ سُنتے تھے۔

ماتو کو اچھا موقع ملا اور اُس نے نومیدیوں میں غارتگری شروع کی اور اُنپر حملہ کرنے پلٹ کر آیا۔ حانو کا لشکر گاہ جب غارت ہو چکا تو ماتو ادھر آیا۔ ہاتھی مقابلہ پر لائے گئے۔ لیکن مستاجر شہر کی جلتی دیواروں سے لکڑیاں کھینچ میدان سے گذر کر ہاتھیوں کے سامنے جلتے چیلے پھرانے لگے۔ ہاتھی شعلوں سے ڈر کر خلیج کی طرف بھاگے۔ جب پانی میں کودے تو آپس میں لڑنے لگے! ور ایک ہاتھی نے دوسرے ہاتھی کو مار ڈالا' وہ عماریوں اور ہودجوں کے بوجھ سے خلیج میں ڈوب گئے۔ نرہیوا اس نے اپنی فوج سوارہ کو پہلے ہی مستاجروں کے مقابلے پر بھیج رکھا تھا لیکن جب سوار آئے تو مستاجر زمین پر لیٹ گئے۔ اور جب گھوڑے تین قدم رہ گئے

تو وہ اُچھل کر گھوڑوں کے پیٹ کے نیچے آتے اور خنجروں سے اُن کے پیٹ پھاڑ دیتے چنانچہ جس وقت ہملکار وہاں پہونچا ہے تو نرہیواس کی مرکب سوار فوج کے نصف جوان کام آ چکے تھے۔

لیکن مستاجر تھکے ہوئے تھے اب وہ مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے مگر ترتیب کے ساتھ وہ گرم چشمے والے پہاڑ کی طرف ہٹ گئے۔ لیکن ہملکار ہوشیار تھا اس لئے انکا تعاقب نہ کیا۔ اور وہ دریائے ماکار کے دہانوں کی طرف چلا۔

تونس پر ہملکار کا قبضہ ہو چکا تھا اور اب سوائے راکھ کے ایک ڈھیر کے جس سے ابتک دُھواں اُٹھ رہا تھا اور کچھ نہ رہا تھا۔ شہر کی ٹوٹی عمارتوں کا ملبہ فصیلوں میں سے نکلا دُور تک میدان میں پھیلا تھا۔ اور دُور خلیج کے دونوں ساحلوں کے درمیان ہاتھیوں کی لاشیں ہوا سے حرکت کرتی ہوئی اس طرح آپس میں ٹکراتی تھیں یا بڑے بڑے ٹاپوؤں کی طرح پاس پاس سمندر میں نظر آتی تھیں۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کالے کالے چٹانوں کا ایک مجمع الجزائر بجائے ایک جگہ قائم ہونے کے بہتا چلا آتا ہے۔

نرہیواس نے اپنے ملک کے تمام جنگلوں سے یہ ہاتھی جمع کئے تھے۔ ان میں بچے، بڈھے، نر اور مادہ سب ہی قسم کے جانور تھے۔ اِن کے مر جانے سے ریاست کے محکمۂ جنگ کو جو نقصان پہونچا اب اسکی تلافی ممکن نہ تھی۔ جن آدمیوں نے دُور سے ان ہاتھیوں کو دیکھا تھا کہ وہ لڑ لڑ کر مر رہے ہیں یا خلیج میں ڈوب رہے ہیں، اُن کو سخت صدمہ ہوا تھا۔ بازاروں میں لوگ اُن کو یاد کر کے روتے تھے۔ اور اُنکا ماتم اس طرح کرتے تھے جیسے کسی دوست کے مرنے پر کوئی غم کرے۔ کوئی کہتا کہ ہائے وہ "اجیت" کہاں گیا۔ کوئی کہتا کہ وہ "فیروزمند" کہاں غارت ہوا۔ غرض کوئی "گرج" کو پیٹتا۔ کوئی "ابابیل" کا غم کرتا۔ پہلے دن تو وہ اپنے شہر والوں کا جو مارے گئے تھے ذکر کرتے رہے۔ لیکن دوسرے دن اُنھوں نے مستاجروں کے

خیمے گرم چشموں والے پہاڑ پر دیکھے۔ اب قرطاجنیوں کو اس درجہ مایوسی ہوئی کہ اُن میں بعض بالخصوص عورتیں قلعۂ قرطاجنہ کی بلندی سے نیچے گر کر مرگئیں۔

ہملکار نے کیا تدبیریں سوچ رکھی تھیں انکا کسی کو علم نہ تھا۔ وہ اپنے خیمے میں تنہا رہتا تھا۔ ایک لڑکا البتہ اُس کے ساتھ تھا۔ نہ کوئی اُس سے ملاقات کو خیمے میں آتا تھا اور نہ اُسکے ساتھ شریکِ طعام ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ نرہیواس تک وہاں نہ جاتا تھا۔ جب سے حانو کو شکست ہوئی تھی ہملکار کی خاص نظرِ عنایت نرہیواس پر تھی۔ اس بادشاہ نومیدیا کو ہملکار کی بیٹی سے شادی کرنے اور ہملکار کا داماد بننے کا شوق اور اضطراب اتنا تھا کہ بعض وقت وہ ہملکار کی طرف سے بدگمان ہو جاتا تھا۔

ہملکار کی اس وقت کی کاہلی محض ایک پردہ تھی جس میں وہ اپنی فوج اور حربی چالوں کو مخفی رکھنا چاہتا تھا۔ کوئی ترکیب دیہات کے حاکموں اور مکھیوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں باقی نہ رکھی کہ وہ اپنے مواضع سے مستاجروں کو نکال باہر کریں۔ چنانچہ اب مستاجروں کی یہ حالت ہوئی کہ ایک ایک گاؤں سے وہ آوارہ مویشیوں کی طرح خارج کئے جانے لگے۔ اگر کسی گھنے جنگل میں اُنہوں نے پناہ لی تو جنگل میں آگ لگ گئی۔ اگر کسی چشمے پر وہ پانی پینے ٹھہرے تو پانی میں زہر گھلا پایا۔ جن غاروں میں رُوپوش ہوئے اُن پر تیغا لگا دیا گیا۔ جن قبیلوں نے ابتک انکا ساتھ دیا تھا یا کسی طور پر انکے شریکِ کار رہے تھے اُنہوں نے مستاجروں کا تعاقب کیا۔ ان تعاقب کرنیوالوں میں مستاجروں نے اکثر دیکھا کہ اُنکے پاس قرطاجنی ہتیار تھے۔

بہت سے مستاجروں کے چہرے پر سُرخ سُرخ دانے اور پھنسیاں نکل آئیں۔ اُن کو یقین تھا کہ یہ حانو کے چھونے سے ہوا ہے۔ بعض اس کی وجہ یہ قرار دیتے کہ سلامبو کی مچھلیاں کھانے سے یہ مرض پیدا ہوا ہے اور بجائے پشیمان ہونے کے اُنہوں نے مذہب کی اور زیادہ توہین کرنی چاہی تاکہ قرطاجنہ کے خُداؤں کو اور بھی عاجز

کریں۔ اگر بس چلتا تو وہ ان خداؤں ہی کو نیست و نابود کر دیتے۔ اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے۔

غرض اس طرح تین مہینے تک متاجر مشرقی ساحل پر آوارہ گردی کرتے رہے۔ آخرکار جبلِ سلوم کی پشت کی طرف سے ہوتے ہوئے وہ ریگستان کے کنارے آ گئے۔ یہاں انکو پناہ ملنی کسی قدر ممکن ہوئی۔ عتیقہ اور بنزرتہ صرف دو ایسے مقام تھے جنہوں نے ابتک اُن کے ساتھ دغابازی کی تھی۔ لیکن ہملکار نے ان دونوں شہروں کے گرد بھی فوجوں کا حلقہ ڈال رکھا تھا۔ اب متاجر شمال کی طرف بڑھے۔ راستے سے واقف نہ تھے۔ صرف بخت و اتفاق اس وقت اُن کا رہبر تھا۔ سختیاں جھیلتے جھیلتے اب متاجروں کا دل و دماغ صحیح نہیں رہا تھا۔

متاجروں میں صرف یہ احساس باقی رہ گیا تھا کہ اُن میں غیظ و غضب و اضطراب بےحد غلبہ پاتا جاتا ہے۔ سراسیمہ اور آوارہ پھرتے پھرتے ایک دن انہوں نے دیکھا کہ دریائے کوبس کی گھاٹیوں میں وہ پہونچ گئے ہیں۔ یعنی ایک مرتبہ پھر قرطاجنہ کے سامنے آ گئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے معرکے پھر اکثر پیش آنے لگے۔ قسمت نے نہ اس فریق کا ساتھ دیا نہ اُس فریق کا۔ لیکن اب وہ اس قدر درماندہ و خستہ تھے کہ ان چھوٹے چھوٹے معرکوں کے بجائے وہ چاہتے تھے کہ ایک دفعہ جم کر لڑائی ہو جائے۔ اور یہ لڑائی آخری ہو۔

ماتو نے چاہا کہ بذاتِ خود جا کر اس قسم کی درخواست ہملکار سے کرے۔ لیکن لبیہ کا ایک آدمی اس کام پر آمادہ ہوا۔ جب وہ چلا تو سب کو یقین تھا کہ اب وہ کیا واپس آئے گا۔

لیکن یہ آدمی اُسی دن شام کو واپس آیا۔

ہملکار نے متاجروں کی درخواست منظور کی اور کہا کہ کل سورج نکلتے ہی

احادرث کے میدان میں لڑائی ہوگی۔

مستاجر اس آدمی سے پوچھنے لگے کہ کچھ اور بھی اُس نے کہا تھا؟"

لبیہ کے آدمی نے کہا کہ "میں اِس جواب پر اس کے سامنے سے نہ ٹلا تو حملکار مجھ سے پوچھنے لگا: اور کس بات بات کا انتظار ہے" میں نے جواب دیا: "اپنے قتل ہونیکا" حملکار بولا: "نہیں۔ اِس وقت چلے جاؤ۔ تمہارا قتل ہونا یا تمہارے ساتھیوں کا مارا جانا کل پر موقوف ہے"

حملکار کی اِس فیاضی پر سب وحشیوں کو حیرت ہوئی۔ بعض ڈر گئے۔ ماتو کو افسوس تھا کہ حملکار نے اِس قاصد کو قتل نکر دیا۔

ماتو کے پاس اس وقت بھی تین ہزار افریقی، بارہ سو یونانی، پندرہ سو کمپانی، دو سو آئی بیری، چار سو ایٹرسکی، پانچسو سمنی، چالیس گالیہ کے لوگ موجود تھے۔ اور قوم نفور کے آدمی بھی تھے۔ نفور دراصل قزاق تھے جو کھجوروں کے ملک میں آوارہ گرد رہتے تھے۔ غرض وحشیوں کی تعداد اس وقت مجموعی طور پر سات ہزار دو سو انیس تھی۔ لیکن فوجوں کی تقسیم دستوں میں مکمل نہ تھی۔ انہوں نے اپنی زرہوں میں جہاں جہاں سوراخ ہوگئے تھے اُن کو گائے بیل کی ہڈیاں لگا کر بند کیا۔ برنجی پٹیوں کی جگہ چمڑے کے ٹکڑے جوڑ جوڑ کر پنڈلیوں پر لپیٹے۔ انکی زرہیں تانبے اور لوہے کی تختیوں سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ زرہ کے ٹکڑے کمر پر لٹکتے تھے۔ اُن کے بازوؤں کے رونگٹوں اور ڈاڑھیوں کے بالوں میں سے زخموں کے سُرخ سُرخ داغ نظر آتے تھے۔

جو ساتھی مر چکے تھے اُن کا غصہ اور غضب یاد آیا۔ ہمتیں بڑھیں اور انکی طبیعت میں بھی وہی جوش و خروش پیدا ہوگیا جو اُن سے پہلے مرنے والوں کی طبیعت میں تھا۔ ان کو غیر واضح طریقے پر خیال پیدا ہوا کہ وہ ایک ایسے خُدا کے خدمتگذار ہیں جو مظلوموں

کے قلب میں شکن ہو اور گویا وہ ایک عالمگیر انتقام کے لئے اِس خدا کے کارکن اور سر براہ کار ہیں۔ پھر اِن کو اُن بے انصافیوں کا خیال آیا جو اُن کے ساتھ ہوئی تھیں اور اس پر وہ نہایت رنجیدہ ہوئے، اور سب سے زیادہ اُن کو غصہ اس پر تھا کہ سامنے وہ قرطاجنہ کو دیکھتے تھے۔ اب اُنہوں نے قسم کھائی کہ اس وقت تک ایک دوسرے کیلئے لڑتا رہیگا جب تک کہ موت اُنکو ختم نہ کر دے۔

جس قدر بارکش جانور ساتھ تھے اُن کو مار کر اُن کا گوشت جسقدر کھانا ممکن تھا کھایا تاکہ جو طاقت جا چکی ہے وہ پھر آ جائے۔ کھا پی کر وہ سب سو گئے۔ بعض رات بھر دُعائیں مانگتے رہے اور دُعا مانگنے کی حالت میں آسمان پر ستاروں کے مختلف بُرجوں کی طرف نگاہ جمائے رہے۔

لڑائی کے میدان میں جس نے سب سے پہلے قدم رکھا وہ قرطاجنی تھے۔ اپنی ڈھالوں کے کناروں پر کوئی چکنی چیز ملی تاکہ تیر اُس پر لگ کر آسانی سے اُچٹ جائیں۔ پیدل فوج کے سپاہیوں نے جن کے سر پر بڑے بڑے بال تھے۔ اُنہوں نے پیشانی پر سے بال احتیاطاً کٹوا دیے۔ ہملکار نے اِس خیال سے کہ پیٹ بھرے پر اچھی طرح نہیں لڑا جاتا حکم دیا کہ پانچواں پہر ابجتے ہی شراب پینے کے جام اور کھانے کی رکابیاں اُلٹ دی جائیں۔ قرطاجنی لشکر میں اس وقت چودھا ہزار آدمی تھے گویا مستاجروں سے اُن کی تعداد دوچند تھی لیکن ہملکار کو کبھی لڑائی سے پہلے اتنا فکر نہ ہوا تھا جیسا کہ اس وقت تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر شکست ہو گئی تو پھر قرطاجنہ کی جمہوری سلطنت کا نام و نشان نہ رہے گا۔ اور خود وہ صلیب پر کھینچ دیا جائے گا۔ اور اگر لڑائی جیت لی تو پھر ہسپانیہ میں جبل البرانس سے گذر کر گالیہ کے صوبوں میں سے ہوتا ہوا جبال الپیہ کے سلسلے سے نکل کر ایطالیہ میں وارد ہو گا۔ پھر خاندان برقہ کی سیادت اور عظمت سب پر قائم و دائم ہو جائیگی۔ رات میں بیس مرتبہ وہ اُٹھا

اور گنتی لگایا۔ ایک ایک چیز کو دیکھا کہ وہ درست ہے یا نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی خود ہی ملاحظہ کیا۔ رہیں قرطاجنی فوجیں تو وہ مدتوں سے خوف و بیم کی حالت میں رہتے رہتے سخت پریشان ہو گئی تھیں۔

نرہیو اس کو اپنی مرکب سوار فوج کی طرف سے پورا اطمینان نہ تھا کہ وقت پر وہ وفادار رہے گی۔ علاوہ اس کے خوف تھا کہ ممکن ہے کہ وحشی اس کو شکست دیدیں۔ نرہیو اس نے اپنے دل کو اس وقت کمزور پایا۔ اور برابر پانی کے کٹورے بھر بھر کر پیتا رہا۔

اتنے میں ایک آدمی جس سے نرہیو اس واقف نہ تھا خیمہ کا دروازہ کھول کر اندر آیا اور ایک تاج اُس نے فرش پر رکھدیا۔ یہ تاج معدنی نمک کا بنا تھا۔ اور اسیر گندھگ سے نقش و نگار بنے تھے! ور ہیروں کی وضع کے سیپ جڑے تھے۔ قرطاجنہ کی لڑکیاں اپنے آئندہ شوہروں کو جن کی وہ دُلہن بننے والی ہوتی ہیں اس قسم کے تاج بھیجا کرتی تھیں۔ یہ گویا شادی کا تاج عشق و محبت کا ثبوت اور الفت کی دلیل ہوتا تھا۔

لیکن ہملکار کی بیٹی کو نرہیو اس سے مطلق محبت نہ تھی۔

ماتو کا خیال سلامبو کے دل پر ایک ناگوار بوجھ تھا۔ اور یہ سمجھتی تھی کہ دل کو چین اُسی وقت آئے گا جبکہ ماتو کے مرنے کی خبر سُنے گی۔ سلامبو کی مثال سانپ کے کاٹے کی سی تھی کہ جب تک اُسی سانپ کو کُچل کر زخم میں نہ بھرا جائے زخم مُندمل نہیں ہوتا۔ نمو دیا کے بادشاہ کا دارومدار صرف سلامبو کی رحمدلی پر تھا۔ یہ بادشاہ بڑے صبر سے شادی کا انتظار کرتا تھا۔ اور شادی جب ہی ہو سکتی تھی کہ لڑائی ختم ہو کر فتح ہو جائے۔ سلامبو نے یہ تحفہ اُسکی ہمت افزائی کیلئے بھیجا تھا۔ تحفے کو دیکھتے ہی نرہیو اس کا فکر دُور ہوا۔ اور بجز اس کے کوئی خیال دل میں نہ رہا کہ ایک خوبصورت دُلہن حاصل

کرنے کیلئے پوری سعی اور کوشش کرے۔

یہی خیال ماتو کے دل میں بھی آیا تھا مگر اس نے اس خیال کو دل سے دور کر کے جو عشق اس وقت اس کو تھا وہ اپنے ساتھیوں کیلئے مخصوص کر دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کا ایسا ہی ہمدرد اور ان سے وابستہ ہوا کہ گویا وہ اسی کے جسم کے اعضا اور اسکی عداوت کے اجزا ہیں۔ اس خیال سے اسکی روح بلند ہوئی اور اس کے بازوؤں میں قوت آئی۔ جو کچھ اس وقت کرنا تھا وہ سامنے نظر آنے لگا۔ اگر کبھی اسکے منہ سے آہ نکلتے سنی جاتی تو وہ اسپنڈیوس کے خیال سے زبان پر آتی تھی۔

ماتو نے اپنے وحشی سپاہیوں کو چھ برابر کے دستوں میں تقسیم کیا۔ ایٹرسکی قوم کے سپاہیوں نے اپنے کو ایک زنجیر میں باندھا اور وہ قلب میں کھڑے کئے گئے۔ تیرانداز عقب میں آراستہ تھے۔ دونوں بازوؤں پر نفوری قزاق چھوٹے چھوٹے اونٹوں پر سوار تعینات کئے گئے۔

ہملکار نے بھی اپنی فوج کو اسی طریقے پر صف بستہ کیا۔ کلی نی باری سواروں کو پیدل فوج سے باہر کھڑا کیا۔ اور ہلکے ہتھیار رکھنے والی فوج کے قریب ان کو رکھا۔ اسکے بعد نومیدیا کی فوجیں تھیں۔ غرض جب صبح ہوئی تو فریقین نے اپنے کو آمنے سامنے پایا۔ ایک دوسرے کو دور سے بڑی وحشیانہ نظر سے دیکھتا تھا۔ شروع میں کسی قدر تذبذب رہا آخر کار دونوں لشکر حرکت میں آئے۔

وحشی اس خیال سے کہ دم نہ چڑھے آہستہ قدم بڑھے۔ قرطاجنیوں کا قلب ایک قوس کی شکل رکھتا تھا۔ اس کا پیٹا باہر کو نکلا تھا۔ اب ایک آواز ایسی سخت سنائی دی جیسے جہازوں کے دو بیڑے آپس میں ٹکرائیں۔ وحشیوں کی سامنے کی صف ہٹی۔ اسکے ہٹتے ہی تیر اور فلاخن چلانے والوں کی صفیں ظاہر ہوئیں۔ انہوں نے تیر فلاخن اور جاولن چلانے شروع کئے۔ قرطاجنی فوج کا قوس کم ہوتے ہوتے بالکل سیدھا خط

ہوگیا اور اب اِس خط کے سرے اندر کو مُڑنے لگے۔ ہلکے ہتیاروں والے سپاہیوں کے دونوں دستے متوازی خطوط میں آکر آراستہ ہوگئے۔ متاجر وحشی جو قرطاجنی نیزہ بردارو کے دستے پر حملہ کرتے تھے۔ وہ اپنے حملے کے جوش وخروش میں قرطاجنی فوج میں جو اپنی صفوں کو اندر کو موڑ رہی تھی جا گھسی۔ اور تقریباً سب وہیں ختم ہوجاتے مگر ماتو نے خدشے کی حالت دیکھکر اُن کو واپس بُلایا اور چونکہ قرطاجنی فوج کے دونوں بازو برابر بڑھتے چلے آتے تھے ماتو نے اپنی فوج کے قلب کی تینوں صفوں کو حکم دیا کہ وہ باہر نکل آئیں۔ یہ تینوں صفیں باہر نکلنے کو آگے بڑھیں اور ماتو کی فوج کے بازوؤں پر آگئیں اور اب اُسکے لشکر کی ترتیب تین صفوں میں ہوگئی۔

لیکن وحشی جو اپنی فوج کے سِروں پر تھے وہ سب سے کمزور تھے۔ خاص کر وہ جو بائیں بازو پر تھے۔ اُنہوں نے پہلے ہی ترکش خالی کردئے۔ قرطاجنی ہلکے ہتیاروں والی سپاہ جواب مقابلہ پر آکر اُن سے گتھی تو متاجروں میں اُنہوں نے قتل کا بازار گرم کیا۔

ماتو نے جب ہلاکت اُن میں زیادہ دیکھی تو اُن کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ ماتو کے بائیں طرف چند کمپانی تھے۔ ان سب کے پاس تیشہ وتبر تھے۔ ماتو نے اُن کو حکم دیا قرطاجنی فوج کے بائیں طرف حملہ کریں۔ قلب کی فوجیں برابر دُشمن پر حملہ کرتی رہیں۔ سپاہ جو دوسرے سرے پر تھی چونکہ وہ خطرے سے نکل چکی تھی اُس نے ہلکے ہتیار والی سپاہ کو اپنے سے دُور رکھا۔

ہملکار نے اب اپنی مرکب سوار فوج کو دستوں میں تقسیم کیا اور بھاری ہتیار رکھنے والی سپاہ کو ان سواروں کے بیچ میں رکھ کر متاجروں پر حملے کا حکم دیا۔

یہ قرطاجنی فوجیں جو سواروں اور پیدلوں پر مشتمل تھیں مخروط کی شکل میں آگے بڑھیں۔ اُنکا آگا تو سواروں کا تھا اور چوڑے پہلوؤں میں پیدلوں کے نیزے اور برچھے چمک

رہے تھے۔ اب مستاجروں کے لئے اُن کا مقابلہ کرنا غیر ممکن ہوا۔ یونانیوں کی پیدل سپاہ بُرنز کی زرہیں پہنے تھی ۔ مستاجروں کے پاس بانسوں میں کٹاریں لگی تھیں۔ یا تلواریں تھیں جو جنگی رتھوں کے پہیوں کے ہالوں سے بنائی گئی تھیں۔ اُنکی دھاریں نرم تھیں اور دو چار ضربوں کے بعد وہ ٹیڑھی ہو جاتی تھیں۔ جب مستاجر اُن کو پاؤں کے زور سے سیدھا کرنے کو جُھکتے تھے تو قرطاجنی آسانی سے دائیں بائیں اُن کے سر قلم کر دیتے۔

لیکن مستاجروں میں ایٹرسکی دستہ فوج جس نے اپنے کو زنجیریں باندھ رکھا تھا، اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اُن میں جو مرا بھی تو زمین پر نہ گرا۔ اور اس طرح دُشمن کے لئے یہ لاشیں بھی رُکاوٹ پیدا کرنے لگیں۔ اور یہ زنجیر میں بندھی صف کبھی پھیلتی تھی کبھی سمٹ جاتی تھی۔ مُڑنے اور زخم کھانے میں اگر سانپ تھی تو مضبوطی میں دیوار تھی۔ مستاجر بھاگ بھاگ کر اس زنجیر میں بندھی صف کے پیچھے آکر اپنی صفیں دُرست کرتے۔ تھوڑی دیر تک ہانپتے اور پھر ہتیاروں کے جو ٹکڑے ہاتھوں میں رہ گئے تھے، انکو لئے حملہ کرنے پھر جاتے۔

بہت سے مستاجر ایسے تھے جن کے پاس کوئی ہتیار نہ رہا تھا۔ وہ کُود کُود کر قرطاجنیوں پر آتے اور کتوں کی طرح اُن کے چہروں پر کاٹ کھاتے۔ گالیہ والے ایسے زعم میں آئے کہ اُنہوں نے اپنے خفتان اُتار پھینکے اور اب اُن کے گورے گورے جسم دُور سے نظر آنے لگے۔ اُنہوں نے اپنے زخموں کو چیر چیر کر بڑھایا تاکہ اُن کو دیکھکر دُشمن کے دل پر خوف طاری ہو۔ قرطاجنی دستوں میں منادی کی آواز جو فوجوں کو حکم دیتا تھا سُنائی نہ دیتی تھی۔ جھنڈوں کو ہلا ہلا کر حکم احکام دئے جاتے تھے۔ زمین کی گرد اور خاک سے یہ جھنڈے اُونچے تھے۔ آدمیوں کا ریلا اس غضب کا تھا کہ انسان اس میں آکر کہیں کا کہیں پہونچتا تھا۔

ہملکار نے نومیدی فوجوں کو بڑھنے کا حکم دیا۔ مستاجروں میں سے نفور دوڑ کر

مقابلے پر آئے۔

نفور سب ڈھیلی ڈھالی سیاہ پوشاک پہنے تھے۔ سب کی چندیا پر ایک ایک مٹھی بال تھے۔ ڈھالیں ان کی گینڈے کی کھال کی تھیں۔ اور اُونٹ جن پر وہ سوار تھے برابر بلبلاتے تھے۔ اُن کا بڑا ہتھیار بغیر دستے کی ایک تلوار تھی جو تسمے سے اُن کے ہاتھ پر بندھی ہوتی تھی۔ یہ تلوار جس طرف وہ پھینکتے تھے شانے پر صحیح پڑتی تھی۔ چونکہ تسمے میں وہ بندھی ہوتی اس لئے کسی کا ہاتھ کسی کی ٹانگ کاٹ کر پھر وہ وار کرنے والے کے پاس آجاتی۔ یہ نفور جوش میں بھرے قرطاجنی دستوں میں آن گھُسے۔ جو اُونٹ زخمی ہو گئے تھے وہ زخمی شتر مرغ کی طرح اچھل اچھل کر چلتے تھے۔

اب قرطاجنی فوجیں وحشیوں پر آن ٹوٹیں۔ اُن کی صفوں کو توڑ دیا۔ مستاجروں کی صفیں جب ٹوٹیں تو اُن کے ٹکڑے بھنور کی طرح چکر کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ہو گئے۔ قرطاجنیوں کے چمکتے ہتھیار اُن کے گرد سونے کا تاج معلوم ہوتے تھے۔ قلب کی فوجیں اس طرح جنبش میں تھیں جیسے مکھیوں کے جھنڈ اپنے چھتوں کے پاس ہوں۔ آفتاب کی شعاعیں اُن کی تلواروں کی نوک پر چمک کر سپید سپید چمکتے نقطے دکھاتی تھیں۔ بہرکیف قرطاجنیوں میں سے کلی نی باری سوار بہت سے میدان میں مرے پڑے تھے۔ مستاجروں نے اُن کی زرہیں اتار کر خود پہن لیں۔ اور پھر لڑائی کے گھمسان میں پہونچ گئے۔ قرطاجنی دھوکا کھا کر کئی مرتبہ اُن کے غول میں آن پھنسے۔ یا تو بیوقوف بن کر اُن میں چپ کھڑے ہو گئے۔ یا پیچھے ہٹے یا پھر طوفان کی طرح اُمنڈے۔ فتح کے نعرے دُور سے کانوں میں آئے۔ اور وہ اس طرح آگے بڑھے جیسے طوفان کے آگے آگے ٹوٹے ہوئے جہاز کے ٹکڑے بہتے نظر آتے ہوں۔ ہملکار اس وقت مایوس ہو چلا تھا اور اس حالتِ مایوسی میں اور بھی غضبناک اور خشمگیں تھا۔ ماتو کی حربی لیاقت و کمال اور مستاجروں کی ہمت وجوانمردی کو دیکھ کر وہ سمجھتا تھا کہ قرطاجنیوں

کو اب شکست ہو جائیگی۔

اب فضا میں یکلخت طنبوروں کا ایک مہیب شور پیدا ہوا۔ یہ بڈھوں، بیماروں اور پندرہ برس کی عمر کے بچوں کا ایک انبوہ تھا جس میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اُنکو اب انتظار اور اپنی مصیبتوں کی برداشت نہ رہی تھی۔ چنانچہ یہ سب قرطاجنہ سے چل پڑے تھے۔ اور اس خیال سے کہ متاجروں کا کوئی زبردست دشمن بھی اپنے ساتھ رکھیں اُنہوں نے ہملکار کے باغ سے اس ہاتھی کو ساتھ لیا جس کے سوا اب ریاست کے پاس دوسرا ہاتھی نہ تھا۔ یعنی وہی جس کی سونڈ متاجروں نے شروع زمانے میں کاٹ دی تھی۔

قرطاجنیوں کو اس وقت محسوس ہو رہا تھا کہ مادرِ مہربان وطن کی روح قرطاجنہ کی فصیلوں سے نکل کر اُن سے کہہ رہی ہے کہ میرے لئے اپنی جانیں نثار کر دو۔ اور اب انکا جوش و خروش پہلے سے دو چند ہو گیا۔ چنانچہ جب نومیدی سواروں نے دشمن پر ایلغار کیا تو سب اُس میں شریک ہو گئے۔

وحشی اس وقت میدان میں ایک نیچی پہاڑی کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔ اب اُنکو اپنی فتح کی اُمید یا زندہ بچنے کی آس باقی نہ رہی تھی۔ اور نہ اب اُن میں اتنا دَم تھا کہ وہ از سرِ نو جنگ شروع کریں۔ لیکن یہ وحشی وہ تھے جو سب میں زیادہ بہادر اور ہمت والے تھے۔

قرطاجنہ سے جو لوگ آئے تھے اُنہوں نے نومیدی سواروں کے سروں اُونچے لوہے کے چوٹے۔ کفچے اور کفگیر، موگریاں، دسپنے متاجروں میں پھینکے۔ اب وحشیوں کی حالت یہ ہوئی کہ وہ جن سے بڑے بڑے سفیر اور سردار کانپتے تھے ان کو عورتوں نے لکڑیوں اور ڈنڈوں سے مار مار کر پٹڑا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرطاجنہ کے یہی لوگ تھے جنہوں نے متاجروں اور وحشیوں کو دُنیا سے

نیست و نابود کیا تھا۔

مستاجروں نے ایک پہاڑی کی چوٹی پہ پناہ لی اپنا حلقہ باندھا۔ لیکن جب اس حلقہ میں سے دو چار گرتے تھے تو حلقہ تنگ ہو جاتا تھا۔ دو مرتبہ پہاڑی کے اتر کر قرطاجینو پر انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ مگر ہر مرتبہ ناکام ہوئے۔ قرطاجینوں نے ان پر اپنے ہتیار اناپ شناپ چلائے۔ کبھی کبھی سے لپٹ گئے۔ گھوڑوں کی ٹانگوں میں سے برچھے اور نیزے اُن کے مارے۔ غرض ہتیاروں کے چلانے میں کوئی ترتیب یا انتظام نہ تھا۔ خون سے مستاجروں کے مُردے پھسل پھسل کر پہاڑی کے نیچے آتے تھے کہ سونڈکٹا ہاتھی جو پہاڑ پر چڑھ رہا تھا اُسکے پیٹ تک مُردوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اور وہ خوش ہو کر ان مردوں کے ڈھیروں میں سے اوپر جاتا نظر آیا۔ اس کی سونڈ جو کٹ جانے کی وجہ سے بیرے پر چوڑی تھی اُس کو بار بار اُٹھا کر ایک زبردست جونک کی طرح بل دیتا اور پھر آتا تھا۔

فریقین نے کچھ دیر دم لیا۔ قرطاجنی دانت پیستے ہیں کہ پہاڑی کی چوٹی پر نظر دوڑاتے تھے۔

آخر کار قرطاجینوں نے دوڑ کر مستاجروں پر حملہ کیا۔ گویا اب لڑائی ایک مرتبہ اور شروع ہو گئی۔ مستاجر کبھی قرطاجینوں کو اپنے قریب تک آنے دیتے اور اُن سے کہتے کہ آؤ ہم ہتیار ڈالے دیتے ہیں۔ جب وہ قریب آتے تو یہ بُلانے والے آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور اُن کی لاشوں پر دوسرے چڑھکر قرطاجینوں کو دفع کرنے کی کوشش کرتے۔ غرض مُردوں کے تُودے مینار بن گئے جو نیچے سے چوڑے اُوپر سے پتلے تھے اور رفتہ رفتہ وہ اُونچے ہوتے گئے۔

تھوڑی دیر میں مستاجروں میں صرف پچاس آدمی زندہ بچے۔ پھر یہ تعداد بھی گھٹتے گھٹتے بیس تک پہونچی۔ آخر میں صرف دو آدمی رہ گئے۔ ایک ان میں سمنی قوم کا آدمی

تھا جسکے پاس تیشہ تھا اور دوسرا ماتو جسکے ہاتھ میں تلوار تھی۔

ممنی ٹانگیں چھدری کئے جُھکا اپنا تیشہ کبھی بائیں کبھی دائیں تیزی سے چلاتا تھا اور ماتو کو خبردار کرتا کہ وار کدھر سے ہونیوالا ہے۔ کبھی کہتا "آقا اِدھر دیکھو" کبھی کہتا "اُدھر دیکھو" کبھی چیختا "جُھک جاؤ"۔

ماتو کے کندھوں پر جو چمڑے لگے تھے وہ گر چکے تھے۔ سر کا خود تو کبھی کا ندارد تھا۔ اسی طرح سینہ پر سے چار آئینے بھی کُھل کر کہیں گر چکا تھا۔ اور اب وہ بالکل برہنہ تھا۔ جسم نیلا ہو گیا تھا جیسے مُردے کا ہوتا ہے۔ سر کے بال کھڑے تھے اور باچھوں میں سپید کف بھرے تھے۔ ماتو اِس تیزی سے تلوار پھراتا آگے بڑھتا تھا کہ اس کے گرد روشنی کا حلقہ سا نظر آتا تھا۔ اسی حال میں تلوار ایک پتھر سے ٹکرائی اور دستے کے پاس سے ٹوٹ کر دور جا پڑی۔ ممنی اس اثنا میں قتل ہو گیا تھا۔ اب ماتو کے قریب قرطاجنیوں کا ایک غول آیا اور اتنا قریب آیا کہ اُس نے ماتو کو چھو لیا۔ ماتو نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور آنکھیں بند کر لیں۔ ہاتھ اس طرح پھیلائے جیسے کوئی بلندی سے سمندر میں کودنا چاہتا ہو اِس طرح ماتو برچھوں اور بھالوں کے سمندر میں کودا۔ ماتو جس طرف بڑھتا لوگ اسی طرف دوڑ کر پہونچتے ماتو جب حملہ کرتا قرطاجنی پیچھے ہٹ جاتے اور اپنے برچھے اور بلم اُدھر سے ہٹا لیتے۔

چلتے چلتے ماتو کو ایک تلوار سے ٹھوکر لگی۔ ماتو جُھکا کہ تلوار کو اٹھالے جُھکتے ہی معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں اور کلائیاں کسی نے باندھ دی ہیں۔ اب وہ زمین پر گرا۔

نرہیواس کچھ دیر سے ماتو کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ اُس نے ایک بڑا جال جو درندوں کے پکڑنے کیلئے تھا ماتو کی راہ میں بچھوا رکھا تھا۔ جب ماتو ٹھوکر کھا کر جُھکا تو موقع اچھا ملا۔ اور فوراً جال ڈالکر ماتو کو اُس میں پھانس لیا۔

ماتو کے دونوں ہاتھ اور پاؤں باندھ کر چلیپا کی شکل میں ہاتھی پر سوار کیا۔ اور جو قرطاجنی زخمی نہ ہوئے تھے وہ بطور جلوس کے اس ہاتھی کے ساتھ چلے۔ اور آدمیوں کا انبوہ کثیر ہاتھی کے ساتھ ہو کر قرطاجنہ کی طرف چلا۔

تعجب ہے کہ رات کے تین گھنٹے گذرنے پر قرطاجنہ میں فتح کی خبر کیسے پہونچ گئی۔ ہیکل خامون کی پانی کی گھڑی نے پانچ بجائے تھے کہ یہ جلوس ملقہ میں پہونچا۔ ماتو نے آنکھیں کھولیں۔ گھروں میں اتنے چراغ روشن تھے کہ شہر میں آگ لگی معلوم ہوتی تھی۔

ماتو کے کانوں میں کچھ شور سا پہونچتا تھا اور وہ ہاتھی کی پیٹھ پر چت پڑا ستارے دیکھ رہا تھا۔

پھر ایک دروازہ بند ہوا اور ماتو کے گرد اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

دوسرے دن اسی وقت جس قدر آدمی تیشے والی وادی میں زندہ بچے تھے مارے گئے۔

جس دن کہ وادی سے مستاجر نکلے تھے زرواکی قوم کے کچھ لوگ جو اپنے گھروں کو واپس ہو رہے تھے انہوں نے چٹانوں کو نیچے لڑھکا کر گھاٹی کے مستاجروں کو کھانا پینا پہونچایا۔

وحشی اب تک اس انتظار میں تھے کہ ماتو آتا ہوگا۔ کچھ تو پست ہمتی سے اور کچھ کاہلی کے باعث جو بیمار آدمی کو اپنی جگہ بدلنے پر ہوتی ہے یہ لوگ گھاٹی سے نہ ٹلے۔ آخر کار کھانے پینے کا سامان ختم ہوا۔ اور زرواکی بھی وہاں سے چلے گئے۔ بیان ہوا ہے کہ ان مستاجروں کی تعداد صرف تیرہ سو رہ گئی تھی۔ یہ تعداد اتنی کم تھی کہ قرطاجنیوں نے ان کو غارت کرنے کیلئے کسی سپاہ کے بھیجنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

تین برس کے زمانے میں کہ لڑائی جاری رہی تھی۔ ملک میں درندوں کی بالخصوص

شیروں کی کثرت ہو گئی۔ نرہیواس نے ایک بڑے شکار کا بندوبست کیا۔ بکرے جگہ جگہ بندھوائے کہ شیر انکے کھانے کو آئیں۔ جب شیر آئے تو اُن کو تیشے والی گھاٹی کی طرف ہانک دیا۔ اب یہ کل شیر اسی وادی میں چلے آئے تھے۔ ارکانِ مجلس میں سے ایک رکن نے ایک آدمی کو اس وادی میں بھیجا کہ وہ مستاجروں کا حال معلوم کرے کہ کتنے مرے ہیں اور کتنے زندہ ہیں۔ اس آدمی نے آکر دیکھا تو یہ دیکھا کہ تمام راستوں میں لاشیں پڑی ہیں اور وہاں شیر براج رہے ہیں۔ مُردوں میں اُن کے ہتیاروں یا کپڑوں سے مطلق تمیز نہیں ہوتی۔ اور تقریباً تمام مُردوں کا یہ حال ہے کہ کسی کا ہاتھ ہے تو ٹانگ نہیں اور ٹانگ ہے تو ہاتھ نہیں۔ بعض مُردے ایسے بھی تھے کہ جن پر کوئی زخم نہ تھا۔ بعض بالکل خشک ہو گئے تھے اور سروں کے خود میں فقط خاک آلودہ کھوپریاں تھیں۔ موزوں میں صرف پاؤں کی ہڈیاں بھری تھیں۔ چٹانوں میں جہاں تہاں مُردوں کے ڈھانچ پڑے تھے ہڈیاں دھوپ اور ہوا سے صاف ہو کر ریت پر سپید سپید چمکتے داغ معلوم ہوتے تھے۔

شیروں میں بعض پیٹ پر پنجے آگے رکھے بیٹھے تھے۔ دھوپ میں آنکھیں کچھ بند کچھ کھلی تھیں۔ سپید سپید چٹانوں کا سایہ ہر طرف پڑ رہا تھا۔ اس وجہ سے شیروں کی صورتیں اور بھی شاندار نظر آتی تھی۔ بعض شیر پٹھوں کے بل دُم پر بیٹھے سامنے گھورے جاتے تھے۔ کچھ اپنی بڑی جھاڑ جھنکاڑ ایالوں میں سروں کو چھپائے پڑے سوتے تھے۔ پیٹ بھرنے کے بعد اُن میں بھی سستی و کاہلی نظر آرہی تھی۔ پہاڑوں اور مُردوں کی طرح یہ بھی بےحس و حرکت تھے۔

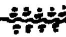
مُردوں کے ایک ڈھیر میں سے جو جا بجا لگے تھے کوئی چیز اُٹھتی نظر آئی۔ یہ سایہ یا پرچھائیں نہ تھی اُسکو دیکھتے ہی ایک شیر اُٹھکر چلا۔ یہ شیر سُرخ آسمان کے مقابل ایک ہیبتناک کالی پرچھائیں معلوم ہوتا تھا۔ جب اس آدمی کے قریب وہ آیا تو اس پر جھپٹا

اور ایک ہی طمانچے میں اس کا کام تمام کیا۔

اب اس آدمی کو نیچے ڈال کر پہلے اُس کا پیٹ پھاڑا پھر پنجوں سے اُس کی انتیر نکالیں۔ پھر دونوں جبڑے پورے کھول کر بڑے زور سے دھاڑا اور دیر تک دھاڑتا رہا۔ اب اُس کی آواز بھی دیر تک پہاڑوں میں گونج کر فضا کی خاموشی میں محو ہو گئی۔

دفعتاً پہاڑ کی چوٹی سے کنکروں کے گرنے کی آواز آئی اور بہت سے پنجوں کی آہٹ سُنائی دی۔ لمبی لمبی تھُتنیاں اور بہت سے کھڑے کان اس شہتیروں والے پردے کے قریب نظر آئے جو درے کے دہن پر اُوپر سے نیچے گرایا گیا تھا۔ بہت سے دیدے بھی چمکتے دکھائی دئے۔ یہ گیدڑوں کے غول تھے جو مُردوں کا بچا کھُچا گوشت کھانے آئے تھے۔

قرطاجنی جو پہاڑ پر جھکا ہوا اس منظر کو دیکھتا تھا مُڑا اور گھر کا رُخ کر کے چل پڑا۔



باب (۱۵)

ماتو

قرطاجنہ میں شادیانے بجنے لگے۔ گھر گھر خوشی و خرمی تھی۔ خوشی بھی وہ جس کی انتہا نہ تھی بلکہ جنون تک پہونچی ہوئی تھی۔ شہر کی فصیلیں جہاں جہاں ٹوٹ گئی تھیں اُن کی مرمت ہوئی۔ خداوں کے بتوں پر تازہ رنگ پھیرا گیا۔ بازاروں اور کوچوں میں مرتل کی شاخیں اور پتے لٹکائے گئے۔ چوراہوں پر عود اور اگر روشن ہوئے۔ تمام شہر خوشبو سے مہک اُٹھا۔ چھتوں اور بالاخانوں پر رنگ برنگ کے کپڑے ایسے نظر آتے تھے جیسے گلزار میں خوشرنگ پھول کھلے ہوں۔

ہر طرف شور و غل تھا۔ سب میں تیز آواز سقوں کی تھی جو سڑکوں پر چھڑکاؤ کرتے تھے۔ ہملکار کے غلام اپنے آقا کی طرف سے بھنے جو اور گوشت کے ٹکڑے تقسیم کرتے۔ راستوں میں اپنا یا غیر جو ملتا بغلگیر ہوتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہوتیں۔ صوری شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ خانہ بدوش قومیں پراگندہ اور کل وحشی اور مستاجر غارت ہو چکے تھے۔ قرطاجنہ کا قلعہ رنگ برنگ کے شامیانوں اور سائبانوں میں چھپا کھڑا تھا۔ بندرگاہ کے سامنے جہاز ایک سے ملا ایک کھڑا کیا گیا تھا اُن کے آگے کے حصے ہیروں کی لڑی کی طرح دھوپ میں چمک رہے تھے۔ ہر

چیز سے امن اور خوش انتظامی کا زمانہ اور ایک نئی زندگی کا دور شروع ہوتا معلوم ہوتا تھا سب سمجھ رہے تھے کہ ترقی دولت واقبال کا زمانہ اب آرہا ہے۔ یہ وہ دن تھا کہ سلامبو دختر ہملکار کی شادی بادشاہِ نومیدیا نرہیواس سے ٹھہری تھی۔

ہیکلِ خامون کی چھت پر لمبی لمبی میزیں بچھائی گئیں۔ ان پر سونے اور چاندی کے ظروف آراستہ تھے۔ اور ان کے کنارے قرطاجنہ کے کاہن اور مجلس کے اراکین بیٹھنے والے تھے۔ اور ان سے بھی اونچی ایک اور میز تھی جو ہملکار، نرہیواس اور نرہیواس کی دلہن کے لئے تھی۔ چونکہ سلامبو نے زاعمف کو بازیاب کیا تھا اور ملک کو دشمن سے بچایا تھا اس لئے اس تقریب کو اہلِ قرطاجنہ ایک قومی جشن سمجھتے تھے۔ اور ہیکل کے نیچے چوک میں اسکے آنے کے منتظر تھے۔

لیکن اس وقت کے انتظار اور بے صبری کو ایک اور چیز نے بھی بڑھا رکھا تھا کیونکہ اُن سے کہا گیا تھا کہ اسی دن ماتو بھی جان سے مارا جائیگا۔

پہلی تحریک یہ تھی کہ اس کی کھال کھینچی جائے۔ اُس کی آنتوں میں سیسہ گرم کرکے ڈالا جائے۔ کسی نے رائے دی کہ نہیں فاقہ کشی سے اس کی جان لی جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ درخت سے اُس کو باندھا جائے اور پھر ایک لنگور کے ہاتھ سے ایک بھاری پتھر اس کے سر پر گرایا جائے جس سے وہ مرجائے۔ چونکہ اُس نے ربۃ تانیت کی بے ادبی اور توہین کی ہے اس لئے ربۃ ہی کے لنگور اُس سے اس ناہنجاری کا انتقام لیں۔ بہت سے آدمیوں کی رائے یہ تھی کہ اس کو سانڈنی پر سوار کرکے سن کی بٹی ہوئی بتّیاں تیل میں بھگو کر اُس کے جسم کے مختلف حصّوں میں لگائی جائیں اور ان میں آگ لگا کر سانڈنی کو بازاروں اور سڑکوں پر دوڑایا جائے۔ پھر جب ایک آدمی کو شعلوں میں لپٹا ہوا اس طرح اپنے سامنے سے گزرتا دیکھیں گے جیسے جھاڑ کے صدہا چراغوں کی لو ہوا سے لہراتی نظر آتی ہے تو خلقت کو بڑا

لطف آئے گا۔

مگر سوال یہ تھا کہ باشندگانِ قرطاجنہ میں صرف ایک شخص کے ہاتھ میں ماتو کی سزا کو چھوڑنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اور سب اُس کی ایذا رسانی سے محروم رہے۔ عام خواہش یہ تھی کہ کوئی ترکیب اُس کو جان سے مارنے کی ایسی نکالی جائے کہ شہر کے کُل باشندے ہی اس میں شریک نہ ہوں بلکہ قرطاجنہ میں کوئی ہاتھ کوئی ہتھیار غرض کوئی چیز بھی جو شہر کی کہی جاسکے حتیٰ کہ وہاں کی خلیج کا پانی بھی اس کی موت سے بہرہ اندوز ہو۔ پس قدماء نے بھی اس مسئلہ پر غور کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ماتو جس زندان میں اس وقت قید ہے وہاں سے نکالا جائے۔ کوئی آدمی اس کے ہمراہ نہ ہو۔ پیٹھ پر دونوں ہاتھ اس کے مضبوط بندھے ہوں۔ اور اس خیال سے کہ وہ درد و اذیت کی حالت میں دیر تک زندہ رہے کسی کو حکم نہ تھا کہ اس کے سینے میں دل کی طرف کوئی چیز بھونکے۔ اور اس خیال سے کہ جب تک وہ رہے اپنے زخموں اور تکلیفوں کو دیکھتا رہے۔ سخت حکم نافذ ہوا کہ کوئی اس کی آنکھیں نہ پھوڑے اور نہ انکو نکالے! اور نہ یہ حکم تھا کہ اسکی طرف کوئی چیز پھینکی جائے یا اسکو بجز تین انگلیوں کے زیادہ انگلیوں سے چھوئے۔

گو خبر یہ تھی کہ دن چھپنے کے بعد ماتو قید خانے سے نکلے گا لیکن لوگوں میں غل مچتا کہ ہم نے خود اپنی آنکھ سے اُس کو نکلتے دیکھا ہے۔ خلقت اتنا سنتے ہی بازاروں اور کوچوں کو چھوڑ اُدھر دوڑ جاتے مگر مایوس ہو کر شکایتیں کرتی واپس آتی۔ بعض تماشائی ایسے تھے جو ایک دن پہلے شام سے جہاں آکر کھڑے ہوئے تھے وہیں ابتک جمے تھے۔ اور جو لوگ دور کھڑے تھے ان کو پکار پکار کر اپنے ناخن دکھاتے اور کہتے کہ مدت سے ہم نے ان کو نہیں تراشا ہے دیکھو وہ کیسے بڑھ گئے ہیں۔ ان کو ماتو کی بوٹیاں نوچنے کے لئے ہم نے بڑھایا اور تیز کیا ہے۔ بہت لوگ گھبرائے گھبرائے

اِدھر اُدھر پڑے پھرتے تھے۔ بہت سے ایسے ڈرے ہوئے معلوم ہوتے تھے گویا اُنہی کے قتل کا وقت قریب آرہا ہے۔

اب یکایک مَاپالیہ سے دوسری طرف بڑے بڑے پروں کے پنکھے سے خلقت کے سروں سے اُونچے نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ سلامبو کی سواری آرہی ہے۔ سبکو اطمینان سا ہو گیا۔

لیکن ابھی جلوس کے آنے میں دیر تھی کیونکہ اُس میں جتنے آدمی تھے وہ پیدل آہستہ قدم چل رہے تھے۔ جلوس آنا شروع ہوا۔

سب سے پہلے آبائے قرطاجنہ کے بتوں کے کاہن تھے۔ اُن کے بعد ربِ عشمون اور ملک قرۃ کے کاہنوں کے غول تھے اور دوسرے ہیکلوں کے کاہنوں کی جماعتیں تھیں۔ یہ سب جلوس میں ایک کے بعد ایک مع اپنے نشانات کے اسی ترتیب سے تھے جو بچوں کی قربانی کے وقت تھی۔ مولخ کے کاہن اور اُس کے ہیکل کے سردار سر جھکائے چلتے تھے۔ اور آدمی خجل اور نادم ہو کر ان کے سامنے سے ہٹ جاتے۔ لیکن رَبّتنا (تانیت) کے کاہن ہاتھوں میں دوتارے لئے بڑے ناز و غرور سے جلوس میں شریک تھے۔ اُن کے پیچھے کاہنات کی جماعتیں تھیں۔ یہ زرد اور سیاہ رنگ کے نہایت باریک لباس میں تھیں۔ یہ عورتیں مُنہ سے پرندوں کی طرح سیٹیاں بجاتی اور ناگنوں کی طرح لہراتی چلتی تھیں۔ بانسری کی لَے پر وہ ناچ ناچتی تھیں۔ جو "رقصِ انجم" کہلاتا تھا۔ اُن کا باریک لباس ایسا معطر تھا کہ تمام بازار خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔

ان میں سب سے ممتاز غول کدیشیم کا تھا۔ اُن کے پپوٹوں پر غازہ ملا تھا۔ انکا لباس بھی عورتوں کی طرح باریک تھا۔ باوجودیکہ ان میں سب کے سینے سپاٹ اور کُولے پتلے تھے مگر انہوں نے اپنی وضع قطع عورتوں کی سی بنا رکھی تھی۔ جس

معبود کی وہ بندگی کرتی تھیں اُس کی دوگونہ فطرت وجنس کو وہ ظاہر کرتی تھیں آج
نسائی اصول کو غلبہ تھا۔ اور ہر چیز میں اس کو آشکارا کیا گیا تھا۔ ہوا میں ایک مستی اور
نشہ سا چھایا تھا۔ درختوں کے جھرمٹوں میں جن کو مقدس مانتے تھے مشعلیں روشن
تھیں۔ یہاں رات کو شراب نوشی اور بے شرمی کے جلسے ہونے والے ہیں۔ جزیرۂ
صقلیہ سے تین جہاز شاہدانِ بازاری سے بھرے ہوتے آئے تھے۔ پھر ریگستان اور
صحرا کی جنگل والیاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔

جب یہ غول موقع پر پہونچے تو ہیکل کے صحنوں میں وہ اپنی اپنی مقررہ جگہ
کھڑے ہو گئے۔ کچھ باہر کے والانوں میں کچھ اُن زینوں پر جو باہر اور اندر کے رُخ
دیوار پر چڑھنے کے تھے وہاں تھے۔ دالانوں میں جو صفیں تھیں اُنکے لباس سپید تھے۔
غرض تمام عمارت میں یہ آدمی بُتوں کی طرح بحس وحرکت کھڑے تھے۔

اب افسرانِ خزانہ اور صوبوں کے حاکم اور شہر کے دولتمند آئے۔ خلقت میں
بڑا شور تھا۔ پاس کی سڑکوں اور گلیوں سے آدمیوں کے ہجوم آرہے تھے۔ ہیکلوں
کے خدام اپنے عصاؤں سے مار کر راستے میں سے اُنہیں ہٹاتے تھے۔ اور اب
ایک ڈولے میں جس پر سُرخ شامیانہ لگا تھا۔ سلامبو بیٹھی نظر آئی۔ ڈولے کے گرد
قدما پیدل تھے۔ اُنکے سروں پر سونے کے تاج تھے۔

سلامبو کو دیکھتے ہی اِس دل بادل خلقت نے ایک زور کا نعرہ بلند کیا۔
جھانج اور مجیرے بجے طنبورے گرجے۔ سُرخ شامیانے والا ڈولا ہیکل کی ڈیوڑھی
میں پہونچا۔

پھر وہ اُوپر کی منزل پر نظر آیا۔ سلامبو یہاں ڈولے سے اُتر پڑی اور چند
قدم پیدل چل کر تخت پر آ بیٹھی۔ یہ تخت کچھوؤں کی کھال کا بنایا گیا تھا۔ تخت
بلند تھا۔ جب اُس کے قریب آئی تو ہاتھی دانت کا ایک خوبصورت تین قدمچوں کا

زینہ اُس کے قدموں کے پاس لگا یا گیا۔ شروع کے قدمچے سے ملے دو حبشی بچے ادب سے جھکے کھڑے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے میں سلامبو کبھی کبھی اپنے دونوں ہاتھ جن میں جواہرات کے چھلے اور انگوٹھیاں بکثرت تھیں ان بچوں کے سر پر رکھدیتی تھی۔

ٹخنوں سے لیکر کولوں تک باریک تار کی جالی کا چست لباس تھا۔ جالی کے خانے فلس ماہی کی شکل کے تھے اور ان میں سیپ کی سی چمک تھی۔ کمر میں نیلے رنگ کی ایک چمکتی ہوئی پیٹی تھی۔ کرتی کے اوپر کے ٹکڑے ہلال کی وضع کے تھے۔ چھاتیاں دونوں کھلی تھیں۔ لعل و یاقوت کے دو جڑاؤ پھول چھاتیوں کی دونوں بھٹنیوں پر ٹکے تھے۔ سر کا لباس جواہرات سے مرصع پر طاؤس کا تھا۔ اوپر کی قبا برف کی مثل سپید دور تک پیچھے پھیلی تھی۔ پہلوؤں سے دونوں بازو اور کہنیاں ملائے اور دونوں گھٹنے جوڑے بازوؤں پر ہیروں کے جوشن پہنے سلامبو ایک مذہبی انداز سے تخت پر سیدھی بیٹھی۔

نیچے کی دو کرسیوں پر اُس کا باپ اور شوہر تھے۔ نرہیوا اس کے گلے میں ایک ہلکے رنگ کا جامہ اور سر پر معدنی نمک کا تاج تھا۔ سر پر دونوں طرف کی لٹیں گندھی ہوئی رب عمون کے سینگوں کی طرح اٹھی تھیں۔ ہملکار بنفشی رنگ کی ایک قبا پہنے تھا اور کمر میں وہ تلوار تھی جس سے لڑائیاں لڑا تھا۔

اوپر اور نیچے والی میزوں کے درمیان جو جگہ چھوٹی تھی۔ وہاں ایک گول نالی میں سرخ رنگ کا تیل بھرا تھا۔ اس میں ہیکل عشمون کا سانپ دم کو منہ میں لئے ایک بڑا سیاہ حلقہ بنائے پڑا تھا۔ نالی کے بیچ میں ایک ستون تانبے کا تھا اس کی چوٹی پر بلور کا ایک گولا بیضوی شکل کا آفتاب کی شعاعوں کو ہر طرف منعکس کرتا تھا۔

سلامبو کی پشت کی جانب کاہنوں کی صفوں پر صفیں چلی گئی تھیں۔ اُسکے

دائیں طرف قدماء کے سروں کے تاج ایک سنہری خط دکھاتے تھے۔ اور بائیں طرف دولتمندوں کے زمردی عصا ایک سبز خط میں نظر آ رہے تھے۔ دور پیچھے کی طرف کاہنانِ مولخ قرمزی رنگ کے لباس پہنے کھڑے تھے۔ یہ ایک سرخ دیوار معلوم ہوتے تھے۔ اور ہیکلوں کے کاہن نیچے سیڑھیوں پر صف بستہ تھے۔ سامنے سڑکوں پر خلقت کے ٹھٹ لگے تھے۔ سڑکوں سے اونچے ہوتے ہوتے گھروں کے بالاخانوں اور چھتوں تک اور بڑی بڑی صفوں میں قلعے کی چوٹی تک کھڑے نظر آتے تھے۔ غرض اس شکل میں کہ آدمیوں کے انبوہ قدموں کے نیچے تھے۔ سر پر آسمان تھا اور گرد ناپیدا کنار سمندر موجیں مارتا تھا۔ اور قرطاجنہ کی خلیج اور قرطاجنہ کے پہاڑ اور قرطاجنہ کے دور کے صوبہ جات پھیلے پڑے تھے۔ سلامبو اپنے حسن و جلال میں ربۃ تانیت کی ہم پلہ اور ہم سر ہو کر ہستی واحد بن گئی تھی۔ گویا سلامبو ہی اس وقت قرطاجنہ کی روح اور اس روح کا قالب ہو گئی تھی۔

ضیافت تمام رات جاری رہنے والی تھی۔ نیچے کی میزوں پر جو اونی میز پوش نقشین پڑے تھے اُن پر جا بجا لمبی لمبی ٹہنیوں کے چہل چراغ اس طرح کھڑے تھے جیسے باغ میں درخت کھڑے ہوں۔ بلور کے قرابے، نیلے شیشوں کے خم اور کچھووں کی پشت کے بنے ہوئے چمچے، طرح طرح کے کلچے اور شیرمال دو طرفہ رکابیوں کی قطاروں میں جن کے کناروں پر موتی لگے تھے، چنے تھے۔ ہاتھی دانت کی شاخوں پر انگور کے خوشے لٹکے تھے۔ آبنوس کی سینیوں میں یارانی برف کے بڑے بڑے ٹکڑے پگھل رہے تھے۔ نیبو، انار، کدو، زرد اور تربوزوں کے ڈھیر لگے تھے اور اُن کے اوپر چاندی کے بڑے بڑے ظروف کا سایہ تھا۔ بعض جانوروں کے کباب اُن کی اصلی صورت شکل میں جبڑے کھلے طرح طرح کے ذائقہ دار مصالحوں میں پڑے تھے۔ خرگوش کے کباب تھے مگر خرگوش زندوں کی طرح اپنا پوستین

پہنے کچوں میں اچھلتے پھدکتے نظر آتے۔ گھونگے پیالوں کی شکل میں رکھے تھے۔ اُن میں طرح طرح کے بھنے گوشت تھے۔ رموزِ مذہب کی شکل میں مٹھائیاں بنی رکھی تھیں۔ جب رکابیوں اور قابوں پر سے سرپوش ہٹائے گئے تو اُن میں سے قمریاں نکل کر اُڑیں۔

اس اثنا میں غلام اپنی قباؤں کے دامن باندھے پنجوں کے بل چپ چاپ اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ کبھی کبھی باجے کے ساتھ خدا کی تعریف میں گیت سنائی دیتے۔ یا کئی کئی آدمی مل کر گاتے۔ اتنے بڑے مجمع کا شور سمندر کی موجوں کا سا شور تھا جو دعوت میں ہر جگہ سنائی دیتا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی دوسرے غل کو خاموش کرنے کے لئے لوری دیتا ہے۔ کسی کسی کو مستاجروں کی ضیافت ہملکار کے باغ کی یاد آئی۔ آفتاب غروب ہونے کو تھا اور چاند آسمان کے دوسرے کنارے طلوع ہو چکا تھا۔

سلامبو نے تخت پر بیٹھے بیٹھے ایک دفعہ ہی گردن اس طرح پھیری جیسے کسی نے اُسے آواز دی ہو۔ سب آدمی سلامبو کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب اُس نے گردن پھیری تو وہ بھی اُدھر ہی دیکھنے لگے۔

ماتو جس زنداں میں قید تھا اس کا موقع اس پہاڑ کی چوٹی پر تھا جہاں قرطاجنہ کا قلعہ تھا۔ یہ زندان ایک چٹان کو تراش کر بنایا تھا۔ اس چٹان کے تاریک دہن کی دہلیز پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ یہ ماتو تھا۔

کمر دوہری کئے وہ زنداں سے اس طرح نکلا جیسے جانور سکڑ کر اپنے قفس سے رہا ہوتے وقت نکلتا ہو۔ تیز روشنی نے آنکھوں میں چکاچوند پیدا کی۔ کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ سب پہچان چکے تھے کہ وہ ماتو ہے۔ مگر دم سادھے کھڑے تھے۔ اِس مجرم کا جسم مذہبی اعتبار سے ایک پاک اور مطہر نور تھا۔ تمام خلقت اُسے دیکھنے کو جھکی۔ خاص کر عورتیں اُسے دیکھنے کے لئے بڑی بیتاب تھیں۔ یہ آدمی

وہ تھا جس نے اُن [redacted] مگر دِلی تمنّا یہ تھی کہ اس قاتل کو از سرتاپا دیکھیں۔ گو طبیعت شرمندہ اور نادم ہی کیوں نہو۔ یہ ندامت بعد کو قہر و غضب میں تبدیل ہو کر سخت نفرت و کراہیت کا موجب ہو گئی۔

آخر کار ماتو نے قدم بڑھایا اور اب لوگوں سے حیرت اور تعجب کا اثر دُور ہوا۔ ماتو کو اب سوائے اُن ہاتھوں کے جو اُسے مارنے کو اُٹھتے تھے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

سیڑھیاں جن سے قلعہ پر چڑھتے تھے ساٹھ تھیں۔ ماتو ان سیڑھیوں کو اس طرح اُتر رہا تھا جیسے کوئی بلندی سے نشیب میں گرنے والے سیلاب میں آگیا ہو۔ بہت لوگوں نے دیکھا کہ اُس نے چند مرتبہ کئی کئی سیڑھیاں ایک ایک چھلانگ میں طے کیں اور آخری سیڑھی جب اُترا ہے تو دونوں پاؤں کو دنے میں زمین پر ٹیکے تھے۔

کندھوں سے خون بہتا تھا اور شدت سے ہانپتا تھا۔ ہاتھ دونوں پُشت پر زنجیر سے بندھے تھے۔ اس زنجیر کو توڑنے میں اتنا زور لگاتا تھا کہ ہاتھوں کی رگیں سانپ کی طرح پھول پھول جاتی تھیں۔

جس جگہ وہ اس وقت تھا اُس کے سامنے سے کئی سڑکیں نکلی تھیں۔ ہر سڑک کے دونوں کناروں پر ایک سرے سے لیکر سڑک کی انتہا تک تین تین زنجیریں برنز کی کھنچی تھیں۔ زنجیروں کے دونوں سرے معبودانِ سلف کے بُتوں کی ناف سے شروع ہوتے تھے۔ گھروں سے ملی ایک طرف کو خلقت کھڑی تھی۔ قدمار کے نوکر بیچ میں بڑے بڑے تسمے لئے کھڑے تھے کہ لوگ سڑک پر نہ آنے پائیں۔

ان میں سے ایک نے تسمہ زور سے ماتو کو مارا۔ ماتو آگے بڑھا۔

اب لوگوں نے زنجیروں میں سے ہاتھ نکال کر ماتو تک پہونچانے چاہے

اور غل مچا کر شکایت کرنے لگے کہ ماتو کے لئے سڑک بہت چوڑی رکھی ہے ہمارے ہاتھ اُس تک نہیں پہونچتے۔ ماتو سڑک پر جانے لگا۔ آدمیوں کے ناخنوں سے کہیں گھاو پڑے ہیں کہیں کھال کٹ گئی۔ جب ایک سڑک کے خاتمہ پر پہونچا تو دوسری سڑک سامنے آئی۔ بعض وقت ماتو دوڑ کر سڑک کے ایک طرف آتا کہ اپنے ستانے والوں کو دانتوں سے کاٹ کھائے لیکن جب وہ قریب آتا تو لوگ ہٹ جاتے۔ زنجیریں ماتو کو آدمیوں کی طرف بڑھنے سے روکتیں۔ اس پر آدمی قہقہے لگاتے۔

ایک بچے نے ماتو کا کان چیر دیا۔ ایک لڑکی نے جس نے اپنی آستین میں ایک تکلہ چھپا رکھا تھا۔ اُس سے ماتو کے گال کو زخمی کیا۔ کسی نے ماتو کے سر کے بال بہت سے نوچ لئے۔ کسی نے بدن سے بوٹیاں کاٹیں۔ بہت سے ایسے تھے جنہوں نے گندگی اور نجس پانی میں اسفنج بھگو بھگو کر اُسکے مُنہ پر مارے۔ ماتو کی گردن کے بائیں طرف سے خون کی تلی بہنے لگی تھی۔ خون دیکھتے ہی خلقت میں غیظ وغضب اور تیز ہوا۔ لوگوں کے نزدیک یہ آخری وحشی متاجر کُل متاجروں اور وحشیوں کا نمائندہ تھا۔ اور اسی سے وہ اپنی تمام شکستوں، ہزیمتوں خوف وخجالت کا بدلہ نکالنا چاہتے تھے۔ جوں جوں بدلہ نکالتے تھے ان کا قہر وغضب ترقی پکڑتا تھا۔ لوہے کی زنجیر جس سے ماتو کے ہاتھ پُشت پر بندھے تھے۔ اب اس کے حلقے چرنے لگے۔ اور زنجیر ٹوٹتی معلوم ہوتی تھی۔ بھیڑ کی یہ کیفیت تھی کہ قدما کے نوکران کو کوڑے مارتے تھے مگر وہ پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ مار پڑتی رہی مگر ان کو خبر نہ ہوتی مکانوں کے جو حصے باہر کو نکلے تھے ان کو لوگ چمٹے ہوئے تھے۔ دیواروں میں جہاں کوئی دروازہ تھا وہاں اندر تک سوائے آدمیوں کے سروں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جو آزار اور اذیت لوگ ماتو کو نہ پہونچا سکتے تھے تو اُسے چیخ چیخ کر اُسکے کانوں تک پہونچاتے تھے۔

نہایت رکیک الفاظ اور بری بری گالیاں وہ ماتو کو سناتے اور طنزاً کہتے کہ کیوں اب ہمیں غارت نہیں کرتا۔ اس کو ہزارہا کوسنے دیتے اور جو اذیتیں اسوقت دے رہے تھے ان کو کافی نہ سمجھکر کہتے کہ عاقبت میں تیرے لئے اس سے بھی بدتر عذاب لکھا ہے۔

تمام قرطاجنہ میں سوائے اس چیخ پکار اور کتوں کی طرح بھونکنے کی آواز کے دوسری آواز نہ تھی۔ اور سخت مجنونانہ طریق پر وہ اس غل شور میں مصروف تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی ایک ہی لفظ یا جملے کو کھرکھرائی آواز سے دیوانوں کے لہجے میں ہزاروں مرتبہ کہتے چلے جاتے۔ کئی کئی منٹ تک ان کا یہی حال رہا۔ دیواریں اس شور سے لرزنے لگتیں۔ چوٹی سے لیکر جڑ تک وہ ہل جاتیں۔ ماتو کو معلوم ہوتا تھا کہ سڑک کی دونوں طرف کی دیواریں اس کے پاس آتی جاتی ہیں تاکہ دو نہایت قوی بازوؤں سے پکڑ کر زمین سے اٹھاکر اسکو ادھر میں لے جائیں اور وہاں اسکا گلا گھونٹ دیں۔

لیکن ماتو کو یاد تھا کہ پہلے بھی اس کو ایک مرتبہ ایسی ہی مصیبت سے سابقہ پڑا تھا۔ اور جو تجربہ اس وقت ہو رہا ہے ایسا ہی پہلے بھی ہوا تھا۔ یہی انبوہ اور ہجوم پہلے بھی مکانوں کی چھتوں اور سڑکوں پر تھا۔ یہی قہر کی نگاہیں اس وقت بھی تھیں۔ اور غصہ اور غضب بھی یہی تھا۔ لیکن اس وقت میں آزاد تھا۔ جو سامنے آتا تھا مجھے دیکھکر ہٹ جاتا تھا۔ میں اس وقت خدا کی حفظ و پناہ میں تھا۔ جب یہ باتیں یاد آئیں اور ذہن میں ان کی صورت زیادہ واضح ہوئی تو ماتو کی طبیعت پر غایت درجے افسردگی چھائی۔ نگاہ کے سامنے سے بہت سی پرچھائیاں گذرنے لگیں۔ اور دماغ میں کل شہر چکر کھاتا معلوم ہوا۔ کولے پر ایک زخم سے خون بہت بہہ رہا تھا۔ ماتو سمجھا کہ اب میں مرتا ہوں۔ گھٹنے جواب دے چکے تھے۔ اور اب وہ یکایک

آہستہ سے فرش پر گرا۔

کوئی آدمی ملک قرۃ کے ہیکل میں گیا اور اندر سے لوہے کی ایک سلاخ آگ میں جلتی ہوئی سُرخ اُٹھالایا۔ اور سڑک کے کنارے کی سب سے نیچے زنجیر کے قریب جُھک کر اس گرم سلاخ کو اُس کے زخم پر لگایا۔ گوشت سے دُھواں اُٹھا۔ ماتو کی آواز خلقت کے غُل میں نہ سُنائی دی۔ ایک مرتبہ پھر اُٹھکر چلا۔

چھ قدم گیا ہوگا کہ پھر گرا۔ تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی یہی ہوا۔ اب کوئی نہ کوئی سخت اذیت اسکو زمین سے اُٹھاتی تھی۔ لوگ پچکاریوں میں گرم سیسہ بھر کر اس کو مارتے۔ شیشے کے ٹکڑے اسکی راہ میں ڈالتے۔ مگر اس پر بھی ماتو برابر چلتا رہا۔ ست ہیب کی سڑک پر ایک دُکان کے سائبان میں دیوار سے کمر لگا کر کھڑا ہوا۔ اب وہ آگے نہ بڑھا۔ مجلس کے غلاموں نے اس کو اتنے کوڑے مارے کہ خود اُن کا پسینہ دامنِ قبا پر بہتا پہونچا۔ ماتو کو اب تکلیف کی حس باقی نہ تھی۔ پھر یکایک وہ اُٹھا اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگا۔ سی پیو کی سڑک سے نکل کر گھاس کی منڈی میں آیا اور یہاں سے خامون کے چوک میں پہونچا۔

اب ماتو کاہنوں کے علاقے میں آگیا۔ گویا اب اُنکے قبضے میں ہوگیا۔ غلاموں نے بھیڑ کو ہٹایا۔ یہاں جگہ بھی کُشادہ تھی۔ ماتو نے چاروں طرف دیکھا۔ یکایک اُسکی نگاہ سلامبو پر پڑی۔

ماتو نے جونہی پہلا قدم سلامبو کی طرف اُٹھایا سلامبو کھڑی ہوگئی۔ اور رفتہ رفتہ بلا قصد و ارادہ جس چبوترے پر تخت تھا اُس کے کنارے تک آگئی۔ اِرد گِرد کی سب چیزیں سلامبو کی نظر سے محو ہوگئیں۔ اب اُس کی نگاہ صرف ماتو ہی کے لئے تھی۔ ایک سکوت اور کیفیت اُسکی رُوح کی گہرائی میں پیدا ہوئی۔ یہ گہرائی وہ تھی جس کا اندازہ کسی کو نہ ہو سکتا تھا جس میں محض کسی خیال، کسی بات یا کسی نگاہ کے یاد آجانے

سے تمام دُنیا دل و دماغ سے مٹ جاتی ہے۔ ماتو قریب آتا جاتا تھا اور سلامبو اسکی طرف کھچی چلی آتی تھی۔

سوائے آنکھوں کے اب کوئی چیز ماتو میں انسان کی شکل کی باقی نہ تھی۔ وہ ایک قدآور جسم تھا۔ سر سے پاؤں تک لہو میں رنگا تھا۔ وہ زنجیر جس میں دونوں ہاتھ بندھے تھے ٹوٹ چکی تھی۔ اور اس کے سِرے رانوں پر لٹک رہے تھے۔ کلائیوں کی نسوں میں جن پر گوشت نہ تھا اور ان زنجیر کے ٹکڑوں میں تمیز کرنی مشکل تھی۔ مُنہ کھلا تھا۔ حلقۂ چشم سے دونوں طرف دو شعلے نکلتے سر سے اُونچے معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس حال میں بھی یہ درد و عذاب کا مارا سر سے پاؤں تک خون میں نہایا اسکی طرف بڑھا چلا آتا تھا۔

جس چبوترے پر سلامبو کا تخت تک تھا وہاں تک ماتو آیا۔ سلامبو کٹہرے پر جُھکی کھڑی تھی۔ اور اُسی کی طرف ماتو کی ہیبت ناک نگاہ جمی تھی۔ سلامبو کے دل میں خیال آیا کہ اِس مرد نے یہ تمام تکلیفیں اور عذاب میری وجہ سے جھیلے ہیں۔ اس وقت وہ موت کے کرب میں مُبتلا ہے۔ سلامبو نے ایک مرتبہ پھر اپنے تئیں ماتو کے خیمے میں پایا۔ اور چشمِ خیال نے دیکھا کہ ماتو دونوں گھٹنے زمین پر ٹیکے ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈالے عشق و محبت کے ٹوٹے ٹوٹے جملے کہتا ہے۔ سلامبو کا دل نہ چاہتا تھا کہ ماتو مارا جائے۔ اِس خیال کے آتے ہی ماتو نے زور سے ایک پُھریری لی۔ سلامبو کے مُنہ سے چیخ نکلنے کو ہوئی۔ ماتو زمین پر گرا اور حس و حرکت بند ہوئی۔

سلامبو جہاں کھڑی تھی غش کھا کر گری۔ کاہن دوڑے اور اُس کو اُٹھا کر تخت پر بٹھایا۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ کاہن سب گرد و پیش موجود ہیں۔ اور ماتو کی موت پر سلامبو کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ ہی کی وجہ

سے آج اُسے موت نصیب ہوئی ہے۔ پھر وہ سب سلامبو کا نام بار بار پکارتے ہیں۔

اتنے میں ایک آدمی کود کر ماتو کی لاش پر آیا۔ گو اُس کے منہ پر ڈاڑھی نہ تھی مگر وہ مولخ کے کاہنوں کا لباس پہنے تھا۔ پیٹی میں خاص قسم کا چھرا جس سے قربانی کا گوشت کاٹتے ہیں لگا تھا۔ اِس چھرے کے ایک سرے پر سونے کا ایک پشت خار تھا۔ غرض اس آدمی نے آتے ہی ماتو کے سینے میں چھرا بھونک کر ہاتھ ڈالا اور اُسکا دل نکال کر چمچے پر رکھا اور اس طرح شاہابریم نے ہاتھ اونچے کر کے ماتو کا دل آفتاب کو نذر میں پیش کیا۔

سورج سمندر کی موجوں میں دور ڈوبتا دکھائی دے رہا تھا۔ ماتو کے دل پر خوں پر سورج کی کرنیں تیروں کی طرح پڑ رہی تھیں۔ ادھر دل کی حرکت کم ہوتی گئی۔ اُدھر اُس کی آخری جنبش پر سورج غروب ہوتے ہوتے بالکل ہی نظر سے غائب ہو گیا۔

اب خلیج سے جھیل تک اور خاکناے سے روشنی کے منارے تک تمام راستوں بت خانوں اور گھروں کی چھتوں سے شدت سے زبردست نعرے بلند ہوئے۔ کبھی وہ گرج کر بند ہو جاتے، کبھی پھر گرجنے لگتے۔ ان نعروں سے شہر کے مکانات لرزنے لگے۔ تمام قرطاجنہ بادہ مسرت اور بے انتہا اُمیدوں کے نشے میں بدمست ہو رہا تھا۔

نرہیوا اس بھی اس وقت فخر اور غرور کے نشے میں چور تھا۔ اُس نے بایاں ہاتھ سلامبو کی کمر میں ڈالا گویا اب سلامبو کا مالک ہوا ہے۔ داہیں ہاتھ میں سونے کا پیالہ شراب سے بھرا لیے تھا کہ قرطاجنہ کا جامِ صحت نوش کرے۔

سلامبو بھی شوہر کی طرح جامِ شراب لیکر اُٹھنا چاہتی تھی کہ وہ بھی قرطاجنہ

کا جام صحت پیے۔ لیکن فوراً غش کھا کر گری۔ سر تخت کی پُشت میں لگا۔ چہرے پر زردی کھنڈی اور حس و حرکت جاتی رہی۔ لب سے لب جُدا تھا اور سر کے بال کھُلے زمین پر پھیلے تھے۔

اِس طرح ہملکار کی بیٹی دُنیا سے رُخصت ہوئی۔ وجہ یہی تھی کہ اُس نے تانیت کے پیرہن کو چھُو لیا تھا۔

تمت

نجم السحر

اِس کتاب کے چند باب وقتاً فوقتاً ساقی میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اسقدر پسند کئے گئے ہیں کہ وہ پرچے اب دفتر ساقی میں فائل کیلئے بھی باقی نہیں ہیں شائقین کے اصرار سے پوری کتاب بصرفِ زرِکثیر شائع کی گئی ہے۔ رائڈر ہیگرڈ قدیم سے قدیم تہذیب و معاشرت کو صحت کیساتھ پیش کرنے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ "نجم السحر" اسی مصنف کا شہ پارہ ہے جس میں اُس نے مصر قدیم یعنی اب سے کم از کم پانچہزار سال پہلے کی ایسی عمدہ تصویر پیش کی ہے کہ اس زمانے کی ایک ایک بات آنکھوں کے سامنے پھرجاتی ہے۔ فراعنۂ مصر کے عالیشان محلوں کی شان و شوکت، انکا طرزِ حکومت، انکا طرزِ عبادت، انکا طرزِ مبارزت، غرض رزم و بزم کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس پر خاطر خواہ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ پھران شاہی ایوانوں میں حُسن و عشق کا پروان چڑھنا، محبت کی شیرینی، رقابت کی آتشناکی اور ہجر و فراق کی جگرخراشی و دلپاشی! اس مٹے ہوئے تمدن اور اس مٹی ہوئی انسانیت کی بولتی چالتی تصویر آپ کو اپنے محیّر العقول مناظر میں گم کر دیگی۔ دربار کے پُرشکوہ سین آپ کو محو کر دیں گے۔ سحر کی کرشمہ سازیاں دیکھکر آپ دنگ رہ جائینگے۔ ملکہ نیفرطیہ پر (جو رتِ عمون کی بیٹی تھی) کیسی کیسی اُفتادیں پڑیں اور اسکی عجیب و غریب ہمزاد نے کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے۔ اشمون نجومی کی سحر طرازی، توران کے مظالم، نجم السحر کی فراست و استقامت، ساحرہ آشتی کی وفاداری، غرض ہر کردار اپنی جگہ پر ایک عجوبہ ہے۔ یہ کتاب اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے انگریزی میں بہت مشہور ہوچکی ہے۔ ہندوستان کے بہترین مترجم جناب عنایت اللہ دہلوی بی۔ اے نے فصیح و سلیس اُردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور صرف انکا نام ہی ترجمہ کی فصاحت و عمدگی کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ کاغذ سفید قسم اعلیٰ۔ ضخامت بانگِ درا سائز کے ۴۳۸ صفحات۔ قیمت عہ؎ علاوہ محصولڈاک ۔

ملنے کا پتہ ساقی بکڈپو۔ دہلی۔